فہرست

شعر میں کہا ہے کہ

در دشتِ جنونِ من جبرئیل زبوں صیدے

کہ میری تلاش وجنوں کے صحرا میں جبرئیل ایک معمولی سا شکار ہے۔

یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ

اگر تو اپنے آپ کو عاقل و بالغ و متجسس سمجھتا ہے' تو پھر سیدھی کمند اللہ پر پھینک کے دیکھو۔ نیچے کیا جانا۔ اگر آپ ہی کے لیے یہ کائنات اور زمانہ ہے' تو پھر اپنے خالق پر کمند پھینک کے دیکھو۔

ایک بڑا نقص جو ہماری سوچ وفکر کے نظام میں در آیا' وہ یہ ہے کہ تمام کا تمام علمی اور ذہنی تجسس اسلوب کی وضاحت میں صرف ہو رہا ہے۔ جب یہ خدا کے باب تک پہنچتا ہے' تو بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے۔ کوئی وضاحت نہیں دیتا کہ ہم اپنے اعتقادات کی بنیادی اساس کو کسی دلیل پر کیوں نہیں قائم کر سکتے۔ جبکہ وہ رب کریم' جو اپنے آپ کو عقل کل اور حکمت کل کہتا ہے' اپنی کتاب میں ایک بڑی واضح بات لکھتا ہے کہ جو ہلاک ہوا' وہ دلیل سے ہلاک ہوا اور جو زندہ ہوا' وہ دلیل سے زندہ ہوا۔

اس کے برعکس جو اندھا دھند اعتقاد رکھتے ہیں' ان کے بارے میں سختی سے کہتا ہے کہ میرے نزدیک انسانوں میں بدترین جانور وہ ہیں' جو اندھے' بہرے اور گونگے ہیں۔ سنتے نہیں۔ غور وفکر نہیں کرتے اور عقل نہیں رکھتے۔ اب ایسے رب کو اگر آپ اندھے عقیدے سے سلجھائیں گے' تو وہ بذات خود بڑی غضبناکی کے ساتھ آپ کو شکست دینے کے لیے آئے گا۔

اللہ پر جو تین بنیادی بیانات ہیں' وہ میں آپ کو بتانے کی کوشش کرتا ہوں کہ ان کا تعلق کس چیز کے ساتھ ہے۔ حضرت عیسیٰؑ سے پوچھا گیا کہ خدا کیسے پائیں؟ جواب ملا Know thyself and you shall know thy God اپنے آپ کو جانو اور خدا کو جان لو گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہور قول ہر زمانے میں لوگوں کے سامنے رہا' ومن عرف نفسہ فقد عرف ربہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا' اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ سب سے بڑھ کر فیصلہ کن بات کرتے ہوئے رسول کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ خدا جس کو اپنا علم دینا چاہتا ہے' اس کی آنکھ اس کے اوپر کھول دیتا ہے۔

خدا کا علم آپ کی ذات کے علم سے فروغ پاتا ہے۔ آپ کی ذات کا علم ہی وہ دروازہ ہے جس میں سے گزر کر آپ حقیقت کبریٰ کے شناسا ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ کام کسی ان پڑھ کا نہیں ہے نہ یہ کام اتنا سادہ ہے جتنا سوچا جا سکتا ہے۔ یہ ایک بہترین عقل اور متوازن انداز نظر کی وجہ سے ہے۔ جب تک انسان اپنی جبلی بے اعتدالی سے نہیں گزرتا' وہ اپنے عدم توازن کو توازن میں تبدیل نہیں کرتا اور اس توازن تک نہیں پہنچتا' جو خدا کی شناسائی کے لیے ضروری ہے۔ وہ کبھی بھی ان ترجیحات سے گزر کر ترجیح اول تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اس کی تمام تر زندگی کمتر ترجیحات کی تلاش و جستجو میں گزر جائے گی۔ وہ کبھی بھی علم و دانش' عقل' زندگی اور مرتبے کی ترجیح اول تک نہیں پہنچ سکے گا۔ جب توازن آتا ہے' تو یقیناً خدا کے علم کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ جب ایک انسان اپنے آپ کو اچھی طرح سمجھتا ہے' خوب اچھی طرح تحلیل نفسی کرنے کے قابل ہو جاتا ہے' تو انسانی جبلت بھی جگہ چھوڑتی ہے۔ وہی اپنے نعم البدل کے طور پر خداوند کریم کی طرف اعلیٰ ترین صفت کا مظہر بنتی ہے۔

جب انسان اپنے غصے کو ترک کرتا ہے' تو خداوند کریم کی صفت حلیمی تک پہنچتا ہے۔ جب وہ اپنی نفرت کو کم کرتا ہے اور اعتدال اختیار کرتا ہے' تو پروردگار عالم کی صفات رحمت تک پہنچتا ہے۔ سیدنا علی بن عثمان ہجویریؒ نے فرمایا کہ فنا فی اللہ کی تعریف یہ ہے' کہ انسانی صفات سے گزر جائے اور اپنے اندر خدا کی صفات پیدا کرے' مگر یہ ایک دن کا کام نہیں۔ یہ بہت غور و فکر کا کام ہے۔

سب سے پہلا تجسس کسی انسان کو یہ ہوتا ہے کہ اس میں کوئی خامی ہے بھی یا نہیں۔ اگر وہ تمام عمر اپنی ذات پر مروت اور محبت کی نظر رکھے گا' تو کبھی بھی اپنی ذات کو فہمائش اور تنبیہ نہیں کر سکے گا۔ یہ ضروری ہے کہ اس بات کے جاننے کے لیے خدا کا یہ قانون اپنایا جائے و امان من اف مقام ربہ ونھی نفس عن الھوی کہ جو خدا کے خلاف کھڑا ہونے سے ڈرا' اللہ کے خلاف جنگ کرنے سے بچا' اس نے اپنی خواہش' اپنے نفس کی مخالفت کی۔ ایک ہمدردانہ ذات جو اپنے آپ کو بہتر سمجھتی ہے' اپنے آپ کو معتبر سمجھتی اور خود کو کسی نہ کسی اچھائی کی بنیاد پر رکھتی ہے' وہ کبھی بھی خدا کی آگاہی حاصل نہیں کر سکتی۔

انسانی عقل تین حصوں میں بٹتی ہے۔ اس کا پہلا حصہ جسے جبلت کہتے ہیں' انسان اور جانور میں یکساں ہے۔ تمام انسان اور تمام زندگی کو بنیادی طور پر ایک جبلت پر جمع کیا گیا ہے۔ جیسے

پروردگار نے فرمایا واحضرت الانفس الشح ہم نے تمام جانوں کو بخل جان پر جمع کیا۔ خواہ وہ جانور ہے یا انسان' ہر ایک میں سب سے پہلے اور بنیادی جبلت حس بقاء ہے۔

اس کے بعد انسان پیدائش کے مراحل سے گزرتا ہوا تعلیم حاصل کرتا ہے۔ ایسی باتیں سیکھتا ہے' جو بظاہر اس کی شخصیت کو موزوں و متناسب کرتی ہیں۔ وہ ایک درجہ علمی تک پہنچتا ہے' جسے آپ انٹلکچوئل علم کہتے ہیں۔ ایک ایسا علم' جو شواہد پر مبنی ہو۔ جس کے پیچھے بہت سارا ڈیٹا ہو۔ ادب اور علوم ہوں اور عمرانیات ہو۔ جب وہ یہ معلومات اکٹھی کر لیتا ہے' تو اپنے آپ کو تعقل کے درجے پر فائز سمجھتا ہے۔ پہلا درجہ جبلت اور دوسرا تعلقل کا ہے۔

جب کوئی تعقل اور تجسس کو ایک ہی مسئلے پر مرتکز کر دے اور سالہا سال اس کی ذہنی الجھن اور مشقت کا وہی باعث رہے' تو وہ ایک درجۂ وجدان تک پہنچتا ہے۔ اس وجدان میں مسلمان اور کافر' بے یقین اور صاحب یقین سب ایک جیسے ہیں۔ جیسا وجدان ہمارا ہے' ویسا وجدان کسی غیر کے پاس ہو سکتا ہے۔ نیوٹن بارہ برس تک ایک مسئلے پر ارتکاز کے بعد آخر کار کشش ثقل کے قانون تک پہنچتا ہے۔ الیگزینڈر فلیمنگ کی آٹھ سال کے ارتکاز کے بعد خدا نے یہ مدد کی کہ باہر آتی ہوئی ڈبل روٹی کے ٹکڑے نے اسے پنسلین تک پہنچا دیا۔ اسی طرح نامیاتی کیمیا کے Snake-tail فارمولہ میں مدتوں جب ایک سائنس دان بیٹھا ہوا سوچتا رہا' تو اس کو آگ کے اٹھتے ہوئے شعلوں سے Snake- tail فارمولہ کی بنیاد ملی۔ چنانچہ تعقل مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مشترکہ صفت ہے۔

مسلمان کے پاس ایک اور درجہ علمی بھی ہے' جو وجدان سے ذرا آگے ہے اور اسے الہام کہتے ہیں۔ الہام کوئی غیر مرئی یا ڈھلنے والی شے نہیں ہے' بلکہ اسی علم و عقل و فراست کی نزہت ہے۔ جب یہ مزید تجزیہ میں جاتی ہے۔ جیسے ایک جبلت تعلق بنتی ہے اور تعقل وجدان بنتا ہے' اسی طرح وجدان ایک مسلسل ارتکاز کے بعد خدا تک پہنچتا ہے' تو اسے الہامی کیفیت حاصل ہوتی ہے' لیکن یہ کسی بھی غیر مسلم کو اس لیے دستیاب نہیں ہے کہ اسلام آنے کے بعد پروردگار عالم نے باقی مذاہب کو کم تر توجیہہ' کم تر تعلیم' تعبیر اور نصف تعلیم قرار دیتے ہوئے فرمایا ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ (پ ۳' س آل عمران' آیت ۸۵) اب اگر آپ کو میرا وجود اور حصول چاہیے' تو آپ کو اب میں اسلام کے سوا اور کہیں نہیں ملوں گا۔

بدقسمتی سے ہمارے لیے اسلام مجبوری ہو گیا ہے۔ ہر خدا طلب کرنے والے کے لیے اسلام مجبوری ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ آپ تبت کا لاما ہو کر خدا کو پا سکتے نہ ہندو یوگی' افریقہ کا شامان یا عیسائی راہب ہو کر خدا کو پا سکتے ہیں۔ اب مجبوری یہ ہے کہ خدا نے ملنا اسلام میں ہے۔ چاہے کہیں کوئی بھی خدا کی تلاش میں نکلے گا' کسی بھی مذہب کا ہو گا' بالآخر ڈھونڈتے ہوئے وہ خدا کی تلاش کے لیے اسلام تک ضرور پہنچے گا۔

پروردگار نے جب انسان کو پیدا کیا۔ ایک امانت خاص اسے عطا کی' جسے عقل کہتے ہیں۔ انسان کو پورا پروٹوکول دیا۔ جگہ پہلے سے سنواری اور پہلی آیات کریمہ' جو زندگی اور انسان کے بارے میں ہے' میں پروردگار نے واضح طور پر کہا کہ دو دن میں نے دنیا کو بنانے میں اور دو دن اشیائے ضرورت انسان رکھنے میں لگائے۔ یہ ہوئے چار دن' یعنی چار ارب سال۔ اللہ تعالیٰ کا دنیا بنانے اور اجرام فلکی کو رول کرنے کا پیمانہ ایک دن برابر ایک ارب سال ہے۔ اجرام فلکی کی ساری عمر چھ بلین سال ہے اور سچائی پروردگار کے قول کی یہ ہے کہ ہم نے چھ دن میں آپ کی دنیا بنائی اور ایک دن ایک بلین سال کے برابر ہے۔ دو ارب سال لگے زمین کو علیحدہ کر کے سنوارنے میں اور دو ارب سال اس میں اشیائے ضرورت کا سامان رکھنے میں لگ گئے اور بلند کیے ہم نے آسمانوں کو اور درست کیا ہم نے زمین و آسمان۔ اور یہ ہوئے چھ دن۔ مگر یہ پروٹوکول بخشنے کے بعد پروردگار نے ایک حتمی فیصلہ کیا کہ چونکہ میں نے تمہیں اپنی آگہی روزِ الست سے دی ہوئی ہے۔ تم سب کو ارواح کے عالم میں شناخت بخشی ہے اور میں نے تمہیں بتایا ہوا ہے کہ میں کون ہوں' اس آیت کے مصداق' جسے آیت میثاق کہتے ہیں' فرمایا، حجت تمام ہوئی۔

اب میں آپ سے یہ سامنا چھین لیتا ہوں۔ اب میں جھروکے میں بیٹھوں گا اور تمہیں دریافت کا انسٹرومنٹ دے دوں گا۔ تعقل' جان پہچان کی اہلیت' تجسس' دریافت' تحقیق' جستجو۔ اب جاؤ' تمہیں شواہد مہیا کروں گا۔ اشارے دوں گا اور کام صرف ایک لوں گا اور وہ بھی دنیا میں نہیں۔ جب تم دنیا چھوڑ کر آ راستگی قبر میں پہنچو گے۔ ایک لمحے کے لیے تمہیں زندہ کروں گا۔ صرف ایک بات پوچھنے کے لیے کہ مــن ربـک ، بتاؤ تمہارا رب کون ہے؟ آپ گزر آئے۔ پروٹوکول انجوائے کیا۔ لطائف دنیا سے آگاہی ہوئی۔ لذائذ و شروبات سے خوب لطف اندوز ہوئے لیکن وہ میرا کام کہاں گیا' جس کے لیے میں نے آپ کو بھیجا تھا؟ یہ زندگی کے دوران سے گزرتے ہوئے

کبھی آپ نے میرے بارے میں سوچا؟ کبھی مجھے ترجیح دی؟ کبھی یہ دیکھا اور خیال کیا کہ کس نے ہمیں کس کام کے لیے بھیجا؟ میں تو آپ سے یہ سوال ضرور کروں کہ مــن ربــک یہ چھوٹا سا جملہ اور اس کے ساتھ ایک رعایتی سوال۔ یہ آپ کا اربوں اور کھربوں سال کی جنت اور دوزخ کی کہکشاں (گلیکسیز) کے لیے پاسپورٹ ہے۔

جب کسی بندے نے شبے کا اظہار کیا یا صحیح طور پر دریافت نہ کر سکا' تو خدا نے خود فرمایا کہ بے شک میرے بندے نے جھوٹ کہا' بے شک میرے بندے نے سچ کہا۔ اس کے بعد جنت یا دشت کی ایک نئی دنیا کا سفر ہے۔ مذہب' آدمؑ سے لے کر محمد رسول اللہ تک بڑی سمتیں بدلتا رہا۔ بڑی شریعتیں تبدیل کیں۔ کبھی کوئی قانون جائز اور کبھی ناجائز رہا۔ کبھی سوال پوچھنے پر سزا دی گئی' کبھی حرام حلال اور کبھی حلال حرام ہوا۔ بہت سی چیزیں' جو بنی اسرائیل کو حرام کر دی گئی تھیں' ہمارے لیے حلال ہو گئیں۔ بہت ساری' جو ان میں کبھی حلال تھیں' ہمارے لیے حرام کر دی گئیں۔ شریعتیں ہر دور اور ہر زمانے میں انسانی بلوغت' ابلاغ اور ترقی ذہن انسان کے ساتھ انداز بدلتی رہیں مگر آدمؑ لے کر محمدؐ تک تمام تر مذہب کا ایک مقصد کبھی اللہ نے نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ وہ اس تمام تر رد و بدل کے باوجود خود اللہ کا مقصد ہے۔

جب حضرت انسان کے دل میں ہر قسم کی بیزاری اور بے چارگی پیدا ہو گئی۔ ہر چیز سے اس نے قطع تعلق کیا' تو اسے پروردگار عالم کی جستجو ہوئی۔ اسے مربی اور محسن کی آرزو ہوئی' جسے وہ اپنے دل کے دکھ سنا سکتا۔ اسے محسوس کر سکتا۔ جس کے مہربان ہاتھ کو اپنی جلتی ہوئی پیشانی پر محسوس کر سکتا۔ ایسے وقت اس نے ہمیشہ خدا کا نام لیا۔ جب خدا کا نام لیا اور اسے جستجو اور آرزو ہوئی کہ کیا ایسا رستہ ڈھونڈوں' جس سے خدا تک پہنچوں' تو اس وقت صرف اور صرف مذہب نے اسے یقین دلایا کہ میں ہی خدا تک پہنچنے کا رستہ ہوں۔

گذشتہ کئی برسوں سے ہم نے دیکھا ہے کہ مذہب میں بہت سے طبقہ ہائے خیال پیدا ہو گئے ہیں۔ ان تمام تر دبستانوں کی بنیاد طریقے اور ضابطے پر رکھی گئی۔ کسی نے انداز نماز پر اپنے آپ کو علیحدہ کیا۔ کسی نے اعمال کی ترقی و ترویج پر اور کسی نے چند ایک ظاہری اصولوں کو اپنانے میں اپنا تشخص اپنایا۔ یوں تمام تر مذہبی جماعتوں میں ایک فارمیٹ (Format) اور انداز نقد و نظر کا ایک طریقہ قائم ہو گیا اور اسی طریقے کو بغیر تحصیل اور تجسس کے اور یہ جانے بغیر کہ یہ مذہب کا

مقصد اول نہیں ہے' حتمی طور پر مقرر کر دیا گیا۔

اپنی ذات کے علم میں ایک بنیادی بات یہ ہے کہ نفسیات' تحلیل نفسی اور عرفانِ ذات کی بنیاد علوم نفسیات ہے۔ اگر علوم نفسیات سیکھنے اور پڑھنے کے علاوہ کسی دوسرے انسان پر استعمال کیے جائیں' تو یہ سائنس ہے۔ مگر انہی نفسیاتی اصولوں کے ذریعے خود اپنا تجزیہ کریں' تو کم از کم آپ نے تصوف میں خدا کی شناخت میں پہلا قدم اٹھا لیا۔ ہمارا اور مغرب کا بنیادی فرق یہ ہے کہ مغرب خدا کے خیال اور تصور سے نا آشنا ہے اور معروضی علوم اس کا مقصد نظر ہے۔ وہ بہت معروضی تھے۔ علوم' حقائق اور اعداد و شمار پر یقین رکھتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ان میں ایسی کوئی حس نہیں پائی جاتی تھی' جس سے وہ کسی غیر مرئی وجود' کسی فلسفہ الٰہیات یا کسی کائناتی ارتقاء میں بڑھتے ہوئے خدا کی شناسائی کا شرف حاصل کر سکیں۔ اس کے برعکس ہر مسلمان کے سینے میں خدا کی تلاش' اس کا تجسس اور کچھ پکے احساسات موجود رہے۔ ناخواندہ' کم تعلیم یافتہ تڑپ موجود رہی۔ مگر بدقسمتی یہ تھی کہ وہ کبھی بھی معروضی انداز اختیار نہ کر سکے۔ اس کے ارادے بہتر ہونے کے باوجود اس لیے بھٹک گئے کہ اس نے ہمیشہ خواب و خیال' وہم و وسوسہ اور سراب کی کیفیتوں کا آسرا لیا۔ مسلمانوں سے جو چیز اٹھ گیا' وہ وہی مغربی معروضیت تھی۔ اعتدال چاہیے تھا۔ اُدھر وہ بے اعتدالی ہو گئی' اِدھر یہ بے اعتدالی ہو گئی۔

اس وقت مسلمانوں کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ کم تر اور کم اہم معاملات کو بڑی ترجیح دے دیتا ہے اور اعلیٰ ترین ترجیح کو کم تر درجہ پر رکھتا ہے۔ تمام کا تمام نظامِ خیال اوپر نیچے ہو گیا ہے۔ میں اس آیت کا ترجمہ نہیں کر رہا کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید میں آپ کو ایک ذاتی یقین کی بات کر رہا ہوں کہ خدا ایک قریب ترین احساس ہے۔ جب بھی کسی انسان کا دل اس کو سوچنے کی طرف مائل ہوتا ہے' اس کی محبت اور خیال میں ترقی کرتا ہے' تو یوں سمجھئے کہ اس بین الکائناتی نظام میں جہاں نوری سال بھی گننے کے لیے کم ہیں' اس دل کے دریچے سے انسان متواتر خدا کو جھانک سکتا ہے۔ بڑی حیرت کی بات ہے کہ اس وسیع و عریض کائنات اور مافوق الفطرت فاصلوں میں پروردگارِ عالم ایک چھوٹی سی راہداری میں ہر وقت موجود ہے۔ پوچھا گیا' یا رسول اللہؐ! خدا کہیں سماتا ہے؟ فرمایا کہیں نہیں۔ فرمایا' یا رسول اللہؐ! کہیں؟ فرمایا' دلِ مومن میں۔

بغیر اپنی ذات کو سمجھے کوئی شخص عرفانِ خدا حاصل نہیں کر سکتا اور بغیر ایک درجہ اعتدال

کے تمام تجربات روحانی مشکوک ہیں۔ تصوف اعتدال کی زندگی بسر کرنے کا نام ہے۔ اعتدال جو شاید دنیا کا مشکل ترین کام ہے مگر ہم نے خدا کی تلاش کو نارمل اور اعتدال کی تلاش سے نکال کر اسے مافوق الفطرت حرکات کا نتیجہ قرار دیا۔ پراسرار اور دیومالائی کہانیوں کا مرکز بنا دیا۔ معاذ اللہ ہم نے خدا کو شاید کسی جناتی مخلوق سمجھ کر اس کے لیے چلہ کشی شروع کر دی جبکہ وہی خدا یہ کہہ رہا تھا کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام سلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ لاسرورۃ فی الاسلام اسلام میں فاقہ نہیں ہے۔ اسلام اسی طرح ہے جیسے نبی اکرمؐ نے پیش کیا اور خدا اسی طرح ملتا ہے جس اعتدال سے اللہ کے رسولؐ نے پایا۔ جس اعتدال سے صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور تبع تبع تابعین نے پایا۔ آج بھی اصولِ عاشقی وہی ہیں۔ محبت خداوند کا کوئی قرینہ نہیں بدلا۔ اپنی ذات کے محاسبے اور اعتدال کے بعد عرفانِ خداوندی اعتدال میں نصیب ہوتا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ اعتدال صرف علم سے ممکن ہے۔ خدا کے ہاں کسی انسان کے درجات معجزہ و کرامت پر مبنی نہیں ہیں۔ خدا کسی انسان کو اس لیے فضیلت نہیں دیتا کہ اس کو وہ بہت سارے درجات عطا کرتا ہے بلکہ اللہ نے ارشاد فرمایا و نرفع درجت من نشاء جس کے چاہتا ہوں، درجات بلند کر دیتا ہوں وفوق کل ذی علم علیم (پ ۱۳، س یوسف، آیت ۷۶) اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔ بار بار پروردگار نے اساسِ علمیہ کے تجسس اور غور و فکر میں ہمیں دعوت دی۔ اپنے بہترین بندوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں کے بل وہ مجھے یاد کرتے ہیں مگر ساتھ ساتھ ویتفکرون فی خلق السموٰت والارض (پ ۴، س آل عمران، آیت ۱۹۱) زمین و آسمان کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ہیں۔

جب حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا و اطلبوا العلم ولو کان بالصین علم تلاش کرو خواہ تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے، تو علم تو اس وقت مدینے سے باہر تھا ہی نہیں۔ پھر وہ کس علم کی تلاش کے لیے ان کو ترغیب دے رہے ہیں؟ دراصل یہ وہ علم حقائق ہے، جو دنیا میں ارد گرد اور ہمارے آس پاس اعداد و شمار کی صورت میں بکھرا ہوا ہے۔ وہ ہمیں کسی جذباتی یقین کی بجائے ایک محققانہ تحقیق تک لے جاتے ہیں اور ہم خدا کے بارے میں جتنا بہتر حقائق سے سمجھتے ہیں، خواب و خیال اور وہم و وسوسہ سے اتنا نہیں جان سکتے۔ بدقسمتی سے ہم نے علم کی بجائے تصوراتی، سنی سنائی

باتوں اور غیر معروف دقیانوسی واقعات کو اساس بنا کر تمام تصوف کو جادوگری بنا دیا۔ اعتدال کو ہم نے انتہا پسندی بنا دیا۔

ہمارے نزدیک کائنات کا سب سے بڑا علمی خزانہ کتاب اللہ ہے' قرآن حکیم ہے۔ دیکھا جائے کہ وہ کس صورت میں رکھا گیا ہے؟ کیا کسی غیر معتدل انسان میں رکھا گیا ہے؟ کیا کسی انتہا پسند میں رکھا گیا ہے؟ کیا کسی (Dejected down trodden?) میں رکھا گیا ہے؟ لیکن دیکھتے ہیں کہ بہترین علم بہترین تناسب میں رکھا گیا ہے۔ قرآن اور رسولؐ کا وجود علم کا ایک بنیادی اصول فراہم کرتے ہیں۔ جوں جوں کسی کا علم بہتر ہوگا' توں توں وہ اعتدال کو بڑھے گا۔ مسلم کی آٹھ احادیث ملحقہ اور تمام احادیث کا صرف ایک مقصد ہے کہ آقا اور رسولؐ نے ارشاد فرمایا' اعتدال اختیار کرو۔ اگر مکمل اعتدال نہ ہو سکے' تو کم از کم اس کے قریب ترین رہو۔

جب ایک داخلی توازن قائم ہو جائے۔ جب خدا کسی وجود کی ترجیحِ اول ہو جائے' تو یہ بگڑی ہوئی کائنات' یہ نظامِ اصغر' یہ ایک صغیر کا وجود' اس کائنات کی طرح' جو بگ بینگ (Big Bang) سے پھیل رہی ہے' ایک دھماکہ خیز پیدائش کے بعد بکھرتا چلا جاتا ہے اور اس وقت تک نہیں سمٹتا' جب تک اس کو واپس کھینچنے والی کوئی قوت نہ ہو۔ صرف اللہ اور صرف اللہ اور صرف اللہ ایک ایسی ذاتِ گرامی ہے' جو اس کو مرکزیت عطا کرتی ہے۔ اس کی ترجیحِ اول اس کو اس کے وجود کا تشخص دیتی ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے' جب وہ ایک مرکزی وجود انسان کے باطن میں آزادی' محبت اور انتخاب سے مرکزیت اختیار کر لیتا ہے۔ مشقت اور جرم سے نہیں' بلکہ پروردگار نے فرمایا فاذکرو اللہ کذکرکم آباء کم او اشد ذکرا (پ۲' س البقرہ' آیت۲۰۰) مجھے ایسے یاد کرو' جیسے اپنے آبا و اجداد کو کرتے ہو۔

ذرا زیادہ پڑھا لکھا ہوا مسلمان کہتا ہے کہ اعمال ہی ذکر ہیں۔ قرآن ذکر ہے۔ ایک اہم آیتِ قرآن' جس میں قرآن کا بھی ذکر ہے اور نماز کا بھی ذکر ہے' سنا رہا ہوں۔ مگر ان کو اتنا اہم نہیں قرار دیا گیا' جتنا کہ ایک تیسری بات کو۔ یہ ضروری ہیں مگر ان سے بہت بڑی بات ایک اور ہے اتل ما اوحی الیک من الکتب کہ کتاب کی تلاوت کرو۔ یہ تمہیں امر و نہی سے آگاہ کرے گی۔ واقموا الصلوٰۃ اور نماز قائم کرو۔ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر یہ تمہیں فحش و منکر سے روک دے گی۔ ولذکر اللہ اکبر (پ۲۱' س العنکبوت' آیت۴۵) مگر

ہماری یاد تو بہت بڑی ہے۔ نماز اور روزہ یاد کا حریف نہیں ہے۔ جب مجھ سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ نماز اور روزہ پر زور نہیں دیتے، تسبیح پر زیادہ زور دیتے ہیں، تو میں نے عرض کی کہ کب تک آپ پرائمری میں کھڑے رہیں گے؟ جو مسلمان ہوا، کیا اس کو پتہ نہیں کہ نماز اور روزہ کے بغیر انسان مسلمان نہیں ہے؟

کیا ایک اسلوب سے گزر کر ایک مقصد کو نہیں پہنچنا؟ جس شریعت کے پیچھے خدا کی خواہش اور خیال نہیں۔ جس شریعت کے پیچھے حصول خداوند کی چاشنی نہیں، طلب اور جستجو نہیں۔ غم و اندوہ و بلا نہیں۔ دوست تک پہنچنے کی کوفت نہیں، وہ محض منجمد ہے۔ رسم و رواج ہے اور اس سے آگے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ مگر جس شریعت اور مذہب کے پیچھے ایک مسلمان مرد اور عورت کا یہ تصور جاگتا ہو کہ یہ طریقہ ہے۔ منزل مقصود خدا ہے۔ میں نے خدا کو حاصل کرنا ہے، وہی شریعت طریقت ہو جاتی ہے۔ یہی سیدنا محمد بن اسماعیل بخاری کی وضاحت ہے۔ اس حدیث میں، جس میں آپ نے ارشاد فرمایا انما الاعمال بالنیات آپ کو نصیب ہو جائے اور آپ کی ذات مرتکز ہو جائے، تو کائنات آپ کی اسیر ہے۔ معاملات آپ کے قیدی ہیں۔ خیالات آپ کی جولان گاہ ہے۔ جدت، حدت، ندرت اور قدرت یہ سب آپ کی ہیں۔ آپ مرید بھی ہیں۔ قدیر اور متکلم بھی ہیں۔ جب آپ خدا کے ساتھ ہیں اور خدا آپ کو اس کا جواب بھی دے رہا ہے، تو خدا خود اپنی ذات مبارک سے ارشاد فرماتے ہیں۔ ولا تھنوا غم نہ کرنا ولا تحزنوا میری یاد میں سستی نہ کرنا وانتم الاعلون تم ہی غالب ہو۔ ان کنتم مومنین (پ ۴ س آل عمران آیت ۱۳۹) اگر ایمان لانے والا ہو۔

بنیادی سوسائٹی میں توحید

دنیا کا ایک خطہ ایسا تھا، جس میں انسان کبھی نہیں تھا۔ یہ اسکیموز کا خطہ تھا۔ پانچ ہزار سال قبل مسیح کی یہ مخلوق اکیلی علیحدہ پروان چڑھ رہی تھی۔ ان پر کسی دوسری تہذیب کا اثر نہیں ہے۔ جب یہ دریافت ہوئے، تو لوگوں نے سوچا کہ شاید یہ بغیر عقیدہ کے چلے آتے ہیں۔ اسکیموز سے پوچھا گیا کہ کیا تم کسی بات میں ایمان رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم آسمانوں میں ایک طاقت کو مانتے ہیں۔ سیل کا شکار کرنا ہوتا ہے، اور جب ہمیں مدد مانگنی ہوتی ہے، تو ہم آسمانوں سے

مدد مانگتے ہیں۔ اگر اس اصلی، سادہ اور بنیادی سوسائٹی سے پوچھا جائے کہ ان کا اعتقاد کس پر تھا؟ تو وہ ایک خدا پر اعتقاد رکھتے تھے۔ اس لیے آج کے دور میں اس سے پہلے یا کسی اور دور میں خدا کی آگہی تمام بنی آدم کو حاصل تھی۔

حضرت نوحؑ کا طوفان ساری دنیا پر آیا۔ دنیا نے سائنسی اور مذہبی طور پر ریکارڈ کیا ہوا ہے۔ جو نسل اس میں سے بچی، وہ تمام خدا پرست تھی۔ وہ حضرت یافث، حضرت سام یا حضرت حام تھے۔ خدا پرست تھے۔ جب آگے ان کی اولاد میں مذہب اترا، تو ان کے پاس معاشروں کی تاریخ تھی اور تمام معاشروں کا پہلا تعارف خدا پرستی تھی۔ اس کے بعد یہ تبدیل ہوئے تھے۔

جب اسلام ہندوستان میں بڑھا پھیلا، تو درمیان میں ایک تحریک پھیلی، جس کو بھگتی تحریک کہتے ہیں۔ بھگتی میں رامانند اور کرشنن نے یہ دعویٰ کیا کہ نہ صرف مسلمان ایک خدا میں یقین رکھتے ہیں، بلکہ ہندومت کا بنیادی عقیدہ بھی ایک خدا پر یقین رکھنا ہے۔ اسی لیے وہ منو کو نقل کرتے ہیں۔ منو، حضرت نوحؑ کے ہم عصر ہیں۔ سمرتی ایک کتاب قانون ہے اور اس میں منو کا قول نقل کرتے ہیں۔ ایک بچے نے پوچھا، یہ برہما، شیوا اور وشنو کیا ہے؟ اس نے کہا کہ حقیقت مطلقہ ایک ہے۔ یہ اس کے پرتو ہیں مگر کبھی اس غلطی کا ارتکاب نہ کرنا کہ حقیقت مطلقہ کو تقسیم شدہ سمجھ لے۔ چنانچہ ہندو کی بنیادی تعلیمات میں خدا ایک ہے۔

جہاں تک آپ کی دوسری بات کا تعلق ہے، خانہ کعبہ کی کوئی مسلمان عبادت نہیں کرتا۔ اصولاً عقیدہ مسلمان کا بڑا واضح ہے، ہندوستان میں رہنے کے باوجود ایک مغربی مصنف نے چھوٹا سا جملہ لکھا کہ انڈیا میں مسلمان نے خدائے واحد کا تصور اس لیے بچا لیا ہے کہ ان کے ہاں اسلام میں خدائے واحد کا تصور بہت ہی واضح تھا۔ چنانچہ کسی مائتھولوجی کا امکان نہ تھا۔ چاہے یہ زیارت کعبہ اور طواف کرنے کا تعلق ہے، تو کوئی بھی مسلمان اسے نہیں پوجتا، بلکہ مسلمان اسے کالا کوٹھا ہی کہتے ہیں۔ کوئی مسلمان اسے خدا نہیں کہتا۔ حج رسم ہے، خدا کی عبادت ہے۔ اس جگہ ہم نے کسی چیز کی عبادت نہیں کی۔ ہندوؤں کا یہ طعنہ کہ تم بھی ایک کالے پتھر کو چومتے ہو، جسے حجر اسود کہتے ہیں مگر حجر اسود کا چومنا اس کے پتھر ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔

یہ الجھن اس لیے ہے کہ ہم مذہب اور اس کے بنیادی فلسفے کو نہیں سمجھ پاتے۔ حج میں اس پتھر کا چومنا اس لیے نہیں ہے، بلکہ ہم علامتی طور پر لمس دستِ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ چومتے ہیں۔ ہم

ان ہاتھوں کے لمس کو چومتے ہیں' جو اس پتھر کو لگے ہیں۔ اس کو دیگر انبیا کے علاوہ حضرت محمدؐ کا لمس حاصل ہے۔ یہ پتھر بذات خود توجہ کا مرکز نہیں ہے۔

اسلام کسی بھی ٹھوس امیج کو عدم مرکزیت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اگر یہاں پتھر چومتے ہوتے' تو پتھر مرکزی حیثیت اختیار کیے ہوتا۔ مگر ہم خیال میں کسی ایک ایسی چیز کو چوم رہے ہیں' جو اسے چھو کر نکل گئی ہے۔ سکھ موحد ہیں' مگر وہ پنجا اگر چومتے ہیں' تو ان کو کوئی کافر اس بات پر نہیں کہتا۔ کافر اس بات پر کہتے ہیں کہ چالو کیہ خاندان کے زمانے میں بنگال میں ذرائع مواصلات کا واحد طریقہ ہاتھی تھا۔ ہاتھی کی افادیت انہوں نے بڑھائی' تا کہ ہاتھی قتل نہ ہو۔ اس وقت کے لوگوں نے ہاتھی کو دیوتا بنایا۔ اس کو مقدس کیا۔ اس وقت ہندو نے ہاتھی کو بچانے کے لیے ایسا کیا' کیونکہ دانتوں کے لیے ان کو مارا جا رہا تھا۔ انہوں نے ایک دیوتا گنیش اور گھنشام کو سونڈ لگا دی۔ اسی طرح گائے' جسے گھٹیا نسل کہا جاتا ہے' ان کے ہاں پالتو تھی اور ہل میں بھی جوتی جاتی تھی۔ گائے کا قتل بچانے کے لیے انہوں نے اس کو دیوی یعنی سرسوتی بنا دیا۔

عبادات اور ان علامات میں فرق ہے۔ اگر تو یہ کریں کہ آسمان کی کسی علامت کو زمین میں قید کر لیں' مگر یہاں اس کے الٹ ہے۔ زمین میں کسی چیز کی اوقات بڑھانے کے لیے آپ اسے دیوتا کا رتبہ دے رہے ہیں۔ مسیحیت میں یسوعؑ' مقدس روح اور ماں کی تثلیث ہے۔ یہاں خدا کہتا ہے کہ تم میرے بارے میں وہ کہتے ہو کہ میری کوئی بیوی ہے۔ میرا کوئی بچہ ہے اور تم یہ دعویٰ رکھتے ہو کہ حضرت عیسٰی بن باپ پیدا ہوئے' اس لیے وہ بڑا پیغمبر ہے۔ غور کرو ارشاد باری ہے کہ بغیر باپ کے بچے کو صرف اس لیے خدا سمجھتے ہو' جبکہ ہم نے تمہارے ماں باپ آدمؑ کو بغیر کسی باپ کے پیدا کیا اور واحد سیل سے حوا کو پیدا کیا۔

تمام مسیحیت کا بنیادی خیال فرار پر مبنی ہے' جو یسوع مسیح کے خون میں نہلا گیا' وہ پاک ہو گیا۔ جب بھی آدمی خود کو قصوروار سمجھتا ہے' تو وہ اس قسم کے خیالات سے ازالہ کرتا ہے۔ یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ بات رسم و رواج میں آ جاتی ہے۔ مسلمان رسم و رواج میں نہیں پڑتا۔ مسلمان ایک عقیدے پر قائم ہے۔

وحدت الوجود کی بحث

یہ بحث قطعاً اسلام میں کوئی وجود نہیں رکھتی۔ وجود کی بحثیں ویدانت سے شروع ہوئیں بلکہ سب سے پہلے ہمیں اس کا وجود منوسمرتی میں ملتا ہے۔ منو سے اس کے بیٹے نے سوال کیا کہ بابا! یہ حقیقت مطلقہ وجود میں کیسے ہے؟ اس نے کہا' بیٹے ایک لگن لاؤ اور اس میں نمک ملا کر لاؤ۔ جب بیٹا لگن لایا اور اس نے نمک ملایا' تو اس نے کہا' بیٹے اب نشاندہی کرو کہ نمک اس میں کہا ہے؟ اس نے کہا' بابا! مجھے کیا پتہ کہ نمک کہاں ہے؟ ہر جگہ ہی نمک ہے۔ اس نے کہا' اچھا یہ نہیں کر سکتا' تو اس پورے گیلن میں وہ جگہ بتا جہاں نمک نہیں ہے؟ اس نے کہا' ایسا بھی نہیں ہے۔ تو باپ نے کہا کہ برہما اسی طرح وجود میں ہے۔

آج کے دنوں میں جب ہم آگے بڑھتے ہیں' تو وحدت شہود کے آثار ہمیں سب سے پہلے مصر کے پلاٹینیس میں نظر آتے ہیں۔ پلاٹینیس نے سب سے پہلے ذہانتوں کا نظریہ پیش کیا تھا کہ وجود مطلق پروردگار اپنے نورانی وجود میں جب نیچے ڈھلتا ہے' تو اس کے درمیان میں جمادات' نباتات تک آنے کے مراحل آتے ہیں بلکہ مولانا رومی نے ''مثنوی'' میں اس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ کبھی ملائیکہ میں آیا۔ اس میں زیادہ تر نورانی ہے۔ ذرا آگے بڑھا۔ اس میں تھوڑی سی میل شامل ہوئی۔ دوسرے وجود بنے۔ پھر جنات بنے۔ حتیٰ کہ یہ نفوس کے پیکر یعنی انسانوں تک آیا۔ زمین میں مادیت تک آیا۔ پلاٹینیس کہتا ہے کہ صرف ایک ہی وجود میں یہ اللہ نے آسانی رکھی کہ وہ واپس جا کر وجود مطلق میں شامل ہو سکتا ہے اور وہ انسان کا وجود ہے۔

اسلامی معاشرے میں یہ بحث یونانی اثرات سے جو نوافلاطونی نظریات اس میں داخل ہوئے' اس سے اشاعرہ ماتریدیہ' معتزلہ نے وجود پایا اور اسلام میں نئی سے نئی بحثیں شروع ہو گئیں' مگر پرانے صوفیا میں ہمیں صرف ایک سوال نظر آتا ہے کہ جبر وقدر کے مسائل پر اس وقت گفتگو شروع ہو چکی تھی اور واصل بن عطا نے حضرت امام جعفر صادقؓ سے سوال کیا تھا کہ کافر کا بچہ کہاں جائے گا؟ پھر جو امام مجلس سے اٹھا' تو وہ سب سے پہلے معتزلہ کا استاد بنا اور اسی سے یہ تحریک شروع ہوئی۔ اس کے علاوہ اور کوئی مسئلہ اس لمحے نظر نہیں آتا۔

شیخ جنید بغدادیؒ کے زمانے تک آتے ہوئے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ اتنا زیادہ یونانی فلسفے

کا اثر پڑ گیا تھا اور اس کی بہت زیادہ آگہی بڑھ گئی تھی کہ ہم تصوف کو بھی تسلسل کے ساتھ پیش رفت کہتے ہیں۔ ایک منزل فکر سے اگلی منزل فکر کو جانا۔ پھر اس سے آگے بڑھنا۔ پھر اس سے آگے بڑھنا' حتیٰ کہ لا انتہا تک کی منازل میں چلا جانا' جہاں صرف خدا ہی کا رہنما ہو سکتا ہے۔ جیسے آج کل کے زمانے میں جب شاعری شروع ہوئی' تو نیا نیا فلسفہ وجودیت پر لٹریچر یورپ سے آ رہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کسی اردو دان نے ژاں پال سارتر' البرٹ کامیو یا کیر کے گارڈ (Kierke gaard) کو پڑھا ہو۔ ہم نے ان لوگوں پر مضامین لکھے اور پڑھے۔ تو مجھے پتہ ہے کہ وجودی تحریک ہمارے معاشرے میں شروع ہوئی' مگر جب میں باہر آتا تھا' تو ہر شاعر کو وجود کا شاعر پاتا تھا۔

بہت سے انٹلکچو کل ٹیپر میں یہ ہوتا ہے کہ لوگ علم نگلتے ہیں اور اگل دیتے ہیں۔ علم ان کے درمیان رکتا ہے نہ ٹھہرتا ہے۔ اسے سمیٹتے ہیں' نہ اسے مناسب طور پر ہضم کرتے ہیں۔ اس کو خدا ہوا کہتا ہے۔ یعنی جو فیشن اسہل خیالات' میلانات اور رجحانات آتے ہیں' نفس ان کی بے تحاشہ ترغیب رکھتا ہے۔ اہل حدیث' جو آپ کو ٹخنوں کے اوپر شلواریں کیے پھرتے نظر آتے ہیں' ایک ایسا زمانہ آیا کہ تمام کی تمام خواتین اہل حدیث کی پیروکار ہو گئیں۔ پچھلے سال جو فیشن آئے' اس میں سارے زمانے کی شلواریں ٹخنوں سے اوپر تھیں۔ یہ فیشن کسی بھی چیز میں ہو سکتا ہے۔ خیال سے لے کر ایک معمولی سی معمولی رہائش گاہ تک۔

مسلمان کلچر کیا تھا اور فیشن کیا تھا؟ جب سے عمارات اور رہائش گاہ کا یورپی کلچر آیا' صحن گم ہو گیا۔ مسلمانوں میں بڑا صحن' جہاں سب کے رستے گزرتے تھے۔ مجبوراً سلام اور دعا کرنا پڑتی تھی۔ کسی کو ابا' کسی کو چچا' امی کہا جاتا تھا۔ اور تو اور ہر صورت ساس اور بہو کا آمنا سامنا ہوتا تھا۔ جب جدید کلچر آیا' تو انہوں نے اس کا خاص خیال رکھا کہ کوئی کسی کا سامنا نہ کرے۔ چھوٹے چھوٹے کمرے خود کفیل کر دیے کہ اسی میں غسل خانہ ہے۔ اسی میں کچن ہے۔ اسی میں سب کچھ ہے۔ تا کہ کوئی جھانک کے ہی باہر نہ دیکھے کہ ادھر کون بستا ہے۔

یہ رجحانات قریباً قریباً زندگی کی ہر بات میں چلے آتے ہیں۔ جیسے قرآن میں اللہ نے کہا ہے وامامن خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الھوی (پ ۳۰' س النازعات' آیت ۴۰) نفس مستقل' مضبوطی جبلی رویے پر قائم ہے۔ اس کو ہوا اسی لیے کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر

نفس ترغیب پاتا ہے' تو وہ ایک قابل تغیر حالات اور رجحانات سے ترغیب پاتا ہے' جو باہر کے زمانے میں چل رہے ہوتے ہیں۔ بہت تیز رفتار تبدیلیاں ہیں۔ میرے خیال میں یہ چیز بہت سے افراد کو کرپشن کی طرف مائل کر رہی ہے۔ تبدیلی اس قدر سیماب پا ہے کہ آپ کو سرمایہ زیادہ خرچنا پڑتا ہے۔ نت نئی چیزوں کی تبدیلی کے لیے اور بالعموم لوگوں کے پاس یہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ بے چینی اس زمانے میں بڑھ رہی ہے۔ لوگ تیز رفتار تبدیلی سے اپنے آپ کو ایڈجسٹ نہیں کر پا رہے۔

بازیافت خدا' ہندووانہ انداز نظر

اللہ کبھی بھی یہ نہیں چاہتا کہ آپ دنیا کو ترک کر کے اس کی طرف جائیں لا سرورة فی الاسلام لا رھبانیۃ فی الاسلام ترجیح کی بات یہ ہے کہ اگر آپ خدا کو پہلے لے لیں اور پھر کہیں کہ یہ ساری چیزیں اس کے توسط سے لینا ہیں' تو یہ ایک انداز نظر ہے۔ اصل میں ہم جس انداز نظر پر قائم ہیں' وہ ہندوانہ ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ہندوؤں نے زندگی کو چار آشرم میں بانٹ رکھا ہے۔ برہم چری آشرم' پچیس سال تک سیکھنا' پڑھنا' لکھنا۔ اس کے بعد گرہست آشرم' بیوی کام کاج۔ پھر گرہب آشرم' ذرا بڑے ہوئے۔ بڑے آفس کی تلاش۔ کسی نے جرنیل بننا ہے' کسی نے ایم ڈی۔ کسی نے جی ایم۔ یعنی عہدوں کی جنگ اور جب پچھتر سال گزر جائیں' تو اگلے پچیس برس رشی منی آشرم ہے۔ یہ اللہ کی عبادت کے دن ہیں۔ اب جنگل پکڑو۔

ایک دفعہ ایک صحابی نے گلے سڑے انگور مسجد نبوی میں صدقے کے طور پر لٹکا دیئے۔ اللہ کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے کہا' دیکھو یار! اگر تم میرے لیے بہترین چیز نہیں دے سکتے' تو بدترین تو نہ دو۔ کم از کم درمیانی دے دو۔ اگر خدا کو ہم اپنی ابتدائی عمر نہیں دے سکتے' تو کم از کم اپنی عقل و شعور والی درمیانی عمر تو دے دیں۔ جب ساعت نہ رہی۔ بال جھڑ گئے۔ کان نہیں رہے' تو پھر ہم نے کہا کہ دنیا نے ریٹائر کر دیا۔ اب چلو' اللہ کے پاس چلے جائیں۔ یہ توہین ذات پروردگار ہے۔ اللہ آپ سے بالکل تقاضا نہیں کرتا۔ وہ اصل میں ذہنی فرق بتاتا ہے۔ یعنی آپ کو ذہنی طور پر اس قابل ہونا چاہیے کہ میں ترجیح اول ہوں۔ آپ یقین جانیے کہ میں نہیں کہتا کہ میں اسے ترجیح اول سمجھتا ہوں۔ میں اسے صرف کہتا ہوں کہ اے میرے مالک! میں نے ذہنی طور پر تجھے ترجیح اول سمجھ لیا۔

اب مجھے توفیق دے کہ میں اس ترجیح کو برقرار رکھ سکوں۔ عمل کی توفیق وہ اس وقت دے گا' جب ہم اس میچ میں پڑیں گے۔ کہنے کی بھی اپنی جگہ ایک اہمیت ہے۔ رسول اللہؐ نے ایک بڑی خوبصورت بات فرمائی۔ زبان سے کہنے کا بھی اثر ہے۔ فرمایا جس شخص نے زبان سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا' پھر مرتے دم تک اس پر قائم رہا' تو جنت اُس پر واجب ہے۔ قائم رہنا' ہمیں منافق نہیں رہنے دیتا۔

ہماری جبلتوں کی جنگ ہمارے یقین کے ساتھ جنگ ہوتی ہے۔ مجھے سخت بھوک لگی ہوئی ہے' تو اللہ کہتا ہے کہ تو تھوڑا سا کھا لے۔ جب تسلی ہو جائے' تو پھر مجھے خدا مان۔ بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے دماغ کو ایک سگنل دینا ہے' یہ کمپیوٹر اگر ترجیحات کے لیے تیار نہیں ہوگا' تو زندگی بھر آپ کو غیر مطمئن رکھے گا۔ آپ اللہ سے دور جا کر یا اس ترجیح کو ترک کر کے کبھی سکھی نہیں رہ سکتے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (پ ۱۳' س الرعد' آیت ۲۸) میرے خیال اور میری یاد کے بغیر تمہیں اطمینان قلب نہیں ہوگا۔ رتبہ مل جائے گا۔ درجہ واقتدار حاصل ہو جائے گا' مگر اطمینان قلب نہیں ہوگا۔

علم' حواس' ادراکِ خدا

علم حاصل کرنے کے لیے حواس خمسہ کی ضرورت ہے اور کچھ چیزیں اس کے علاوہ ہیں۔ عقل اور حواس خمسہ کے علاوہ کون سے طریقے ہیں' جیسا کہ ''کشف المحجوب'' میں داتا صاحب کا خواب بیان ہوا' جس میں حواس کے بند کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ میری نظر سے یہ خواب اس طرح نہیں گزرا۔ میں ان کا شاگرد ہوں' ان سے ہدایت پائی ہے۔ اتنا بے پناہ علم اس صاحب کتاب کا ہے کہ مشکل ترین نفسی اشکال میں انہوں نے میری رہنمائی فرمائی ہے' مگر وہ حواس خمسہ بند کرنے کی بات نہیں کرتے' بلکہ تمام تصوف اور تمام اللہ کی طرف بڑھنا خارجی افزائش ہے۔

دو چیزیں تصوف کا خاصہ ہیں۔ ایک تلف کرنے کا عمل اور ایک خارجی افزائش۔ جیسے آپ کے گھر کی باڑ بڑھ جائے اور بے ترتیب ہو جائے' تو اس کو کاٹ دیتے ہیں' تاکہ وہ تواتر اور توازن میں رہے۔ تواتر اور توازن سے وہ خوبصورت اور معتدل لگتی ہے۔ اسی طرح انسان کے اندر بہت ساری ایسی باتیں ہیں' جو خدا کے علم سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جیسے ایک

شاعر ہے لیکن شاعری کیا فرق ڈالتی ہے؟ اگر وہ حسن خوبصورتی اور فطرت کا طلب گار ہے۔ اعلیٰ ذوق کا مالک اور اس کی حسیات ہیں جو عمومی حسیات سے بالاتر ہیں وہ خدا کا کیوں نہیں قائل ہوتا؟ خدا کی محبت میں کیوں نہیں آگے بڑھ جاتا؟ اس لیے کہ وہ تلف نہیں کرتا' کیونکہ شعراء جھوٹ کی وادیوں میں سفر کرنے والے ہیں۔ قافیہ اور ردیف کے متلاشی ہیں۔ زبردستی اشکال دیتے ہیں۔ اپنے خیالات کو اوریجنل نہیں' بلکہ زبردستی قافیہ اور ردیف ڈھونڈ کے ان میں بند کرتے ہیں۔ اسی لیے خدا نے کہا کہ وہ جھوٹ کی وادیوں کے سفر کرنے والے ہیں۔ جب شعروشاعری اتنی مرغوب اور اتنی دل پسند ہو جائے کہ وہ اللہ کے رستے میں آنے لگے۔ آپ کو خود پسندی اور اپنی صفت شعر مرغوب ہو تو وہ آپ کو خدا کے قریب بھی جانے نہیں دے گی۔ آپ کے ہاتھ میں اللہ کی آرزو کی مقراض ہونی چاہیے۔

یہ آرزو تو بڑی چیز ہے مگر ہمدم
وصالِ یار فقط آرزو کی بات نہیں

اس کے ساتھ ساتھ آپ کے ہاتھ میں مقراضِ محبت خدا ہونی چاہیے۔ آپ کو اس بات کا ڈر ہونا چاہیے کہ آپ میں کوئی بڑھی ہوئی ذاتی صفت خدا کے حصول اور خواہش پر غالب نہ آ جائے۔ آپ کو ہر اس سرگرمی کو تلف کرنا پڑتا ہے جو آپ محسوس کریں کہ خدا کے رستے میں حائل ہو رہی ہے۔ ایسا حسان بن ثابتؓ کے ساتھ نہیں ہوا۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنی تمام شاعری اللہ اور رسولؐ کے لیے استعمال کی۔ بریدہ کے ساتھ نہیں ہوا کہ اس نے صفت شعر گوئی رسول اللہؐ کی تعریف کے لیے استعمال کی۔ مگر جب بھی آپ میں کوئی غیر معمولی صفت پیدا ہو گی اور وہ ضرورت سے بڑھ جائے گی' تو اس کا مبالغہ آپ کو خدا کے لیے اقتدار حاصل کرنے میں رکاوٹ بن جائے گا۔

اس لیے آپ کو پہلی چیز تو اپنے حواس خمسہ کے ذریعے حاصل کی ہوئی صلاحیتوں کو کاٹنا ہے اور تلف کرنا ہے۔ دوسری بات جو سید ہجویریؒ نے بتائی کہ تمام تصوف سحر علمیہ ہے۔ یہ علم کی ایک منزل سے دوسری منزل کو بڑھ جانے کا نام ہے۔ اس میں منازل وہ نہیں' جو چلے اور مراقبے میں ہیں۔ یہ تمام چلوں اور مراقبوں کا فراڈ تصوف کا حصہ نہیں ہے۔ تصوف کی تمام منازل ایک علم کے حصول سے اگلے علم اور ایک قربت کے حصول سے دوسری قربت کی خواہش کرنا ہے۔ مگر ایک

منزل سے دوسری منزل کے درمیان جو فاصلے ہیں‘ اس میں صرف اور صرف آپ کے نفس کے ارتکازات اور آپ کی خواہشات ذات حائل ہوتی ہیں۔ اسی لیے پروردگار عالم نے فرمایا کہ جو شخص میری محبت حاصل کرنا چاہتا ہے‘ وہ ان تمام عادتوں‘ خصلتوں اور ان تمام چیزوں کو ترک کر دے گا‘ جو میرے رستے میں آئیں گی اور وہ ایک ایک کر کے اپنی عادات حواس خمسہ سے متنفر ہوگا۔ اس لیے کہ خدا کا حصول حواس خمسہ سے ذرا آگے ہے۔ خدا کسی ذائقے‘ کسی حس میں نہیں آتا۔ خدا کسی بھی دیکھنے کی حس میں نہیں آتا۔ خدا انہیں حواس کی مدد سے آگے ایک ایسی ریفائنمنٹ حاصل کرنا ہے‘ جو آپ کی عقل کی اعانت کرے۔ نادیدہ خدا کی موجودگی کا احساس آپ کو دے۔

دیکھیے خدا نظر نہیں آتا‘ تو کوئی بات نہیں ہے۔ خدا کو نظر نہیں آنا چاہیے۔ وہ کوئی عمومیت نہیں کہ آپ کے سامنے بھوت پریت بن کے آپ کو ڈراتا پھرتا۔ خدا کو کوئی نظر نہیں دیکھ سکتی۔ فرمایا رسول اللہؐ نے کہا خدا کا ایک حجاب نور ہے۔ اگر وہ اس حجاب کو اتار دے‘ تو پوری کائنات جل کے خاک ہو جائے۔ اس لیے آپ اپنی استطاعت سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اللہ کے ستر ہزار رحجابات نوری اور ستر ہزار رحجابات ناری ہیں۔ یعنی خدا ایک ایسا پیکر ہے۔ ایسی شخصیت مبارک ہے‘ جو ستر ہزار تباہ کن انرجی اور ستر ہزار تعمیری انرجی کے پیٹرن میں چھپا ہوا ہے۔ آپ کے پاس کتنی انرجیز کا علم ہے؟ گاما ریز‘ ایلفا ریز‘ بیٹا ریز‘ یہ سب خدا کے حجابات ہیں‘ الیکٹرک ریز‘ مگر آپ دیکھیں کہ ان کے علاوہ کچھ ایسی انرجیز ہیں‘ جو بہت تخریبی اور تعمیری ہیں جیسے بجلی ہے۔ ابھی آپ کو روشنی دے رہی ہے‘ لیکن اس کی قربت آپ کو تباہ اور ہلاک کر دیتی ہے۔ اتنے سارے پیٹرن سے نکل کر خدا آپ کو کیسے نظر آئے؟ آپ میں اس نے اتنی استطاعت نہیں رکھی۔

البتہ اللہ نے اپنی دید موت کے بعد جنت میں رکھی ہے۔ ان کے لیے‘ جنہوں نے حصول جنت یا حوران جنت کے لیے نہیں‘ مکانوں کے لیے یا موتی‘ سیپ اور گھونگے کے محلات کے لیے نہیں‘ بلکہ محض خدا کی عبادات اور رضا ات کی محبت کے لیے زندگی کو سنوارا۔ جب وہ جنت میں جائیں گے‘ تو خداوند کریم ان کے لیے سب سے بڑا انعام جو تجویز کرتا ہے‘ وہ اپنا دیدار ہے۔ اس دنیا میں خدا کا نظر آنا ممکن نہیں اور ضروری بھی نہیں ہوا بھی تو نظر نہیں آتی‘ مگر کون سی ایسی

کیفیت ہوا ہے' جو محسوس نہیں ہوتی ۔ کیا صبح کی شبنمی ' گداز' ہلکی ٹھنڈی ہوا آپ کو محسوس نہیں ہوتی ؟ کیا صحراؤں میں چلتی ہوئی بادِ سموم آپ کو محسوس نہیں ہوتی ' کیا ان کا فرق محسوس نہیں ہوتا ' کیا تیج ' اجاڑنے والی' سن سٹروک دینے والی لو محسوس نہیں ہوتی ؟ جب ہوا نظر نہ آنے کے باوجود اپنے تمام اثرات آپ کو محسوس کروا دیتی ہے۔ اللہ نظر آئے نہ آئے' آپ کو اپنا احساس پورا پورا دیتا ہے۔ جو بھی اس کے لیے کوشش کرتا ہے' خدا اس کو مستقل اور پائیدار حواس دیتا ہے۔

اس احساس اور ان حواس کا بھی تصوف ہے۔ ہر چیز کی ایک تکمیلیت ہے۔ سونگھنے کی بھی ہے۔ سونگھنا کتنی بڑی چیز ہے' مگر آپ کے پاس کتے کی سمجھ نہیں ہے' وہ کتنی باریکی سے سونگھ لیتا ہے۔ آپ کے پاس شہباز کی آنکھ نہیں ہے' وہ کتنی بلندی سے دیکھ لیتا ہے۔ تو ان حسیات' ان حواسِ خمسہ کا بھی ایک تصوف ہے' جب یہ ریفائن تر ہوتی جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے' کسی اندھے کو دیکھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اس کے دیکھنے کی حس اتنی ہے۔ آپ کو پتہ ہے' حواسِ خمسہ کے لیے آپ کو آلات چاہئیں؟ آلات کا حواس سے کیا تعلق ؟ اس کا مرکز تو دماغ ہے۔ وہ پورے اعصابی نظام کے ذریعے آپ کے مختلف مقامات تک پہنچتا ہے۔ اگر یہ ریفائن ہو جائیں اور جو چیز بھی ریفائن ہو جاتی ہے' وہ درمیان کے ذرائع سے نجات حاصل کر لیتی ہے۔ اگر آپ کے حواس ریفائن ہو جائیں گے' تو آپ انسٹرومنٹس سے نجات حاصل کر لیں گے۔ آپ کو چھونے کے لیے ہاتھوں کی اور دیکھنے کے لیے آنکھوں کے قرینہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ اتنے ریفائن ہو جائیں گے کہ بغیر دیکھے دیکھیں گے' بغیر چھوئے چھوئیں گے۔ یہ لذت انسان کے ذہن میں اتنا نفیس کمپیوٹر ہے کہ وہ جب چاہے' ان حواسِ ظاہرہ سے نجات حاصل کر کے ایک اعلیٰ ترین کوالٹی آف پرسپشن (Quality of Perception) پر چلا جاتا ہے' جو دیکھنے سے بہتر ہوتا ہے۔

خدا کے وجود کی دلیل

یہ صاحب کون ہیں؟ سوال کرنے والے ہیں یا کوئی اور؟ سوال کہاں سے شروع ہوا ہے اور جواب کہاں سے؟

جس گہرائی میں جواب کی توقع کی جا رہی ہے' وہ تو پروفیسر صاحب ہی دیں گے۔ میں یہاں جھٹکا قسم کا جواب دیتا ہوں ۔ مستنصر حسین تارڑ صاحب کے یہی مسئلہ ہوا۔ ان کو ان کے استاد

نے بڑے اچھے طریقے سے راستہ بتا دیا کہ گوالمنڈی میں جہاں پر یہ کھڑے ہوئے ہیں' آپ کو گوجرانوالہ نظر آتا ہے؟ انہوں نے کہا' نہیں تو۔ انہوں نے کہا کہ پھر آپ کے ذہن کی رسائی ہی اتنی ہے۔ یہاں سے آپ کو گوجرانوالہ نظر نہیں آتا' تو اللہ تعالیٰ کیسے نظر آئے گا؟

ہم سب لوگ خدا کو مانتے ہیں اور ہر ایک کے ذہن میں کوئی نہ کوئی دلیل ہے۔ جیسے یہ ہوگی کہ فرض کریں' میرا نام زید ہے۔ مجھ سے ایک آدمی سوال کرتا ہے کہ آپ کے والد کا کیا نام ہے؟ وہ کہتا ہے' آپ کو کیسے پتہ؟ اب اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں کہ میرے والد کا نام وہی ہے' جو میں جانتا ہوں۔ مجھے اپنے والد کا نام اس لیے یاد ہے کہ مجھے میری ماں نے بتایا۔ میرے والد نے اور میرے رشتہ داروں نے بتایا اور اس کا مجھے اپنے پڑوسیوں سے پتہ چلا۔ اگر سوال کرنے والے سے اس قسم کا سوال کیا جائے' کہ وہ اپنے والد کو کیسے جانتے ہیں کہ یہی ان کے والد ہیں' تو اس کے لیے ان کو کون سا راستہ اختیار کرنا پڑے گا؟ وہ اپنی والدہ کے پاس جائیں گے۔ اپنے والد' ماموں اور رشتہ داروں کے پاس جائیں گے کہ وہ کہیں گے کہ یہ آپ کے والد ہیں۔ اگر آپ ان کی باتوں پر یقین کر رہے ہیں' تو انہی سے پوچھ لیجیے کہ خدا کون ہے؟ اس سے ان کی تسلی اس لیے ہو جائے گی کہ جب ہم ایک چیز کو ایک سٹیج سے آگے نہیں دیکھ سکتے۔ ہم یہ نہیں دیکھتے کہ ہماری پیدائش کیا ہے؟ پیدائش کے عمل میں کون کون سے ثبوت روا رکھے جاتے ہیں' وہی ثبوت آپ اللہ کے لیے فٹ کر لیجیے۔ تسلی ہو جائے گی۔

خدا ہے' نہیں ہے

ہر فرد کے خیالات کا ایک پیٹرن ہے۔ ضروری نہیں کہ دوسرے کا ذہن اس دلیل کو قبول کرتا ہو۔ چاہے پیش کرنے والے کے لیے وہ دلیل بڑی موثر ہو۔ ذہنوں کا فرق ایک دوسرے کی دلیل کو قبول نہیں کرتا۔ آیئے چلتے ہیں' اس معیار کی طرف' جس پر بات شاید سب کے لیے قابل قبول ہو۔ ہم عقیدے سے آغاز نہیں کرتے' بلکہ انکار سے کرتے ہیں۔ ایک بات کا ہمیں فرق کرنا پڑے گا کہ جو گلی کوچے کے اعتراضات ہیں' اوپر کی سطح پر بھی وہی اعتراضات ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ایک سادہ ذہن میں یہ اعتراض بغیر کسی منطق' وضاحت اور لفظیات کے ہوتا ہے۔ وہ اس کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ اس کو لفظوں کا لباس نہیں پہنا سکتا۔ اس میں اپنے خیالات کی چاشنی کا اضافہ

نہیں کر سکتا۔ بڑے لیول کے لوگ اسے شاید منطق، فلسفہ، تاریخ اور تواردِ خیالات کے معانی دے کر اسی بات کو بیان کر دیتے ہیں۔ کہنے کے لیے ہمیشہ بات بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ ہم الفاظ کے مینر ازم (Mannerism) کا بھی شکار ہیں۔ مگر سوال یہ بڑا اصلی ہے۔

وکٹر ہیوگو کا ایک قول نقل کرتا ہوں کہ ہر انسان کے دل اور ذہن میں ایسے ایسے خیال آتے ہیں کہ اگر ان پر سزا دی جائے، تو دنیا کا ہر آدمی دن میں دس مرتبہ پھانسی پر چڑھنے کا مستحق قرار پائے۔ مگر یہ خیالات آپ کے ذہن میں بھی موجود ہوتے ہیں کہ خدا ہے کہ نہیں ہے؟ کون ہے؟ کیسا ہے؟ کیونکر ہے؟ مگر اثباتِ حق کے لیے جیسے جوش ملیح آبادی نے کہا:

کہ ہم اہل نظر کو اثباتِ حق کے لیے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

میں آپ کے سامنے انکار کی سب سے بڑی دلیل رکھتا ہوں۔ سب سے بڑی دلیل، جس نے دنیا کو بہت متاثر کیا اور جس نے ایک صدی کو اپنے نام سے منسوب کیا، وہ لارڈ برٹرینڈ رسل، آئر، وٹگن سٹائن، Semantics کے ماہرین اور Logical Positivism اس کے ذہن میں موجود ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک اندھے آدمی نے ہاتھی نہیں دیکھا ہوا، تو وہ آپ کو کبھی قیامت تک نہیں بتا سکتا کہ ہاتھی کیا ہے؟ اس کے برعکس یہ ایک گول میز ہے مگر چونکہ میز کی بناوٹ ہمارے ذہن میں موجود ہے۔ اس لیے میز چورس ہو، لمبا یا چوڑا ہو یا تپائی ہو۔ کسی قسم کا بھی میز ہوگا، تو فوری طور پر میرا Logical construct مجھے بتائے گا کہ یہ میز ہے اور میں اسے ٹیبل ہی سمجھوں گا۔

ایک بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ لارڈ برٹرینڈ رسل نے، جب وہ عیسائیت پر اعتراض کر رہا تھا، کسی نے خط لکھ کر کہا کہ کیا آپ نے قرآن پڑھا ہے؟ اس نے کہا، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمام گاسپل سچائیاں ایک جیسی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ علمی بددیانتی کی بہت بڑی مثال ہے۔ اس لیے کہ بغیر ایک کتاب کو پڑھے، انہوں نے اس کی مماثلت دوسری کتاب سے کر دی اور اس پر رائے دے دی۔ ایک بڑے سے بڑا عالم بھی کبھی ریفرنس کی غلطی ضرور کرتا ہے اور یہی غلطی ان سے بھی ہو گئی۔ ان کا مختصر ترین نظریہ یہ تھا کہ چونکہ ہمارے برین کے Constructs میں خدا کا کوئی ڈیٹا موجود نہیں ہے، اس لیے خدا کا کوئی وجود نہیں۔ خدا کے بارے میں کوئی ڈیٹا نہیں ہے اور

یہیں سے شاید سب سے زیادہ غیر منطقی پیٹرن شروع ہوتا ہے۔

''میں قرآن پر الہامی کتاب کا یقین نہیں رکھتا۔ میں قرآن کو خدا کی کتاب نہیں سمجھتا۔ میں قرآن کو کتاب مقدس نہیں کہتا۔ میں معترض ہوں۔ میں عالم تشکیک کا مسافر ہوں۔ مجھے اعتراض ہے۔آپ کہتے ہیں رسولؐ نے کہا۔ میں کہتا ہوں کہ میں رسولؐ کو مانتا' تو پھر کام آسان نہ ہو جاتا۔

Semantics کے ماہرین نے کہا کہ ہم نے لفظ دے دے کر ایک واہمہ کو حقیقت بنا دیا۔ خوف اور وحشت کے الفاظ نے اس کو اتنی عزت دی ہے۔ ہم نے ایک تصور کو اتنے لفظ دے دیئے۔ خدائے ذوالجلال والاکرام' یا رحمٰن' یا رحیم' یا کریم' یا سلام' یا مومن' یا حیی۔ کیا کیا ہم نے اس کو صفات نہیں دیں۔ وہ صفات اتنی بڑھ گئی ہیں کہ اب چھلکے اتارنا ہم سے ممکن نہیں رہا۔ ہم ان کو نکال کر' چھلکوں کو اتار کر یہ نہیں لوگوں کو بتا سکتے کہ کوئی خدا نہیں ہے۔ آپ خوامخواہ ڈر رہے ہیں' او کے!

یہ اعتراضات موثر اور خوبصورت ہیں۔ مگر انسان سے سب سے بڑی غلطی اس وقت ہوتی ہے' جب وہ اپنی ہی دلیل کو اپنے خلاف استعمال کر رہا ہوتا ہے۔ رسل کہہ رہا ہے کہ خدا کے بارے میں کوئی ڈیٹا نہیں ہے۔ ایک کتاب دعویٰ کر رہی ہے کہ میں خدا کا ڈیٹا ہوں۔ ہمیں اس کتاب سے دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ میری زندگی' میری آزادی اور میری حریت کی سب سے بڑی حریف وہ کتاب ہے' جو مجھے ایک ایسے آقا کی خبر دے رہی ہے' جس کا میں غلام ہوں۔ چنانچہ میں قرآن کو اطاعت کے ساتھ نہیں دیکھوں گا' بلکہ میں اسے اپنی بے عزتی سمجھ کر دیکھوں گا۔

ایک کتاب جو میری آزادی سلب کر رہی ہے' وہ قرآن ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تمہارا اللہ ہے۔ میں اس کا ڈیٹا ہوں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم ڈیٹا کی پرکھ کے لیے تیار ہیں؟ کیا ہم میں اتنی جرأت ہے کہ ہم اس پر تنقید کر سکیں؟ کیا خدا تنقید سے خوفزدہ ہو سکتا ہے؟ اگر وہ خدا ہے' جو کوئی بھی ہے' جو اس کتاب کا مصنف اور مالک لکھنے والا ہے' جو یہ کہتا ہے کہ یہ میرے الفاظ ہیں' کیا اس بات سے ڈرتا ہے کہ انسان اس پر تنقید کرے؟ کیا وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ وہ ہمارے شکوک وشبہات کو برداشت کر سکے؟ اگر آپ قرآن کھولیں گے' تو پہلی دہشت جو وہ آپ پر طاری کرتا ہے۔ وہ یہ ہے الم ذلک الکتاب لا ریب فیہ یہ وہ کتاب ہے' جس میں کوئی شک نہیں۔

اب قرآن کے مطالعے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے تنقید کے معیار پر پرکھیں۔ اسے اپنی دانش، حاصل کردہ علم اور فلسفیانہ منطق کے اعلیٰ ترین ممکنہ قانون سے جانچیں۔ ہمت کی پستی اور کم علمی کو تنقید نہیں کہا جا سکتا۔ ایک کتاب کے برابر آنے کے لیے ہمیں اس کتاب پر پورا پورا عبور حاصل کرنا ہوگا۔ اس کتاب کے محلِ وقوع پر نظر رکھنی ہوگی۔ قرآن کس وقت سے یہ دعویٰ کر رہا ہے؟ آج سے پندرہ سو برس پہلے۔ شاید گریکس کے پندرہ سو برس ادھر۔

ہمارے پاس بہت سے اعتراض ایسے آئے، جن میں بغیر سوچے سمجھے کہا گیا کہ قرآن پرانی تہذیبوں کے الفاظ کو دہراتا ہے۔ بہت سارے جدید ترین علماء نے کہا کہ قرآن آج کے علوم پر پورا نہیں اترتا۔ اس کو تکنیکی بنیادوں پر جج کیوں نہ کیا جائے؟ مگر ایک شرط تو موجود ہے کہ قرآن چونکہ فلکیات کی بات کرتا ہے۔ بیالوجی اور حقیقت اشیاء کی بات کرتا ہے۔ وجود اشیاء کو متعین کرتا ہے، اس لیے کم از کم قرآن کو سمجھنے کے لیے ہماری مدت علم اور دانش اتنی وسیع تر تو ہو کہ ہم قرآن کے دیئے ہوئے بیان کو اسی تناظر سے پرکھ سکیں۔

قرآن میں دو قسم کے بیانات ہیں۔ ایک وہ بیانات ہیں، جن کا تعلق عبادات سے ہے۔ اللہ کہتا ہے، نماز پڑھو۔ آپ کہتے ہیں، نہیں۔ میں اس میں یقین نہیں رکھتا۔ حتیٰ کہ تم ثابت نہ کرو کہ میں اس میں یقین نہیں رکھتا۔ قرآن کہتا ہے، صدقات دو۔ آپ کہتے ہیں، خوامخواہ میں کیوں اپنا مال ضائع کروں؟ قرآن میں صرف یہی بیانات نہیں ہیں۔ حقائق اشیاء سے متعلق سینکڑوں ایسے بیانات موجود ہیں، جن کا تعلق عبادات سے، فرضی خیالات سے نہیں ہے۔ وہ تمام موضوعات پر گفتگو کرتا ہوا فائنل اور حتمی فیصلے دیتا ہے۔ اگر ان میں سے ایک حتمی فیصلہ ٹوٹ جائے۔ ایک بات غلط ہو جائے، تو قرآن نہیں، صاحب قرآن غلط ہو جاتا ہے۔ کتاب کا مصنف غلط قرار پاتا ہے۔ وہ پھر خدا نہیں ہے۔ اگر خدا کی تعریف میں کوئی چیز شامل ہے، تو یہ کہ آپ اس کو اللہ کہتے ہیں، جو غلطی نہیں کرتا۔ اگر کتاب کی غلطی ثابت ہو جائے، تو وہ اللہ نہیں رہتا۔ بلکہ آپ کی جان بھی آزاد ہو جاتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز میں حرکت سے لے کر پانی سے ہر چیز کی پیدائش تک قرآن کی ہر بات کو آج سائنس درست تسلیم کر رہی ہے۔

اب ذرا پانسہ پلٹائیے۔ صرف سائنس کی حد تک محدود نہ رہیں۔ عمرانیات کی بنیاد تو اللہ نے نہیں رکھی۔ یہ تو جدید علم ہے۔ مگر عمرانیات کی بنیاد اللہ نے اس وقت رکھی، جب نے کہا ولکم

فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون (پ۲' س البقرہ' آیت ۱۷۹) اے اہل عقل! غور کرو ہم نے قصاص میں زندگی رکھ دی۔ ہم نے زندگی بچائی ہی قانون قصاص سے ہے۔ اگر میں قصاص کا قانون نہ بناتا' تو تم آپس میں لڑ لڑ کر مر جاتے۔ تم ایک دوسرے کو قتل کر دیتے اور یہ ایسے ہی ہوا۔

انتھراپالوجی کے بنیادی فلاسفر سے رجوع کرتے ہیں' جو نسل انسان اور معاشرے کی ترقی پر غور کرتے ہیں۔ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ پہلا قانون' جو نسل انسانی میں بنا' وہ قانون قصاص ہے۔ پرنس حمورابی آف بابلون پہلا قانون دان سمجھا جاتا ہے۔ اس کے کتبے پڑھ لیجیے اور قرآن کی آیات پڑھ لیجیے۔ آنکھ کے بدلے آنکھ' کان کے بدلے کان' ناک کے بدلے ناک' حیرت کی بات یہ نہیں ہے کہ دونوں ملتے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ قرآن کے زمانے میں یہ کھنڈر دریافت نہیں ہوئے تھے۔ یہ بہت بعد میں دریافت ہوئے اور اگر کتبے لکھے ہوئے بھی کوئی تھے' تو پیغمبر پڑھے لکھے نہیں تھے۔ سب سے بڑی دلیل' جو اللہ نے پیغمبر کے وجود میں دے دی' یہ تھی کہ بڑا ہی کرم فرمایا کہ انہیں امی رکھا۔ انہیں نبی امی کا تفاخر دیا' تاکہ وہ کسی سے کچھ اور سیکھے ہی نہیں۔ جو کچھ اس نے کہنا ہے' مجھ سے کہے۔ جو کچھ سیکھنا ہے' مجھ سے سیکھے اور یہ ہوا۔ سیدنا ابوبکرؓ نے ایک شعر پڑھا۔ سرکار رسالت مآبؐ نے اس شعر کو دہرایا' تو غلط پڑھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا' یارسول اللہؐ! شعر ایسے نہیں ہے۔ آپ نے پھر پڑھا اور پھر غلط پڑھا۔ تو ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا' میں قسم کھاتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ آپ شعر و شاعری کے لیے ہیں ہی نہیں۔ آپ کو آئے کیسے؟

لیکن ہمیں ابھی اس کی تصدیق کرنی ہے۔ آپ کے پاس منطق ہے۔ قرآن کا سارے کا سارا ڈیٹا جو آپ کے سامنے بکھرا پڑا ہے' اسے آپ مروت اور محبت سے نہ پڑھیے۔ جزدان میں مت سجائیے۔ پوری پوری تنقیدی صلاحیت سے پڑھیے۔ اس کی ایک ہی آیت غلط ثابت کر لیجیے' میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میں بھی اس کا انکار کر دوں گا۔ مجھے بھی ایسا خدا نہیں چاہیے' جو میری طرح ہی غلطیاں کرتا ہو۔ لیکن یہ تیس سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے' میں بڑی بری طرح ناکام ہوں کہ اسے غلط ثابت کر سکوں میں اس میں یقین رکھتا ہوں' کیونکہ وہ ہمیشہ سچا ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ سچا ہے۔

آپ سائیکالوجی کی بات کرتے ہیں' وہ سائیکالوجی کے بارے میں کہتا ہے کہ ہم نے تمام جانوں کو بخل جان پر جمع کیا۔ تشریح کا فرق ہے۔ پرانے زمانے کا سکالر جب شح کی وضاحت کرتا تھا' تو اسے بخل کہتا تھا۔ مگر خدا تو تمام جانوں کا ذکر کر رہا ہے۔ ایک چیونٹی اور ایک بلی میں کیا بخل ہے؟ بخل تو صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ مال اور پیسے کے ساتھ مخصوص ہے۔ پیسے پر سانپ بن کر بیٹھنے کو بخل کہتے ہیں۔ مگر خدا انسانوں کی تخصیص تو نہیں کر رہا ہے۔ اس نے تمام جانداروں کو بخل جان پر جمع کیا۔ جو لوگ انسانی زندگی کی جبلتوں کا مطالعہ کرتے ہیں' وہ سب ایک بات پر متفق ہیں کہ تمام حیات ارضی میں جو جبلت مشترک ہے' وہ ان میں بقاء کی جبلت ہے۔ ہر چیز اپنی بقاء کی خاطر ردعمل کا اظہار کرتی ہے۔

خدا کہتا ہے کہ بادلوں کو کس نے آسمانوں میں تھام رکھا ہے؟ اگر میں قانون نہ بناتا' تو یہ کبھی نہ تھمتے۔ ابھی پانچ سال پہلے کس کو علوم تھا کہ بادل تو کشش ثقل سے تھمے ہوئے ہیں۔ خدا یہاں بس نہیں کرتا۔ خدا تو آپ کو آخری کائنات کا نقش دیتا ہے۔ وہ تو آپ کو یہ کہہ رہا ہے کہ اے نسل انسان! تجھے اچھی طرح جانتا ہوں۔ تیرا انجام بھی جانتا ہوں اور تیرا آغاز بھی جانتا ہوں۔ وہ دن بھی آئے گا' جب ساری کائنات برباد ہو جائے گی۔ ہم سورج کو لپیٹ لیں گے۔ ستارے ختم ہو جائیں گے۔ ہر چیز جھڑ جائے گا۔ زمین زلزلوں میں آئے گی۔ روئی کے گالوں کی طرح پہاڑ اڑیں گے۔ مزید کیا ہوگا؟ سورج چاند پھر جمع کر دیے جائیں گے۔ اب انسان بھی اسی نتیجے پر پہنچ رہا ہے۔

ایک بڑا تھیسز' جو انسانوں نے بڑا سوچ سمجھ کر کہا کہ کائنات کے ختم ہونے کا ایک بڑا سبب یہ ہوگا کہ سورج بجھ جائے گا۔ خدا نے کہا کہ ہم سورج کو لپیٹ لیں گے۔ ایک بات کا فرق ہے۔ سائنسدانوں نے کہا کہ دس ارب سال میں بجھ جائے گا۔ خدا کہتا ہے' جب چاہوں' بجھا دوں۔ جس پراسیس سے میں اسے چلا رہا ہوں' اس پراسیس کو میں ایک لمحے میں بھی ختم کر سکتا ہوں۔ مگر خدا نے اپنے قوانین بنائے ہیں۔ سارا قانون اور ساری حکمت اللہ سے ہے۔ تمام سائنسز اللہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ جس کو چاہا' جو دے دیا۔ خدا حکمت کی کتنی تعریف کرتا ہے؟ سائنسز کی کتنی تعریف کرتا ہے؟ فرماتا ہے یوتی الحکمتہ من یشاء جسے چاہتا ہوں' حکمت عطا کر دیتا ہوں ومن یوتی الحکمتہ فقد اوتی خیرا کثیرا اور جسے میں نے حکمت عطا کی اسے خیر

کثیر عطا کر دیا ہے مگر کہتا ہے وما یذکر الا اولو الالباب (پ۳، س البقرہ آیت ۲۶۹) مگر اہل عقل کے سوا مجھے کون یاد کرتا ہے۔ تمام وقت وہ عقل، فکر اور تجسس کے لیے کہہ رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ آپ سچائی کا تعین کریں۔ اس کے کہے پر مت جائیں۔ اس کے ڈیٹا کی ریسرچ کریں۔ میں اسے پسند کروں گا کہ آپ کبھی خدا کا ڈیٹا کا مطالعہ کریں اور اس میں کسی بڑے خدا کے نشانہ دہی کریں۔ میں اس کا مطالعہ بڑی خوشی سے کرنا پسند کروں گا۔

خدا کی پہچان کیسے؟

جب تک آپ ذہنی کمٹمنٹ میں کمزور رہتے ہیں یا ایک مکمل علمی یقین خدا پر نہیں رکھتے، اس کے بغیر خدا سے مکمل آگہی، شناسائی اور اس کا عرفان ممکن نہیں ہوتا۔ جس چیز کو آپ وسوسہ اور فریب خیال کہتے ہیں، وہ دراصل ہماری کمٹمنٹ کی کمی کے متوازن ہوتا ہے۔ جب ایک دفعہ ہم مکمل طور پر خدا سے کمٹ کر لیں، تو باوجود چند باتوں اور غلطیوں کے اعادے پر، پروردگار کا دوسرا قانون ہم پر عائد ہوتا ہے کہ وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکل والیہ منیب (پ۱۲، س ھود آیت ۸۸) وہ ہمارے اخلاص کا گواہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اس نے شیطان کو کہا کہ تو بہت سارے لوگوں کو بہکائے گا الا عبادل اللہ المخلصین (پ۲۳، س الصافات آیت ۴۰) مگر جن کے ساتھ میرا اخلاص ہے، تو انہیں کسی قیمت پر بھی بہکا نہیں سکے گا۔

حدیث مسلم یہ ہے کہ بہت سارے نیک پاک لوگ جنت میں لے جائے جا رہے ہوں گے کہ پروردگار کہے گا، ان سب مہاتماؤں کو جہنم میں پھینک دو۔ چونکہ ذرا خلاف واقعہ بات ہوگی، تو ملائکہ بڑی انکساری سے عرض کریں گے کہ پروردگار ان کے نامہ اعمال کی نیکیاں لکھ لکھ کر شرقاغر باہم نے کاغذ ختم کر دیے اور آپ یہ فرما رہے ہیں کہ ان کو جہنم میں پھینک دو۔ فرمایا، میرے اور بندے کا ایک معاملہ ہے، جو میں ہی جانتا ہوں اور وہ اخلاص ہے۔ اخلاص شاید واحد وہ قدر ہے کہ جو انسان کو یقین کے ساتھ ساتھ اس کے عرفان کی طرف آگے بڑھا سکتی ہے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ سات چیزوں پر دوزخ کی آگ حرام قرار دی گئی۔ خاص طور پر اس جوان کی آنکھ، جس سے اللہ کے لیے ایک آنسو نکلا۔ اب یہ چیز ہمیں بتاتی ہے کہ اخلاص سے بڑھ کر بھی جب انسان کو علمی یقین ہوتا ہے، تبھی وہ اصلی طور پر جذباتی بھی ہوتا ہے۔

میرا یہ یقین ہے کہ وہ جذبہ جو علم پر استوار نہیں' وہ جبلی اور جاہلیت کا جذبہ ہے اور وہ جذبہ دیوانگی اور مستی' جو اخلاص اور محبت اور پورے علمی یقین پر قائم ہے' وہی اصلی جذبات کہلاتے ہیں۔ احسان دانش کا شعر ہے۔

یونہی دنیا کے لیے ایک تماشا نہ بنے
جس کو بننا ہو سمجھ سوچ کے دیوانہ بنے

قریب ترین راستہ

اسلام اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ میری طلب کی بنیاد ہے۔ اس کے بعد اس کا ذکر ہے۔ آپ اللہ کو ذہنی اعتبار سے ترجیح اول قرار دیتے ہیں اور اسے محبت اور کمٹمنٹ کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ تیسری چیز جس میں پھر اللہ آپ کی مدد کرتا ہے' وہ آپ کا اپنی ذات اور اس سے باہر توازن کا حصول ہے۔ تصوف بھی یہی ہے۔ خدا کی پہچان بھی یہی ہے اور اس کی محبت کا آسان ترین طریقہ یہی ہے۔

مثال کے طور پر اگر آپ کو یہ پتہ ہے کہ آپ کا بنیادی نقص کون سا ہے' جو آپ کے اور خدا کے درمیان حائل ہے' تو پھر آپ بڑی آسانی سے اس نقص کو دور کر کے اللہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ اگر کسی بھی موقع پر آپ کی کوئی حساسیت' کوئی بوجھل خیال' جو آپ کی ذہنی عادت بن جائے اور مستقل طور پر آپ میں ایک ناقص رویہ پیدا کر دے' تو پھر آپ کا اللہ تک پہنچنا آسان نہیں ہوگا۔ کسی بھی شعبے میں سپیشلسٹ یا استاد اس نقص کا تعین کرتا ہے' جس کی وجہ سے انسان کی ترقی رکی ہوئی ہوتی ہے۔

تمام تصوف میں کسی بیعت اور کسی استاد کی ضرورت نہ تھی۔ اگر تھی' تو صرف ایک کام کے لیے کہ وہ ایک ایسا ماہر ہے' جو انسانی میکانیت سے واقف ہے اور وہ اس کمزوری کی نشاندہی کرتا ہے' جو ایک عمومی آدمی کے پیشل کا نسپٹ سے پوشیدہ ہے۔ یہی صوفی کا کمال ہے۔

خدا کس دل میں

یہ جو دل ہے' اس کے بارے میں ایک بڑی عجیب سی میڈیکل حقیقت سامنے آئی ہے

کہ اس کے اوپر وصول کرنے والے چھوٹے چھوٹے خلیے سے لگے ہوتے ہیں۔ خلیے ذہن کو اپنے نروس آرڈر یا ڈس آرڈر کو سگنل بھیجتے ہیں۔ امریکہ کی ریاست میں سائیکالوجی میں جب سالز (SALS) تجربات ہو رہے تھے تو وہاں یہ موضوع زیر بحث آیا' جو ورڈز ورتھ نے لکھا تھا کہ میرا دل اس وقت اچھل جاتا ہے' جب میں آسمان میں قوس وقزح کے رنگ بکھرے دیکھتا ہوں۔ سائیکالوجسٹ اس بات کو چیک کرنا چاہتے تھے کہ آیا یہ درست ہے کہ واقعی کسی نظارے یا خیال کا پہلا تاثر دل پر ہوتا ہے۔ ان تجربات کو ہم Sals Experiments کہتے ہیں۔ ان تجربات کے بعد یہ بات بالکل طے پا گئی اور اس ضمن میں مزید تجربات بھی جاری ہیں کہ سب سے پہلا کسی بات کا تاثر دل قبول کرتا ہے اور اسے اتنی نازک حسیات میں ریکارڈ کرتا ہے کہ صرف آدھ سیکنڈ میں یہ پیغام دماغ تک پہنچتا ہے۔ دماغ کا سارا عمل ایک سادہ کمپیوٹر کا سا ہے' جو ان اندھے جذبات اور ریفرنسز کی تعبیر وتوجیہ کر کے ایک باقاعدہ موضوع میں ڈھال دیتا ہے۔

تو دل ہی دھڑکنے کی جگہ ہے۔ وہی مرکز احساس ہے۔ دل ہی توجہ اور دل ہی خیال ہے۔ البتہ ہمارا کمپیوٹر اسے نقش پا اور رنگ روپ دیتا ہے۔ اس کو اس کا لباس اور زبان دیتا ہے۔ یہ اندھے جذبات کا مقام ہے' مگر اس کے ابتدائی تاثرات بہت اہم ہوتے ہیں۔

خدا تک رسائی کے ذرائع

ہم خدا کو مانتے اور چاہنے والے بھی ہیں۔ اس کے باوجود ہماری زندگی کا تساہل اور ہمارے بہت سارے معاملات اور ملی جلی ترجیحات ہمیں وہاں تک پہنچنے نہیں دیتیں۔ اس میں کسی کا خیال یہ تھا کہ ہمیں کوئی ایسا مثبت طریقہ کار بتایا جائے کہ ہم اپنی اپ سیٹ ترجیحات کو دوبارہ مرتب کر کے آسانی سے قرب خداوندی حاصل کر سکیں۔ ہمارے پاس اصول اور قانون قرآن اور متابعت حضور اکرمؐ کی مثال میں موجود ہے۔ کسی نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضورؐ کا اخلاق کیسا تھا؟ فرمایا' تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ وہ قرآن تھے۔

اصحاب رسول جب بھی بات کیا کرتے تھے اور جب بھی انہیں اپنی لاعلمی ظاہر کرنا ہوتی' تو کہتے کہ اللہ اور رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ چونکہ ہم نے زندگی کا بیشتر وقت اور اپنی بہترین صلاحیتوں کا وقت ایک ایسی تعلیم کو دیا ہوتا ہے' جو

تمام تر دنیاوی مقاصد پر مشتمل ہوتی ہے۔ جب ہم جستجوئے خداوند میں آگے بڑھتے ہیں' تو ہمیں سب سے بڑی دشواری ڈیٹا کی پیش آتی ہے۔ ہمارے پاس قرآن کا علم ہوتا ہے نہ حدیث' فقہ' سیرت' مغازی نہ روایت و درایت اور نہ اسمائے الرجال کا علم ہوتا ہے۔ خدا اگر ہمارا تجسس اور جستجو سلامت رکھے' تو روزانہ یہ شغل بنا لیں کہ فکر اور سوچ کے ساتھ دو بڑی کتابوں کا واضح طریقہ کار سے مطالعہ کریں اور اس کے ساتھ اگر خدا کی یاد دوستی' محبت اور انس سے کی جائے' تو وہ آپ کی کشادۂ قلبی کے لیے بہت سارے وسائل مہیا کر دے گا۔

خدا کی چاہت کا اسلوب

خدا کی خدا کے لیے چاہت کے صرف تین اصول ہیں۔ میں اپنی ذاتی زندگی کا نچوڑ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ جب میں رہِ تلاش خداوند میں قدم رکھ رہا تھا' تو میرے سامنے بہت بڑا مسئلہ روایتی تصوف تھا۔ مجھے خوف آتا تھا کہ جو داستانیں مجاہدین رہِ خدا کی سن چکا ہوں' اگر مجھ پر یہی وارداتِ قلب گزری' تو بہت عرصہ زندگی گزرنے سے پہلے ہی ہاتھ سلب ہو جائے گا۔ خوف یہ تھا کہ کیا میں اتنی مشقتیں اٹھا سکتا ہوں اور اتنی اذیتیں جو بہت سارے صوفیا کے ساتھ مشہور اور منسوب تھیں' جن میں ایک چلہ معکوس بھی تھا' یعنی کنویں میں الٹا لٹکنا۔ جب میں اس کا سوچتا' تو خوف و دہشت سے مجھے بخار سا ہو جاتا۔

دوسرا ایک مراقبۂ قبر تھا' جو تین ماہ سے تین سال تک واقع ہو سکتا ہے۔ یعنی آپ ایک قبر میں اپنے آپ کو بند کر لیں۔ لامحالہ اس قسم کی مشقتوں کا تصور مجھے بے قرار رکھتا تھا۔ ایک رات ساون بھی برسا اور میں بھی بہت رویا۔ میں نے اللہ سے یہ عرض کہ کہ اگر تجھے چاہنا ہم جیسے کمزوروں کا کام نہیں ہے اور اگر تجھے چاہنا' پسند کرنا اور تیرا قرب صرف طاقتوروں کے پاس ہے' جو اپنے اوپر اتنی سختی کر سکتے ہیں' تو میرا استعفیٰ بصد حسرت و یاس۔ اور اگر تو کمزوروں کا خدا ہے اور کمزوروں تک اسی طرح آتا ہے' جیسے طاقتوروں کو آتا ہے' تو میں اپنی جانب سے صرف ایک سادہ سی چیز کا تجھ سے وعدہ کر سکتا ہوں اور وہ میرے ارادے کا اخلاص ہے۔

اس کے بعد میں نے اپنے خلوص کو اللہ کے چند گنے چنے ناموں کے پڑھنے سے ظاہر کرنا شروع کیا۔ ایک بات میرے تجربے میں آئی ہے کہ جس سرعت اور جس تیزی سے خداوند

کریم میری طرف بڑھا ہے مجھے تو یوں لگا' جیسے میں کچلا جاؤں گا۔ میری تسبیح میں بھی اسی سرعت سے اضافہ ہونا شروع ہوا۔ میں نے سات مرتبہ آیت الکرسی تنہائی میں پڑھنی شروع کی۔ یہی کچھ میں خدا سے وعدہ کر سکا۔ یہ میں نے بڑا احسان اللہ پر کیا اور کہا کہ اپنے اخلاص کا ثبوت دینے کے لیے میں سات مرتبہ آیت الکرسی تیرے لیے پڑھوں گا لیکن صرف تین ماہ کے عرصے میں میری تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی۔ چھ ماہ میں بارہ ہزار اور ایک سال میں تقریباً تیس ہزار تک پہنچ گیا۔ اگلے سال میرے شوق کا یہ عالم تھا کہ میں ساٹھ اور ستر ہزار کے درمیان روزانہ تسبیح کرنے کے جنون میں مبتلا ہوا۔ یہ سلسلہ جاری رہا' تا آنکہ میں خلق میں گھیرا گیا۔ میرا وقت کچھ تعلیم و تربیت میں صرف ہوا۔ اس سے میں نے ایک بات جانی ہے کہ خداوند کریم کسی بھی طور کسی بھی آدمی کو مایوس نہیں کرتا۔ چاہے وہ میرے جیسا تساہل پسند اور بے کار منش انسان ہی کیوں نہ ہو۔

مجھے کہیں مقام حاصل نہیں تھا' لیکن اس کے بعد میں نے ایک پالیسی اپنائی اور اس پالیسی نے مجھے مدد دی۔ لوگ مجھے کہتے تھے کہ آپ سگریٹ پیتے ہیں۔ میں انہیں کہتا تھا' برا کام ہے۔ مگر اس کے لیے میں اچھا کام نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر آپ یہ کہیں کہ سگریٹ پیتے ہوئے تسبیح چھوڑ دوں' تو یہ نہیں کر سکتا۔ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ آپ تسبیح دکھا کر کرتے ہیں۔ میں نے کہا' میں نے جائزہ لے لیا تھا کہ خلق کی رائے کا مجھ پر کیا اثر ہوتا ہے۔ میں نے سب سے پہلے خلق کی رائے سے بے نیاز ہونا سیکھا' پھر تسبیح باہر نکالی۔

تین بڑے اصول جو تیس سالہ زندگی میں میں نے دیکھے ہیں' وہ یہ ہیں کہ جس شخص نے خدا کو ترجیح اول سمجھا' اس کو خدا ضرور صلے میں رسپانس دیتا ہے۔ میں نے بھی اپنی ترجیح کی برقراری تسبیح سے کی۔ اللہ سے بہت ہی زیادہ یاد کرتا ہے۔ تیسری چیز' جو اسے خدا کے ہاں سے ملتی ہے' وہ صرف ایک اور وہ قرآن میں درج ہے الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیهم ولا هم یحزنون (پ ۱۱' س یونس' آیت ۶۲) ہم اپنے دوستوں پر خوف اور غم نہیں رہنے دیتے۔ جو شخص بھی خدا کی طرف آگے بڑھے' وہ اس دن اپنے آپ کو ریکارڈ کر لے۔ دو چار ہفتوں میں ہی اس کا رسپانس آ جاتا ہے۔ وہ انسان کو سکون اور طمانیت کے لمحے میسر کر دیتا ہے۔ اب اس سے زیادہ انسان کے لیے اللہ کیا کرے؟

اللہ کے رسپانس کو سنبھالنا اور جذب کرنا کبھی یک طرفہ اور اچانک نہیں ہوتا۔ آپ کی

بہت ساری انسانی جبلتیں ہیں اور بہت ساری خدائی صفات ہیں۔ فنائی اللہ کی سٹیج پر سیدنا عثمان ہجویریؒ کہتے ہیں کہ ایک دم سے تبدیلی نہیں آتی۔ جب ہم تسبیح کرتے ہیں' تو ہماری جبلتیں اس کے خلاف جنگ کرتی ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ وہ دبنا شروع ہو جاتی ہیں۔ بعض سخت گیر افراد کو اس جدوجہد میں کئی سال لگ سکتے ہیں۔ جبکہ بعض افراد جن میں مقبولیت کی کلی حس پائی جاتی ہے' ان کے لیے صرف چند دن لگتے ہیں۔

آج کے زمانے میں مقبولیت کا ریٹ اتنا زیادہ ہے کہ میرے تجربے میں خدا کی طرف چلنے والے افراد کو سال نہیں' دن لگے۔ حد بندی صرف ایک ہے اور وہ اللہ نے فرمایا کہ اے بندگانِ خدا! میں نے کچھ حدود بنائی ہیں تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا و من یتعد حدود اللہ فائولئک ھم الظلمون (پ۲' س البقرۃ' آیت ۲۲۹) جو ان حدود سے تجاوز کرتا ہے' وہ ظالم ہوتا ہے۔ اگر انسان صرف اتنا ہی کر سکے الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش (پ ۲۷' س النجم' آیت ۳۲) کہ بڑے بڑے گناہوں سے بچے۔ خدا کہتا ہے' چھوٹے چھوٹے تو تم ضرور کرو گے' مجھے پتہ ہے اور کبھی بھی اپنے آپ کو بے گناہ نہ سمجھنا۔ وہ سرزنش کرتا اور سختی سے تنبیہ کرتا ہے کہ اپنے آپ کو مقدس نہ کہنا ھو اعلم بمن اتقی میں اچھی طرح جانتا ہوں' تم کتنے متقی ہو۔ کبھی دعویٰ تقدس نہ کرنا۔

یہ دعویٰ تقدس نہ کرنے والا وہ انسان ہے' جو عارل ہے اور اپنے آپ کو ہمیشہ لغزش و خطا و جزاء کے درمیان محسوس کرتا ہے۔ اسی لیے سیدنا صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ ایمان بیم و رجا کے درمیان ہے۔ جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ میرے اچھے اعمال کیا ہیں' تو خیال آتا ہے' سب سے پہلے جنت میں داخل کیا جاؤں گا اور جب اپنے گناہوں کو دیکھتا ہوں' تو ڈرتا ہوں کہ سب سے پہلے جہنم میں داخل کیا جاؤں گا۔ تو فرمایا' ایمان بیم و رجا کے درمیان ہے۔ انسان زندگی کے اختتام تک کبھی اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھے اور خطا کو اتنا بڑا نہ سمجھے کہ خدا اسے معاف نہیں کر سکتا۔ یقیناً آپ معتدل ہوں گے۔ اعتدال میں علم ہے۔ اعتدال میں شناخت ہے اور اعتدال میں خدا ہے۔

اللہ کا تمثیلی تعارف

اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکواۃ فیھا مصباح

المصباح فی زجاجته الزجاجته کانها کوکب دری یوقد من شجرة مبرکته لاشرقیته ولا غربیته یکاد ذیتها یضیٔ ولو لم تمسسه نار نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشا ویضرب اللہ الامثال للناس واللہ بکل شئی علیم o

(اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے' جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو۔ چراغ ایک فانوس میں ہو۔ فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا تارا اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے شروش کیا جاتا' جو شرقی ہو نہ غربی۔ جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو۔ چاہے آگ اس کو نہ لگے۔ روشنی پر روشنی۔ اللہ اپنے نور کی طرح جس کی چاہتا ہے' رہنمائی فرماتا ہے۔ وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے)

سب سے بڑی مشکل جو کسی انسان کو کسی دوسرے انسان کے ساتھ پیش آسکتی ہے' وہ اس کی صلاحیت' تعلیمی معیار اور کمیونیکیشن گیپ ہے۔ کمیونیکیشن گیپ نسلوں میں ہیں ہوتا' بلکہ ذہنوں میں ہوتا ہے۔ ایک ذہن کے پاس مناسب انسٹرومنٹس اور جدت خیال نہ ہو کہ وہ ایک اعلیٰ ترین مثال اور تفہیم کو پا سکے' تو ایک ماورائی ہستی کو سمجھنے میں مشکل آتی ہے۔ پروردگار عالم نے انسانی ذہن کو مدنظر رکھتے ہوئے ان آیات میں اپنے بارے میں بہت سارے گیس ورک کا خاتمہ کر دیا ہے یعنی اس کے بازو اور ہاتھ ہیں' تو وہ نور کے ہیں۔ وہ مجسم صورت نور اور توانائی ہے۔ اللہ نور السموات والارض

مگر جب ہم نور کی اہمیت اور نیچر سمجھنا چاہتے ہیں' تو ہم بری طرح الجھ جاتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں نور کی دریافت شدہ قسمیں بہت تھوڑی ہیں۔ پچیس نہیں تو تیس ہوں گی۔ جیسے الفاریز' گاماریز' بی ٹا ریز' الیکٹرک ریز' لیزر' پروٹون ریز اور ریڈی ایشن وغیرہ۔ تاہم ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے انوار کو سمجھنے کا علم بہت محدود ہے' جبکہ انوار کی اقسام ایک لاکھ 40 ہزار ہیں۔ حضور گرامی مرتبتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے 70 ہزار حجابات نوری اور اتنے ہی ناری ہیں۔ ناری سے مراد تخریبی انرجی اور نوری تعمیری انرجی ہے۔ اس کے ساتھ جب ہم الیکٹرک نور کو دیکھتے ہیں' تو پتہ چلتا ہے کہ بیچ میں 70 ہزار ایسے انوار بھی ہوں گے' جو بیک وقت تعمیری اور تخریبی ہیں۔ انسانوں کی فلاح و بہبود میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور شاک کی صورت میں ان کے لیے خطرے کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔

خداوند کریم نے ایک نہایت خوبصورت مثال سے کائنات کی فطرت کا اظہار کیا ہے۔ کائنات کی فطرت وہ نہیں ہے جو آج کل کے سائنسدان بتا رہے ہیں بلکہ ایک کنارے سے اس کا سارا مخرج ہے۔ یہ ایک بہت بڑی روشنی کا مخرج ہے جو جتنی دور تک پہنچتی ہے ہر چیز کو روشن کیے دیتی ہے۔ چنانچہ بنیادی طور پر کائنات مرکزی گلر میں نہیں ہے بلکہ یہ ایک ہی طرف سے روشن ہو رہی ہے اور جہاں تک اس کا پھیلاؤ ہے وہاں تک اللہ کا نور پہنچتا ہے۔ اللہ کے پیچھے غالباً کچھ بھی نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ بھی ہے وہ آگے ہے۔ کیونکہ اس میں مشکوٰۃ کی جو مثال دی گئی ہے جو طاق میں پڑا ہوا ہے وہ انسانی دل کو بھی دی گئی ہے مگر اس کی زیادہ بہتر تفہیم اس وقت ہوتی ہے جب ہم تعمیر کائنات اور خود کائنات کو دیکھتے ہیں۔ تمام کہکشائیں منضبط ہیں سخر الشمس والقمر والنجوم مسخرات بامر چاند سورج ستارے سب بڑی ترتیب سے اپنی اپنی کہکشاؤں میں چل رہے ہیں۔ سورہ یٰسین میں اللہ کے بیان کے مطابق ہر ایک اپنے اپنے دوائر میں تیر رہا ہے مگر الیکٹرک موومنٹ یا بننے والے دائروں کا مخرج دائرے میں نہیں ہے۔ یہ اس لیے نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات کو ذہناً وعقلاً کنٹرول کر رہا ہے۔ ھو الاول والاخر والظاھر والباطن وھو بکل شئی علیم اس میں اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ نور کی اعلیٰ ترین اور مصفیٰ قسم کون سی ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں سب سے بہترین مثال انسان کے دل اور دماغ کی سی ہے جو پورے جسم اس میں پھیلاؤ اور اس کی نس نس کو کنٹرول کرتا ہے۔ اسی طرح پوری کائنات کا نظام وھو بکل شئی علیم علم کے ذریعے قابو میں آتا ہے۔ اس نے ایسے طریقے سے دنیا کو سنبھالا ہوا ہے جو صرف علم اور عقل پر مبنی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اتنی بڑی کائنات اور مکان کا مالک سارے مکان میں خود ہی بیٹھا ہوا ہو۔ مگر وہ سارے مکان کو جانتا اور اس کا احاطہ اسی طرح رکھتا ہے جس طرح کیمرے وغیرہ لگا کر آپ کو ضرورت نہیں کہ آپ اپنی جگہ سے حرکت کر کے ہر چیز کو دیکھنا چاہیں۔ آج کے جدید دور میں دوری کائنات میں چیزیں اتنی وضاحت سے نظر آ سکتی ہیں تو خدا کا سسٹم تو اس سے بہت زیادہ مکمل ہے۔

مذکورہ آیت میں زیتون کے تیل کی مثال دی گئی ہے۔ اس تیل کی لو زیادہ بھڑکتی نہ زیادہ کم ہوتی ہے۔ ایک مستقل رفتار سے جلتی ہے۔ اس کے صاف ستھرے تیل میں گند یا غلاظت نہیں ہے۔

ایک بچپن کا اور دوسرا موت کے قریب' جب ان میں نا اہلیت پیدا ہوتی ہے۔حضورؐ سے یہی سوال پوچھا گیا اور ان کا یہی جواب تھا۔

محرکات جو انسان کے دماغ میں ہیں۔ جنہیں محرک قوت کہتے ہیں' وہ انسانی ذہن کے اگلے حصے میں اس ماتھے کے پیچھے' جو دماغ کا حصہ ہے'ہوتے ہیں۔خداوند کریم نے فرمایا' زمین پر ایسا کوئی ذی حیات نہیں' جسے ہم نے اس کے ماتھے سے نہیں تھام رکھا۔ جب اس آیت کی وضاحت کی جائے گی' تو ماتھا بذات خود کچھ نہیں۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ وہ حصہ' جو بنیادی محرکات کا مالک ہے' وہ انسانی ذہن اور وہ نروس سسٹم' جو انسانی افعال کی قدرت رکھتا ہے' اس پر ایک ریموٹ کنٹرول اللہ کا بھی ہے۔کوئی ایسا ذی حیات نہیں ہے' جس پر اس کا ایک ریموٹ کنٹرول قائم نہیں ہے ورنہ کوئی حادثہ نہ ہو۔کوئی کسی کو نہ کاٹ کھائے۔کوئی سانپ نہ کاٹے۔کوئی بکری سینگ نہ مارے۔ ہر چیز پر اس کا کنٹرول ہے۔ جو چیزیں اس طرح وقوع پذیر ہوتی ہیں' جیسے کہ وہ چاہتا ہے۔اس میں کچھ عرصہ ایسا آتا ہے' جب انسان یہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس بھی کوئی اختیار ہے اور میں بھی کچھ کر سکتا ہوں۔

حضور گرامی مرتبتؐ کی حدیث مبارک نقل کرنے سے پہلے میں یہاں کردار نہیں' اسباب کی بات کر رہا ہوں۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ دو چیزوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر کرنے کی بجائے ان کا اکٹھا حوالہ دے دیا جاتا ہے۔ جہاں اسباب اور رزق یہ سارا کچھ کیا جاتا ہے' وہاں ساتھ انسان کی سوچ و فکر کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ یہ وہ واحد ایسی چیز ہے' جس پر اظہار کی آزادی اور حق انتخاب دیا گیا ہے۔اسی سے تو سوال طلب کرنا تھا۔ باقی چیزیں بنی ہوئی تھیں۔ رسولؐ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہؐ اگر سب چیزیں اللہ نے ہی ہمارے مقدر میں لکھ رکھی ہیں' تو ہم کیا کرتے؟ فرمایا' جب اللہ نے کسی سے کوئی کام کرانا ہو' تو اس کے مطابق اس کے خیال اور اس کی قوت و ارادہ کو مضبوط کر دیتا ہے اور وہ ایسا ہی کرتا ہے۔

جہاں تک جبر یا جسے جبرہ حالات کہتے ہیں' اس کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اس کی آڑ لے سکتا ہے۔اگر میں اپنی دنیاوی ذمہ داریوں سے آزاد نہیں ہوں' تو میں کیسے زمین پر تمہاری پہچان کے چیلنج کو قبول کر سکتا ہوں؟ اس لیے اللہ کہتا ہے کہ میں نے تمہارے ذمہ یہ کام سونپ دیا ہے کہ تمہیں میں نے عقل اور شعور دیا انا ھدینہ السبیل اما شاکراً واما

کفورا (پ ۲۹' س الدہر' آیت ۳) چاہو تو مجھے مانو' چاہو تو میرا انکار کر دو۔ پھر دوسری آیت میں فرمایا وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ہم نے جن وانس کو صرف اور صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

نظر سے تقدیر میں ردوبدل

تفریق تب پیدا ہوتی ہے' جب آپ اس منطق یا سسٹم تک نہ پہنچیں' جس کو خدا نے ترتیب دیا ہے۔ جب آپ اردو میں ذوقِ نظر استعمال کرتے ہیں' تو اس سے خالی دیکھنا مراد نہیں ہوتا۔ ذوقِ نظر یا نظر سے مراد پوری شخصیت کا وہ تاثر ہے' جو اس کی نظر میں چھلکتا ہے۔ نظر کے پیچھے وہ نزاکت ہے' جو علم وادب میں اسے نصیب ہے۔ اخلاق اور اعمال صالح ہیں' جو اسے نصیب ہیں۔ اور اگر کسی شخص کی زندگی ان اعمال کی طرف ان اعمال کی پیش رفت میں گزری ہے اور پھر وہ کسی شخص کو دیکھتا ہے' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نظر اتنی اخلاص' محبت اور رسوخ والی ہوگی کہ دوسرے میں ضرور رجحان کی تبدیلی لائے گی۔ اس سے زیادہ یہ کبھی بھی نہیں ہوا کہ کسی ولی اللہ نے کسی کو غور سے دیکھا ہو اور وہ ولی اللہ بن گیا ہو۔ کسی ولی اللہ کا نظر کردہ ایک دن میں ولی اللہ نہیں بن سکتا۔

سیدنا شیخ عبدالقادرؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ حضرت میں تو اس لیے آیا ہوں کہ آپ میرے لیے دعا کریں' میں قطب بن جاؤں۔ فرمایا' تو بن گیا۔ شیخ کہتے ہیں کہ رب کعبہ کی قسم میں نے اسے ننانوے سال کی عمر میں قطب دیکھا۔ جب وہ آیا تھا تو بے چارہ نوجوان تھا۔ ایسی دعا منگوا بیٹھا کہ پچاس سال مشقت میں گزرے۔ غوث پاک سے جوڈا کو رستے میں ملے تھے' ان کی نظر سے وہ قطب نہیں بنا۔ حضرت کے اس لفظ نے اسے اتنا متاثر کیا کہ اس نے ڈاکہ چھوڑ دیا۔ ہدایت کے رستے پر چلا۔ پتہ نہیں' اس کے بعد کتنے سال لگے۔ اس کے بعد ہم نے اس کا ذکر نہیں سنا۔ اگر وہ اقطاب عالم میں ہوتا' تو ہم اس کا ذکر سنتے ہیں۔ مگر یہ یقین ہے کہ اسے توبہ کی توفیق حاصل ہوئی۔ شاہ جیلانؒ کے صدق وصفاء کے صدقے میں اللہ نے اسے ہدایت کا رستہ دکھایا۔

نظر سے بندہ آگ بگولا تو ہو سکتا ہے۔ اس میں حسد تو پیدا ہو سکتا ہے' مگر صلاحیت علم و عرفان نہیں پیدا ہوتی۔ اس کے لیے اکتساب اپنی جگہ رہے گا۔ البتہ دعا کی حیثیت میں نظر کسی آدمی

میں وہ جہاں پیدا کر سکتی ہے' جو آگے بڑھ کر اس کے تعلیمی اکتساب اور بالآخر اس کی ولایت الٰہیہ کا سبب بن جائے۔

یہ سوال کہ انسان کو اپنی دعا کی قبولیت کا احساس ہو سکتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ بات ہو سکتی ہے؟ جی ہاں۔ یہ ہو سکتا ہے۔ اللہ کے ساتھ باتیں تو سارے کرتے ہیں۔ یہ تو نہیں کہ اللہ جواب دینے پر مکلّف ہو۔ باتیں تو ہم سارے کرتے ہیں۔ آپ جب چاہیں' بات کر سکتے ہیں۔ اللہ اس کو سن بھی لیتا ہے۔ خداوند کریم کہتا ہے کہ تم ایک' دو' تین یا چار ہو۔ زمین کی تہوں میں یا آسمان کی وسعتوں میں ہو' میں ہر جگہ تمہاری بات سنتا ہوں۔ جب اصحاب رسولؐ نے عرض کیا کہ اللہ کتنا قریب ہے؟ قرآن حکیم میں آیات اتریں کہ وہ بہت قریب ہے۔ ان ربی قریب مجیب (پ۱۲' س ہود' آیت ۶۱) بے شک اللہ بہت قریب ہے۔ دعاؤں کو سننے والا ہے فلیستجیبو لی ولیو منو بی (پ' س البقرہ' آیت) خدا کے لیے آپ کو کہیں سے بھی سننے کے لیے کسی واسطے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یہ تو نہیں پتہ کہ اللہ کے کان کتنے ہیں اور کتنے بڑے ہیں' لیکن اس کا جو سسٹم ہے' وہ ہر چھوٹی آواز کو سن لیتا ہے۔ اللہ تو زمین میں دانے کے چٹخنے کی آواز بھی سنتا ہے۔ آپ کی آواز تو بڑی اونچی ہوتی ہے۔

مرضی کس حد تک آزاد

آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کی آزاد مرضی بھی کسی نہ کسی قدرتی امر یا بیرونی یا خارجی دباؤ سے بنی ہوگی؟ بات یہ ہے کہ جب ہم جبریت اور انتخاب کی بات کرتے ہیں یا آزاد مرضی کی بات کرتے ہیں' تو ہمارا کہنا یہ ہوتا ہے کہ جو امر قائم ہو چکا ہے اور وہ امر' جس کے توڑنے کی آپ کوشش کر رہے ہیں' اس سے مراد یہ نہیں کہ آپ کی آزاد مرضی کسی جبریت سے بنی ہوئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو امر آپ کے اردگرد سبب اور نتیجہ کی زنجیر سے بنا ہوا ہے' اس میں فری ول (Free Will) وہ ہے' جو اس امر کو اس مرتبے سے ہٹا کر اپنی خواہش کا قیدی یا اسیر کرنا چاہتی ہے۔ یہ تھوڑا سا لفظی ہیر پھیر ہے۔

مقدر، توکل، دعا

یہ تو پورا فلسفہ مذہب ہے۔ مقدر انسان کا پروٹوکول ہے۔ جب کسی اہم مہمان نے آنا ہو تو اس کا پروٹوکول پہلے سے طے کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے جگہ کا تعین کیا جاتا ہے۔ ملنے والے ہاتھ گنے جاتے ہیں۔ مخصوص سٹیج بنائی جاتی ہے۔ لائنیں لگائی جاتی ہیں۔ کھانا کہاں کھانا ہے؟ رہنا کہاں ہے؟ کس کس سے ملنا ہے؟ ہر چیز تفصیل کے ساتھ مرتب کی جاتی ہے۔ ایک معزز مہمان کے لیے پورا پورا پروٹوکول طے کیا جاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ اس پروٹوکول میں کوئی تبدیلی آجائے یا کوئی گڑبڑ ہو جائے تو ایک پسندیدہ جملہ بولا جاتا ہے Security Breach ہو گئی۔ اگر پروٹوکول میں ذرا سی گڑبڑ ہو جائے تو کہتے ہیں کہ سکیورٹی میں نقص آ گیا ہے۔ یہ بڑا خطرناک عمل سمجھا جاتا ہے۔ معزز مہمان، جس کی حفاظت کے لیے یہ سارا پروٹوکول جاری ہے، کسی وقت بھی سکیورٹی کے نقص میں فنافی اللہ ہو سکتے ہیں۔

اس چیز کا اطلاق خدا اور حضرت انسان پر کیجیے۔ انتہائی غیر محفوظ مادے سے بھرے غیر معقول حالات اور منفی اثرات کی حامل دنیا میں، مشکل حیاتیاتی بقاء کے ٹمپر میں انسان کو بھیجا گیا۔ ساتھ ہی اس کا عہدہ بھی اعلان کر دیا گیا و اذ قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفہ (پ ا، س البقرہ، آیت ۳۰) نہ صرف یہ کہا، بلکہ دوسری آیات میں فرمایا لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (پ ۳۰، س التین، آیت ۴) نہ صرف یہ کہا، بلکہ یہ بھی کہ اذ قلنا للملئکۃ اسجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس (پ ا، س البقرہ، آیت ۳۴) ہر حال میں انسان کو مکرم اور معزز ہستی کہا۔ غرض و غایت تخلیق انسان کو قرار دیا اور فرمایا گیا کہ اگر تم مجھ سے پوچھنا چاہو تو میں نے انسان کو اپنے لیے پیدا کیا اور تمام مخلوقات کو انسان کے لیے پیدا کیا۔ اس کے بعد اپنی تعریف و توصیف کے لیے معزز ترین مہمان جو تخلیق کیا، وہ محمد رسول اللہؐ ہیں۔

جب یہ اصول بنا دیئے گئے، تو پروٹوکول میں انسان سب سے اونچا ہو گیا۔ سب سے بلند مرتبہ کائنات کے پروٹوکول میں یہ ایک انسان تھا، جو جبرئیل سے معزز ہو گیا۔ باقی انسان اس مرتبہ و عزت تک نہ پہنچے تو جبرئیل ان سے معزز ہو گیا۔ جیسے کنگھی میں کنگھی پھنستی ہے، اب انسانوں کے رتبے ملائکہ بمقابلہ انسان اس طرح ہو گئے کہ کوئی انسان تقویٰ و طہارت میں کسی ملک سے

بازی لے گیا اور کوئی ملک کسی کم درجہ انسان سے بازی لے گیا۔ ان میں آپس میں اس طرح رتبے بانٹ دیے گئے۔ مگر ایک بات پکی رہی کہ انسان مسجود ملائک اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ یہی قابل عزیز و تعظیم ہے۔ بڑا معزز مہمان تھا۔ زمین کو اس کو پورا پورا پروٹوکول دیا گیا۔ ایک ایک چیز اس کے لیے مخصوص کر دی گئی۔ اس کو تنگی نہ ہو۔ تکلیف نہ ہو۔ جانے سے پہلے رشتے ٹھہرا دیے۔ زمین پر اس کے رزق و روزگار کی نسبتیں ٹھہرا دیں۔

اللہ کے نزدیک مقدر کے اپنے طریقے ہیں۔ مقدر دو نہیں' بلکہ تین طریقوں سے جاری ہوتا ہے۔ کسی انسان کو غربت کے طریقے سے گزارا جاتا ہے۔ کسی کو سہولت کے طریقے سے گزارا جاتا ہے اور کسی انسان کو اعتدال اور میزان سے گزارا جاتا ہے۔ مقدر انہی تین صورتوں کے بے شمار امکانات کا نام ہے۔ اعتدال' کثرت اور قلت۔ یہ تمام کے تمام اس لیے ہیں کہ حدیث رسولؐ کے مطابق بعض لوگ ایسے ہیں کہ اگر ان کو غریب کر دیا جائے' تو وہ کافر ہو جائیں اور بعض کو امیر کر دیا جائے' تو وہ کافر ہو جائیں۔

یہ طریقے ہیں' مقدر نہیں ہے۔ یہ امتحان کے انداز ہیں۔ جس کو آپ مقدر کہتے ہیں' وہ انداز امتحان ہے۔ اس کے مختلف طریقوں سے گزار کر انسان کی اندرونی صلاحیتوں کو پرکھا جاتا ہے۔ اس کو سخت طریقہ سے آزمایا جاتا ہے اور پھر دیکھا جاتا ہے کہ ان آزمائشوں سے گزر کر آیا وہ عقل کے بہترین استعمال کے ساتھ اس سوال کے جواب تک پہنچا کہ نہیں مــن ربک و مــن نبیک.

مقدر اور ہے اور انتخاب اور۔ چوائس کے لیے صلاحیت دی اور شعور دیا و نفــس و مــا ســواھــا فــالھمھا فجورھا و تقوھا قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا (پ۳۰' س الشمس' آیت ۷'۱۰) یہ اور کام ہے۔ پروٹوکول کا اس کام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے انسان کا ان چیزوں میں کوئی دخل نہیں۔

جہاں تک دعا کا تعلق ہے' یہ مقدر کا ایک سیکشن ہے۔ کیونکہ ہر چیز میں اللہ نے استثنےٰ رکھ دی ہے۔ اس لیے مقدر کی استثنےٰ دعا ہے۔ دعا مقدر کو بدل سکتی ہے۔ ایک سیٹ پیٹرن جو کسی انسان کے لیے اتارا جاتا ہے' اس میں استثنےٰ دعا کے طور پر رکھ دی گئی ہے۔ دعا بلا اور قضا کو ٹال سکتی ہے۔ دعا کسی بڑی ناممکن بات کو تبدیل کر دے گی۔ مقدر یہ ہے کہ اولاد نہ ہو۔ تین سو برس کے

زکریا کی اولاد نہ ہوئی۔ بظاہر یہ ناممکنات میں سے ہے۔ پھر بھی زکریا دعا کئے جا رہے ہیں کہ اے پروردگار! مجھے وارث آلِ داؤد دے۔ دعا اس مقدر میں ایک استثنیٰ پیدا کرتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اے زکریا! تجھے ایک بیٹا دیا جائے گا۔ اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے پہلے یہ نام کسی نے رکھا نہ ہوگا۔

جب دعا کی قبولیت کی بشارت دے دی گئی تو زکریا نے مقدر کی طرف اشارہ کر دیا کہ اے پروردگار! جو اصول زندگی ہے، اس کے مطابق تو میرے پاس وہ اہلیت ہی نہیں رہی۔ میری بیوی کے پاس بھی وہ اہلیت نہیں رہی۔ وہ آئے گا کہاں سے؟ کتنی عجیب سی بات ہے کہ پیغمبر اللہ سے سوال کئے جا رہا ہے۔ اگر یہ اتنا ہی ناممکن تھا، تو آپ دعا کیوں مانگے جا رہے تھے؟ اب دعا قبول ہو گئی ہے، تو آپ طریقہ کیوں پوچھے جا رہے ہیں؟ اللہ نے کہا، اے زکریا! بجائے یہ بات کرنے کے تو یہ کیوں نہیں کہتا؟ ان ربی یفعل مایشا کہ میرا رب جو چاہے کر سکتا ہے۔ خدا نے زکریا کی دعا کو بطور استثنیٰ مقدر میں تبدیل کر دیا نہ صرف ان کے ساتھ، بلکہ کسی بھی انسان کی دعا سے اس کا انداز زندگی تبدیل ہو سکتا ہے۔ مگر ایک بات یاد رکھئے کہ دعا سے تقدیر بدلنے کے کچھ مراحل ہیں۔ دعا کی قبولیت اللہ کے ہاتھ میں ایک استثنیٰ ہے۔ ایک پیغمبر کا یہ کہنا ہے ان ربی یفعل مایشاء کہ بے شک میرا رب جو چاہے کر سکتا ہے، تو پھر اس میں موت وحیات کی کوئی حتمیت نہیں رہتی۔

مگر ایک سوال ہے کہ جو اس نے نظام قائم کیا ہوا ہے، وہ اسے تبدیل کیوں کرے؟ تبدیلی کی ضرورت وہاں پیدا ہوتی ہے، جہاں انداز نظر ثانی کا محتاج ہو۔ اللہ کا کوئی فیصلہ نظر ثانی کا محتاج نہیں ہے مگر دعا ایک استثنیٰ ہے۔ اس آدمی کے لئے جیسے حضور گرامیٔ مرتبت کا فرمان مبارک ہے کہ خدمت خلق کو خدا کا انعام سمجھو۔ لوگوں کی تعریف خدا کا انعام ہے اور لوگ کسی شخص کی تعریف کیوں کریں گے؟ غور طلب بات ہے۔ اس کی درازی عمر کی دعا کیوں کریں؟ اس میں لوگوں کے اپنے خود غرضانہ رجحانات بھی شامل ہوتے ہیں۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ دکھ، اذیت، کرب و بلا میں وہ ایک ایسے سائے کی طرح ہیں، جس سے انہیں علوم شعور و ہدایت کا نور ملتا ہے۔ لوگ خدا سے از راہِ خلوص یہ دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ان کا سایہ ہم پر ذرا زیادہ دیر رہے۔ چنانچہ پروردگار عالم کو کچھ تبدیلیاں اپنے شیڈول میں کرنا پڑتی ہیں۔ یہ تبدیلیاں کرنے میں اسے کوئی امر مانع نہیں ہے۔ موت وحیات زندگی جو کچھ بھی ہے، اللہ کی نظر میں بہت معمولی ہے۔ جب خدا اپنے

استفتے میں جاتا ہے تو کوئی بھی چیز کسی وقت کسی امر میں کر سکتا ہے۔

گمراہی، ذمہ دار، ذمہ داری

یہ سوال بالآخر جبر وقدر کی انتہائی پیچیدگیوں پر جا کے ختم ہوتا ہے۔ مگر یہ خالق کے علم اور اس کے اصول علم کو علیحدہ علیحدہ کرتا ہے۔ پروردگار کسی بھی ہستی کا جاننے اور بنانے والا ہے۔ اس کی بناوٹ صلاحیت اور اس کی استعداد کا علم اس کے پاس پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ مگر اس میں کمی و بیشی، کارکردگی اور تفکر سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اللہ کے نزدیک ایک فیصلہ حتمی ہے کہ اس نے کسی انسان کو گمراہ کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا۔ یہ اس کی اس آیت کے خلاف ہے کہ میں نے تمام حیات کو پیدا کرنے سے پہلے اپنے اوپر خود لازم قرار دیا۔ وکتب علی نفسه رحمته سب سے غالب اللہ کی بات ہمارے وجود اور خیال کے لیے اس کی رحمت ہے اور رحمت کبھی ہمارا عذاب نہیں چاہے گی۔ چونکہ خالق کو اچھی طرح علم ہے کہ اس نے کسی کے چپ میں کیا رکھا ہے تو گمراہی کا فیصلہ وہ اپنے علم پر دیتا ہے اور علم پر فیصلہ دینے کے باوجود وہ اس کو گمراہ نہیں کر رہا ہوتا، جب تک اس کا مناسب مظاہرہ نہ ہو جائے اور وہ اصول علم کو تجربتاً ثابت نہ لے۔ جب تجربۃً ثابت کیا، تو دوسری آیت میں کہا کہ میں نے پوری پوری کوشش کی کہ کہیں سے اس کی مزید بچت اور نجات کا پہلو نکل آئے۔ مگر انہوں نے گمراہی کو اختیار کیا۔

سو علم اور تجربہ دونوں پر علیحدہ علیحدہ خلاق عالم کی اپروچ کی وجہ سے یہ دونوں آیات اتری ہیں۔ ان میں تضاد نہیں۔ بلکہ یہ باہم مربوط ہیں کہ علم تجربے کی شہادت دیتا ہے اور تجربہ علم کی شہادت دیتا ہے۔

قسمت اور تقدیر یکساں

قسمت تو بٹوارہ ہے۔ جیسے کہ اللہ کے رسولؐ نے کہا الله معطی وانا قاسم مگر تقدیر قسمت نہیں ہوتی۔ تاہم کے ہاتھوں اپنا اپنا مقسوم لوگ لے کر جاتے ہیں۔ مگر تقدیر کائناتِ اکبر میں بھی اٹل ہے اور کائناتِ اصغر میں بھی۔ یہ رب قدرت کا کرشمہ ہے۔ مثال کے طور پر میں آپ سے کہوں کہ کون سا ستارہ اللہ نے انسان کی تباہی کے لیے بنایا ہے؟ کیا یہ کائنات اللہ نے انسان

کی تباہی کے لیے بنائی ہے؟ کیا یہ دن رات کا تغیر انسان کی بربادی کے لیے ہے؟ کیا سورج اور چاند کا طلوع ہونا اور ایک جگہ پر فکس ہونا انسان کی فطرت کے خلاف بنایا گیا ہے؟ کیا مائیکرو کازم کائنات میں کوئی ایسی چیز موجود ہے کہ جس سے انسان کی بھلائی مقصود نہ ہو؟ کیا زمین پر ہوا کا وجود انسان کی مخالفت کرتا ہے؟ کیا زمین پر پانی کا وجود انسان کی زندگی کے لیے ضروری نہیں؟

اگر کائناتِ اکبر کی ہر چیز انسان کی بھلائی کے لیے ہے تو کائناتِ اصغر کا مقدر بھی انسان کی بھلائی ہے۔ یہ ایک نظام ہے جو انسان کو حتمی نتیجے پر پہنچنے میں مدد دیتا ہے۔قسمت اس نظام کے تحت آپ کا اپنا اپنا حصہ ہے۔ یہ انفرادی سطح پر لاگو ہوتی ہے۔ جب کہ تقدیر اس سسٹم کی گورنمنٹ ہے۔

جبر اور جزا وسزا

ناحق ہم مجبوروں پہ تہمت ہے مختاری کی
چاہے ہیں سو آپ کریں ہم کو عبث بدنام کیا

باریک ترین فرق جو ہمارے اختیار اور ہمارے انتخاب میں ہے۔جو کچھ ہم پر بندشیں ہیں اور جس چیز کا ہمیں اختیار ہے ہم اسے جبریت کے اختلاط سے علیحدہ نہیں کر سکتے۔جس چیز کا ہمیں اختیار ہے اسے ہم ایک میکانائزڈ جبر سے علیحدہ نہیں کر سکتے۔ یہی شاید ہماری سب سے بڑی خطا ہے۔ مثال کے طور پر کتاب آپ کے پاس موجود ہے جس میں گناہ وثواب کے سارے مدارج درج ہیں۔ اس کے بعد یہ بات کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ خدا نے یہ چاہا تھا کہ میں ایسا کروں۔ وہ کبھی ایسا نہیں چاہے گا۔ اس پر معاذ اللہ استغفر اللہ کسی قسم کی منافقت کا الزام نہیں۔ وہ مالک کائنات ہے۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ مکمل اختیار رکھتا ہے۔ سو ہم یہ اللہ سے نہیں کہہ سکتے کہ تو کہتا یہ ہے اور چاہتا یہ ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص کسی گناہ کی کیفیت میں وارد ہوتا ہے یا کوئی غلطی اور حماقت کرتا ہے تو اس کا یہ کہنا بجا نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ خدا اور پورے قرآن کے خلاف ہوگا کہ خدا مجھ سے یہ چاہتا ہے۔ کیونکہ جس چیز کا اس نے تحریری اور ریکارڈ آرڈر دیا۔ جس کے لیے اس نے کتاب نازل فرمائی جو پوری کی پوری قرآن حکیم میں ہمارے سامنے ہے۔ جو اس کے احکام ہیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ خدا یہ چاہتا ہے ہم قرآن کے خلاف کریں تو میرا خیال یہ ہے کہ ایسا

قطعاً ناممکن ہے۔ اللہ ایسا نہیں چاہتا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ضمن میں خدا کس کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے؟ پروردگار بڑی عنایت سے فرماتا ہے کہ تمام نیکی میری طرف سے ہے اور تمام حماقت تمہاری طرف سے ہے۔ ایک سمجھدار آدمی کے طور پر مجھے اس کا اعتراف کرنا چاہیے کہ میں ایک نادان آدمی ہوں۔ پروردگار عالم نے جبر وقدر کو ایک سسٹم بنایا ہے۔ اس میں کسی قسم کے اختیاری اور انکاری پہلو نہیں ہیں۔ یہ تمام سسٹم اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ آپ کو مکمل تحفظ کے ماحول میں رکھ کر وہ آپ کو صرف ایک اختیار دیتا ہے۔ ونفس و ماسوھا کہ ہم نے نفس انسان کو درست کیا فالھمھا فجورھا وتقوھا ہم نے ہی اس کو فسق وفجور الہام کیے اور ہم نے ہی اس پر تقویٰ کے خیالات الہام کیے۔

پروردگار انسان کو اس منزل تک لے کر گیا ہے جہاں اس کو خیالات کی آزادی بھی حاصل نہیں ہے۔ خدا یہاں یہ کہہ رہا ہے وما تشائون الا ان یشاء اللہ تم چاہ بھی نہیں سکتے اگر میں نہ چاہوں۔ میں ہی تم پر فسق وفجور الہام کرتا ہوں اور میں ہی تم پر خیر کے الہامات کرتا ہوں۔ مگر اس نے کہا قد افلح من زکھا جس نے پھر اچھی چیزیں اچھے خیالات چنے وہ نجات پا گیا وقد خاب من دھا جس نے برائی کو چنا وہ خسارہ پا گیا یہ آپ کو خود طے کرنا ہے کہ ہمارا چوائس کہاں ہے؟ ہمارا چوائس ان کمنگ پراسیس میں نہیں ہے۔ ہمارا چوائس شفٹنگ میں ہے۔ ہمارا اچھائیوں کے طے کرنے اور اپنے خسارے کو پورا کرنے میں ہے۔ جب آپ کو پتہ چل گیا کہ یہ میرا خیال ہے اور یہ اچھا خیال ہے تو خدا کا کام مکمل ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے کو خدا سے شکوے کا کوئی حق نہیں۔ یا تو آپ کے تصور میں برائی یا کسی خیال کا ناقص تصور نہ ہوتا۔ جب آپ اپنی زبان مبارک سے یہ کہہ رہے ہوتے کہ یہ برا ہے یا اچھا ہے پھر برائی کو چنتے ہیں تو یہ پھر خدا پر نہیں آپ پر منحصر ہے۔ سزا تو بے معنی سی چیز ہے۔

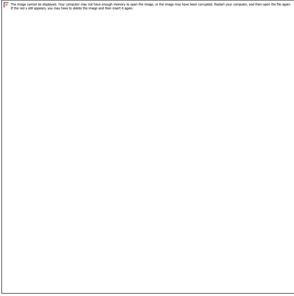
عذاب وثواب کی کسی کیفیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے صاف کہا کہ جب تم کوئی غلطی یا خطا کرو گے تو تمہاری کوئی نہ کوئی جبلت زیادہ خرچ ہوگی۔ تم خسارے میں چلے جاؤ گے۔ مگر کم از کم مسلمان یا خدا پر یقین رکھنے والے کو خدا نے کسی قیمت پر جہنم کا وعدہ نہیں دیا۔ سوائے ایک کے اور وہ میں آپ کو سنا دیتا ہوں قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم اے اللہ کے بندوں تم نے بڑا اسراف کیا۔ اپنے آپ کو بے جا خرچ کیا۔ ایک بہت بڑا گناہ نہ کر بیٹھنا لا تقنطوا

من رحمت اللہ میری رحمت سے مایوس نہ ہوؤ ان اللہ یغفر الذنوب جمعیا یہ قانون ہے۔ بے شک تمہارا اللہ بغیر کسی تخصیص کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے انہ ھو الغفور الرحیم (پ ۲۴ س الزمر آیت ۵۴) اتنے بڑے وعدے اور اتنی بڑی وعید کے بعد کسی بھی قیمت پر خدا کو یہ الزام دینا' یہ بندگی کی ناشکری ہے۔

عقل اور خدا کی مرضی

سستی اور عمل سے فرار کو ہم مذہب بنا لیتے ہیں یا اسے تصوف کہہ لیتے ہیں۔ ایک طرف پچانا دوسری طرف بہانہ۔ تو آج کل معاشرے میں ڈپریشن کی طرف رجحان ہے۔ یہ اسی سوچ کی پیداوار ہے ورنہ جو پیدا ہوا' اس کی کہانی میں محنت کرنا ہمیشہ شامل ہوتا ہے۔ شعوری کاوش کرنا' کیریئر بنانا۔ مگر کیا آپ اسے بھی فرار کہیں گے کہ کوئی شخص پڑھ نہیں سکا؟ اس نے میٹرک نہیں کیا۔ دنیا کے طریقے میں لکھا گیا کہ اس نے اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کی۔ مثلاً اس نے میٹرک یا ایف اے نہیں کیا۔ وہ کلرک نہیں بنا۔ وہ ایک ریڑھا چلا رہا ہے اور بڑی مشقت اٹھا رہا ہے۔ اگر آپ پڑھے لکھے اور ان پڑھ کی مشقت کو دیکھیں' تو جوان پڑھ ہے' وہ اتنی مشقت اٹھا رہا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ اسے زیادہ ریوارڈ ملے۔ مگر ایسا ہوتا نہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ جب ایک آدمی ایم۔ اے' بی۔ اے کر کے آتا ہے۔ چار گھنٹے کلاسز میں ٹال ٹول کے آ جاتا ہے' تو اس کے پیچھے اس کی ان دنوں کی محنت ہوتی ہے' جب اس نے کام کیا ہوتا ہے۔ تو یہ کہا نہیں جا سکتا کہ کھٹو کی بارات کیا ہے اور کام کرنے والے کی کیا بارات ہے۔

مگر ایک فرق ضرور ہے کہ فوائد کی نوعیت لوگوں کے علم میں نہیں ہوتی۔ اگر میں نے تعلیم حاصل کی ہے' تو مجھے یہ اچھی طرح جاننا چاہیے کہ میرا ریوارڈ کیا ہے؟ میرا ریوارڈ مال و دولت اور آسائش دینا نہیں ہے۔ میرا ریوارڈ ظاہر ہے' وہی ہے' جس کے لیے میں نے تعلیم حاصل کی اور وہ لڑکا جس نے تعلیم حاصل نہیں کی۔ جاہل رہا۔ بے وقوف اور بے عمل رہا۔ اس کو قدرت نے موقع دیا۔ اس نے بہت مال و دولت کمائی۔ تو اس کو بھی ہم بے عمل اور ناقص اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ جو اس نے کیا' اس کا ریوارڈ اس کو ملا۔ وہ صرف مال و دولت کی توقع رکھ رہا تھا۔ لیکن پروفیسر صاحب پیسے کی توقع نہیں کر رہے تھے۔ وہ تو اس کے برعکس عزت' احترام اور محبت کی خواہش کر رہے تھے



تبدیلی ہےاور قیامت کے دن نظام شمسی کا ٹوٹنا پھوٹنا اس جبر مطلق کا ختم ہونا ہے۔ انسان کی زندگی پر اگر آپ غور کریں' تو یہ سراسر دونوں سطحوں پر جبر میں گھری ہوئی ہے۔ آپ کو کچھ پتہ نہیں کہ آپ کب مریں گے۔ کل کا آپ کو پتہ نہیں۔ یہ پیش گوئی ہے۔ عمومی زندگی کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ کب تک جاری رہے گی۔ ایک کینسر کے مریض کے بارے میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ آج نہیں مرے گا۔ شاید دو سال بعد مرے۔ اس کے باوجود آپ ٹھیک یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کب مرے گا۔

اسی طرح ابتدائے زندگی میں کوئی آدمی اپنا باپ نہیں چنتا۔ بہن بھائی نہیں چنتا۔ اگر آدمی کو چوائس دیا جاتا' تو شاید سارے کے سارے بل گیٹ کے گھر پیدا ہونا پسند کرتے۔ لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ ہم پندرہ سولہ سال تک اس قابل ہی نہیں ہوتے کہ اپنی سوچوں کو مرتب کر سکیں یا کوئی فیصلہ لے سکیں۔

اگر آپ زمین پر دیکھیں' تو ایک قسم کا خاکی جبر کسی اور چیز پر بھی قائم ہے۔ یہ بھی جبر مطلق ہے۔ مثال کے طور پر یہ ہال ہے۔ یہ میں ہوں۔ یہ آپ ہیں۔ یہ ایک جگہ کو ایک وقت سے جوڑ دیا گیا ہے۔ زمانے کو مکاں میں جوڑ دیا گیا ہے۔ یہ دوسرا جبر مطلق ہے' جو کائنات میں جاری و ساری ہے کہ زمانے کے ایک لمحے کو ایک مکاں میں قید کیا جاتا ہے یا جوڑا جاتا ہے۔ اس جبر کے بھی ہم اہل نہیں ہیں۔ ہم زمان و مکاں کو نہیں جوڑتے' بلکہ زمان و مکاں جڑے جڑائے اسی طرح آتے ہیں۔ کیونکہ ہم زمانے پر اختیار رکھتے ہیں نہ مکاں پر ہی اختیار رکھتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کا کام پیدا ہونا' بڑھنا' زندگی گزارنا اور مر جانا تھا یا وہ کسی خاص کام کے لیے بھیجا گیا تھا؟ اس کے لیے اس کے پاس کوئی چوائس تھا یا نہیں تھا؟ یا کہ ہم مکھیوں کی طرح خدا کے کھیل کود میں مارے جاتے ہیں۔ جیسے البرٹ کامیو کہتا ہے یا جیسے تمام وجودی فلاسفر کہتے ہیں۔ جیسے جبریت مطلق کے ایک فلاسفر کا قول ہے کہ ہماری کوئی چیز ہمارے بس میں نہیں ہے۔ مگر اگر کوئی چیز ہمارے بس میں نہیں ہے اور ہم نے کچھ کام کے لیے یہاں نہیں آنا تھا' تو کیا خدا کا اشتیاق صرف نسل انسان کو پیدا کرنا اور پروان چڑھانا اور مارنا تھا؟ کیا اس کا اس تمام پراسیس میں حقیقی مقصد محض انجوائے کرنا تھا؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا کنکشن ہے' جو بندے اور خدا کے درمیان زندگی کا باعث

بنا؟معمولات زندگی کا باعث بنا؟ دیکھنا یہ ہے کہ کیا انسان خدا کی ایک ہیچ اور معمولی مخلوق کے طور پر سلوک کیا گیا ہے؟ جواب نہیں میں ہے۔ زمین کی مخلوقات کو دیکھتے ہوئے پتہ چلتا ہے کہ ہم ان سب سے برتر ہیں۔ کوئی انسان یہ گلہ نہیں کرسکتا کہ مجھے ایک پسماندہ اور گھٹیا مخلوق کی حیثیت سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس ہم اپنے آپ کو اشرف المخلوقات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں' ہم زمین پر ایک اعلیٰ ترین مخلوق ہیں۔

خدا سے دوبارہ رجوع کیا جائے اور دیکھا جائے کہ آسمانوں میں کون تھا؟ پتہ چلتا ہے کہ ہم آسمانوں میں بھی سب سے معزز مخلوق ہیں۔ اس لیے کہ ملائیکہ نے ہمیں سجدہ کیا۔ ہمارے باپ آدم کو سجدہ کیا۔ حتیٰ کہ اس میں جبرئیل بھی شامل تھے۔ گویا ہم آسمانوں میں بھی اعلیٰ ترین مخلوق ہیں۔ خدا کا اس اعلیٰ ترین مخلوق کو پیدا کرنے کا مقصد اور مطلب' آزادی اور اس کا خیال کتنا تھا۔

اب یہ ایک اصول ہے کہ وزیراعظم کسی طرف جاتا ہے' تو اس کا پروٹوکول مرتب ہوتا ہے۔ اس کے بیٹھنے اٹھنے اور تقریر کرنے کی جگہ سب مرتب ہوتی ہے۔ کن لوگوں نے ملنا ہے' کن لوگوں نے نہیں ملنا۔ ایک طرف اس کی سکیورٹی چیک ہوتی ہے' دوسری طرف اس کے روٹین کے معاملات چیک ہوتے ہیں۔ یہی کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ دو محافظ لگا دیئے ہیں۔ میں نے تمہیں شیاطین سے محافظت دی ہے۔ تمہیں ہر چیز سے بچا بچا کر رکھا ہے۔ ہم بہت اہم لوگ ہیں' کیونکہ زمین پر اللہ کے خلیفہ ہیں۔ ہم زمین پر اللہ کے بہت اہم مہمان ہیں۔ اب یہ مہمان روٹی کیا کھائے گا؟ کیا وہ اپنے لیے بیوی بچے خود چنے گا؟ بچے کتنے اور کیسے چاہے گا؟ اللہ کہتا ہے' یہ تمہارا کام نہیں ہے۔ یہ سب کچھ میں کرتا ہوں۔ حضورؐ سے پوچھا گیا' اگر یہ سب کچھ اللہ ہی کر رہا ہوتا ہے۔ ہر چیز کا اس کا انتظام اور بندوبست ہے' تو ہم کیا کرتے ہیں؟ فرمایا تم کچھ بھی نہیں کرتے۔ اللہ نے جس شخص سے جو کام بھی لینا ہوتا ہے' اس کی قوت' ارادہ اور خیال کو مضبوط کر دیتا ہے۔ تم وہی کام کرتے ہو' جو تم سے اللہ نے لینا اور تم نے کرنا ہوتا ہے۔ تمہیں وزیراعظم بننا ہے' تو وہ تمہیں سیاست میں گھسیٹ دے گا۔ تم نے جرنیل بننا ہے' تو فوج میں بھیج دے گا۔ پولیس میں بھیج دے گا۔ تمہارے خیال میں وہ مضبوطی اور مجبوری پیدا کر دے گا' جس شے میں وہ تمہیں بھیجنا چاہے گا۔ ممکن ہے آپ ایکٹر یا ایکٹریس بن جائیں۔ جرنل یا سپاہی جو بھی حیثیت ہے۔

اس پر مابعدالطبیعات کی سطح پر جا کر یہ سوال کرنا پڑتا ہے کہ اللہ ہر چیز کرتا ہے تو کیا کیا جائے؟ کون سی ایسی چیز ہمارے پاس ہے؟ کون سی چیز ایسی تجھے مرغوب تھی، جس کی خاطر تو نے ہمیں بھیجا، مصیبت میں ڈالا؟ مستقراً ومتاع الی حسین (پ ۱، س البقرۃ، آیت ۳۶) کہ تھوڑا سا زمین پر قرار پکڑو۔ اسی میں تمہارا فائدہ ہے۔ اللہ کے پاس ملائکہ تھے۔ خوبصورت ترین مخلوق تھی۔ جنات تھے۔ شیاطین تھے اور جنت والی حوریں تھیں۔ ہر چیز اتنی خوبصورت تھی۔ اس نے کیوں زمین پر ایسی مخلوق پیدا کی؟ اس نے ہمیں کیوں پیدا کیا؟ جس کو وہ بار بار یاد کرتا ہے صلصال کالفخار (پ ۲۷، س الرحمٰن، آیت ۱۴) گلا سڑا ہوا کیڑا، جو ایک کھنکتے ہوئے گارے کے نتیجے میں پیدا ہوا۔ کیوں؟

خدا کہتا ہے، میں نے مخلوق کو اپنے تعارف کے لیے پیدا کیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، میں خدا سے سوال کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں، حق بھی رکھتا ہے کہ اے اللہ میاں! کیا فرشتے اور باقی مخلوقات تیری پہچان کے لیے کافی نہیں تھی؟ مجھ سے کیا بیر تھا کہ تو نے مجھے پہچاننے کے لیے چن لیا۔ میں ہی کیوں؟ خداوند کریم فرماتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ باقی مخلوق استعداد نہیں رکھتی تھی، جس سے وہ از خود شر اور اچھائی و برائی میں چناؤ کر سکتی ہے۔ یہ صرف تم میں ہے۔

ہم اسے کہتے ہیں، برائی کا بھی تو خالق ہے اور اچھائی کا بھی تو خالق ہے۔ ہم آزاد کہاں ہیں؟ وہ کہتا ہے، نہیں، ایک سوال میں تم آزاد ہو۔ وہ بڑی بڑی تخلیقات کا ذکر کرتا ہے۔ والشمس والضحھا والقمر اذا تلھار والنھار اذا جلھا والیل اذا یغشھا والسماء ومابنھا والارض وماطحھا ونفس وما سوھا (پ ۳۰، س الشمس، آیت ۱تا۷) میں نے سورج بنایا، چاند بنایا، زمین کو پیدا کیا۔ میں نے بڑی بڑی عجیب تخلیقات کیں۔ اس کے بعد میں نے نفس انسان بنایا۔ والنفس وما سوھا اس کے بعد فرمایا فالھمھا فجورھا وتقوھا کہ دونوں لائنیں میں نے اس میں کراس کیں۔ آج کا ایک عجیب و غریب سائنسی کرشمہ دیکھیں کہ دونوں دو لائنوں میں چل رہے ہوتے ہیں۔ منفی اور مثبت ونفس وما سوھا میں نے نفس انسان کو بیلنس کر دیا۔ بالکل برابر میں رکھ دیا۔ اسی طرح میں نے الہام کیے فالھمھا فجوھا وتقوھا خیال خیر بھی الہام کیا اور فسق و فجور بھی الہام کیا۔ تمہیں ایک ہلکا سا چناؤ دے دیا قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا ایک ہلکا سا انتخاب دیا، جس کا پریکٹیکل سے کوئی واسطہ نہیں۔

یہ ذہن سے پیدا ہوا سوال' یہ ذہن میں واردات ہوئی۔ ذہن سے آپ نے چنا کہ اچھا کیا ہے یا برا کیا ہے؟ جب آپ نے ذہن سے کیفیت خیر چنی' تو آپ کے لیے خیر کے امکانات کے در کھل گئے۔ جب آپ نے ذہن سے کیفیت شر چنی' تو آپ کے لیے وہ سیٹ کھل گئے۔ یہ چناؤ کی اہلیت اس زمین و آسمان میں اور کسی مخلوق کے پاس نہ تھی۔ یہ ذہن کے چناؤ کی طاقت اس کے بنیادی تعلقل سے پیدا ہوئی۔ اس کی قوت شعور سے پیدا ہوئی۔ یہ وہ قوت شعور تھی' جسے امانت کے طور پر اللہ نے انسان کو دیا۔ ان عرضنا الا مانتہ علی السموات والارض والجبال کہ میں نے اس امانت کو زمین و آسمان اور پہاڑوں کو پیش کیا۔ کوئی بھی نہیں اٹھا سکا۔ سب نے انکار کیا۔ سب ڈر گئے کیونکہ اس چوائس کے بدلے زحمت بڑی تھی۔ وحملہا الانسان انسان نے آگے بڑھ کر اسے اٹھالیا انہ کان ظلوماً جھولا (پ۲۲' س الاحزاب' آیت ۷۲) بڑا ظالم اور بڑا جاہل تھا۔ اس نے کام کو کمتر اور اپنے آپ کو برتر خیال کر لیا۔

کچھ عرصہ پہلے ہم پکے مسلمانوں کے گھر میں سوازم آیا۔ ہم نسلی مسلمان بڑے پکے اور کٹر جذباتی تھے۔ ایک سردار آیا۔ اس نے سوشلزم کا نعرہ لگایا اور دیکھتے ہی دیکھتے دو کروڑ مسلمان سوشلسٹ ہو گئے۔ اب میں آپ سے ایک سوال احتراماً کہوں کہ یہ پکے مسلمان' جو ماں باپ سے مسلمان تھے۔ جن کا خاندان اور معاشرہ مسلمان تھا۔ ان کے ہاں ایک نیا نظریہ آیا۔ جو ان کو بھا گیا' تو وہ اسلام کو چھوڑ کر ادھر چلے گئے۔ اسلام کو انہوں نے چھوڑ دیا۔ محمد رسول اللہ کو سرمایہ داروں کا ایجنٹ کہا۔ خدا کو افیون کہا۔ یہ ساری چیزیں کہی گئیں۔ مسلمان کمیونسٹ اور سوشلسٹ ہو گیا۔

یہ آپ کی بات کا جواب ہے۔ انسان کسی معاشرے میں ہی پیدا ہو۔ کسی بھی سماجی سیٹ اپ میں خواہ ہندو کے گھر پیدا ہو۔ اگر اسے حقیقت اور سچائی کی تلاش ہے' تو وہ کہیں نہ کہیں اپنا انتخاب ضرور کرے گا۔ چاہے وہ مسلمان کے گھر پیدا ہو کر کمیونسٹ بن جائے۔ چاہے ہندو کے گھر پیدا ہو کر ایل۔ گابا۔ بن جائے۔ مسلمان ہو جائے۔ چاہے وہ کسی عیسائی کے گھر پیدا ہو کر ڈاکٹر فاطمہ بارکر بن جائے یا کسی تبت کے گھر لامہ پیدا ہو کر مسلمان ہو جائے۔ جیسے آخری لامہ ہو گیا تھا۔ اصل میں انتخاب لوگوں کے ساتھ ہے۔ یہ چوائسز سارے لوگوں کو دیے جاتے ہیں۔ ان کی ذہانتیں اور ان کے شعور استعمال ہوتے ہیں اور اندھا دھند تقلید کرنے والا اللہ کو بالکل پسند نہیں ہے۔ بلکہ خدا تو اسے جانور کہتا ہے۔ چنانچہ اس نے انسان کو شعور دیا ہے' جو پوری طرح بروئے کار

آتا ہے۔

آپ اپنی زندگی میں خدا کے اعتقاد کو سلامت رکھتے ہوئے ہزاروں انتخاب کرتے ہیں۔ کبھی آپ نے سوچا کہ ایک صابن کی ٹکیہ کا انتخاب بھی اسی شعور سے ہوتا ہے جو اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ ایک لباس کے رنگ کا انتخاب بھی اسی شعور سے ہوتا ہے جو اللہ کے لیے مخصوص ہے۔ مگر یہ اس کی کمتر قدر ہے۔ آپ کبھی بھی یہ نہیں کہتے کہ اللہ نے میرے لیے یہ چنا' وہ چنا۔ آپ ہمیشہ اپنے انتخاب اور فیصلے کے لیے اقدام کرتے ہیں اور آپ یہ کبھی نہیں کہتے کہ میرے پاس یہ چوائس کی پاور نہیں ہے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ میں نے اپنے ایک خوبصورت دوست کے ساتھ ایک معمولی سی شکل کی خاتون دیکھی' تو میں نے کہا کہ شادی تو اچھی کر لی تھی۔ اس نے کہا، یہ میرا انتخاب ہے' آپ کون ہوتے ہیں؟ میں نے ایک جگہ سے گزرتے ہوئے ایک مرد اور عورت کو دیکھا۔ ایک انتہائی خوبصورت خاتون تھی' جبکہ مرد اس کے برعکس تھا۔ وہی Beauty and Beast والا معاملہ تھا۔ میں بڑا حیران ہوا اور کہا اے پروردگار! تو نے اگر انسان کو انتخاب نہ دیا ہوتا' تو جمالیات کے معیار کتنے عجیب و غریب ہوتے۔ 99.99 فیصد تو جمالیات کے ان معیار تک کبھی پہنچتے ہی نہیں۔ مگر جب ہم چھوٹی چھوٹی ہنگامی ضرورتوں کے کمپلیکسز کے تحت چوائسز استعمال کرتے ہیں' تو وہ ہمارے زندگی کے انداز متعین کرتے ہیں۔

ہم سب آزاد ہیں۔ ہماری عادات ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔ مجموعی طور پر کسی اشتراک عمل پر ممکن ہے' عادات مل جائیں۔ نماز پڑھنے میں روزہ رکھنے میں مل جائیں۔ کیونکہ ہم تمام اللہ کو ماننے والے ہیں۔ لیکن کبھی آپ نے جماعت والوں کو دیکھا کہ تمام ایک ایک شکل' ایک انداز' ایک سی عادتیں' ایک سوچ اور ایک فکر ہوتی ہے۔ یہ مذہب تو نہیں چن رہے ہوتے' کبھی نہیں۔ بلکہ اپنی عادات کے مطابق ایک پیٹرن چن رہے ہوتے ہیں۔ آپ نے دیکھا' یہ سب ایک انداز ے کے لوگ ہوتے ہیں۔ لوگ مذہب کو بھی اپنی عادات و خصائل کے مطابق چنتے ہیں۔ جبکہ اللہ کو چننے والے اپنی کسی عادت سے واقف نہیں ہوتے۔ کیونکہ ان کی ہر دوسری عادت کا اللہ مخالف ہے۔

جس نے خدا کا انتخاب کیا' وہ آزاد اور معتدل ہے۔ اس کو ہر صورت اپنی عادات سے گزرنا ہوتا ہے اور اللہ کی صفات اپنانی ہوتی ہیں۔ اس لیے جبر و قدر کے مسئلے میں آپ کی ذرا سی

خواہش آپ کی زندگی کے پورے اقدار بدل سکتی ہے۔ اگر آپ اللہ کے واقعی طلبگار ہیں۔ چاہے آپ کسی ہندو کے بیٹے ہیں یا عیسائی یا کسی مسلمان کے بیٹے ہیں' تو اس کے لیے ہمیشہ اللہ تک پہنچنے کا چانس موجود ہے۔ لیکن اگر آپ کو دلچسپی نہیں ہے۔ خواہ آپ ہندو ہوں یا مسلمان' کمپیوٹر کمپیوٹر نکال رہا ہوتا ہے۔ ہندو کا بیٹا ہندو' مسلمان کا مسلمان' کافر کا کافر اور مشرک کا مشرک۔ کمپیوٹر سے کمپیوٹر نکل رہا ہوتا ہے۔ ایک چھاپا دوسرا نکال لو۔ ہم مسلمان اتنے کاہل اور منافق ہو گئے ہیں کہ مسلم چھاپو' دوسرا نکال لو۔ عادات وخصائل معاشرے سے پک کی جاتی ہیں۔

مگر جب کسی کا چوائس اللہ ہو جائے' تو اس کی عادات وخصلت بدل جاتی ہے۔ زمین پر ہم اسی کے لیے آئے ہیں۔ یہی ہمارا قانون ہے اور ہم نے اسی کو جانا ہے۔ مقصد دور ہو جائے اور ترجیح اول مس ہو جائے' تو ہم کمتر ترجیح میں جبر وقدر کے اسیر ہو جاتے ہیں۔ ترجیح اول اسی لیے ہے کہ وہ ہمیں جبر مطلق سے آزادی دیتی ہے۔ اللہ کا ساتھ اسی لیے ہے کہ ہم زندگی کی جبری حدود سے ان بندوں کی حدود میں شامل ہو جائیں' اللہ جن کا ہاتھ اور جن کا پاؤں بن جاتا ہے۔ جن کی زبان بن جاتا ہے۔ خدا جن کا اختیار مطلق بن جاتا ہے۔ وہی قادر ہوتے ہیں' جو اللہ کے بندے ہیں۔ چاہے وہ عبدالقادر کیوں نہ ہوں۔

عمرؓ کے لیے دعا کی قبولیت

حضرت بلال حبشیؓ اور حضرت عمر بن خطابؓ اکٹھے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت بلالؓ کو غلام زادے کہہ دیا۔ حضرت بلالؓ نے جا کر آنحضورؐ سے شکایت کی کہ مجھے حضرت عمرؓ نے غلام زادہ کہا۔ حضورؐ نے خاموشی برتی اور صرف اتنا کہا کہ عمرؓ ابھی تم میں جاہلیت کا تعصب نہیں گیا۔ عمرؓ روتے ہوئے آئے۔ اپنا رخسار زمین پر رکھا۔ بلالؓ کا پاؤں اوپر رکھا اور کہا اے غلام زادے! ذلیل کر اس شریف انسان کو۔ ذلیل کر اس شریف کی اولاد کو۔ عمر کی جھوٹ اور اس کا پلٹنا ایسے ہی تھا۔

اب ذرا عمر بن ہشام کی بات سنیں۔ ابوجہل موت کے وقت بدر کے میدان میں معوذؓ اور معاذؓ کے ہاتھوں زخمی پڑا تھا۔ ایک انصاری اس کی گردن کاٹنے کے لیے چڑھا' تو اس نے کہا کہ تو کن لوگوں میں سے ہے؟ اس نے کہا' میں انصار میں سے ہوں۔ اس نے کہا' وائے مرگ! سردار قریش کو چرواہے کے ہاتھوں سے مروایا۔ اے ساربان زادے! میری گردن کو ذرا اونچا کاٹنا' تا کہ نیزے پر چڑھے تو سردار قریش کا سر لگے۔ وہ بھی سردار قریش تھا۔ اس کا پلٹنا دیکھیے اور اس سردار قریش کی ضد دیکھیے۔

مقامِ وسیلہ

وسیلہ کیا ہے؟ ملک کے مختلف طبقات کے درمیان جاری بحث کے کینوس کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ وسیلہ زیادہ سے زیادہ ایک ڈیپارٹمنٹل حدود میں رکھا گیا ہے اور اس قسم کے سوال تک ایک دوسرے سے الجھا گیا ہے کہ آیا کسی پیر فقیر سے دعا کرانا جائز ہے یا ناجائز؟ مقام وسیلہ کا یہ مطلب بجا نہیں ہے۔ مابعدالطبیعات کی سطح پر ہم پروردگار عالم کی کسی بات کو اتنا حقیر کیوں جانیں کہ اسے چھوٹے چھوٹے مسائل میں چھیڑ کر اور اپنی چھوٹی سی حدود عقل میں سیٹ کر کے ان پر رائے زنی کریں۔ ہمیں یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ وسیلے کا خالق پروردگار عالم ہے اور اگر وسائل کا خالق وہ ہے تو ہمیں کم از کم اپنے حدود ذہن سے کچھ تو تجاوز کرنا ہوگا۔ مابعدالطبیعات کا کوئی تو ایسا لیول اختیار کرنا ہوگا' جہاں سے ہم کائنات بالا کی اس حکمت عالیہ کو سمجھ سکیں' جس سے ہمیں وسیلہ کی کسی بھی حیثیت کا تعین اور احساس ہو۔

سیدنا علی بن عثمان ہجویریؒ سے ایک سوال پوچھا گیا کہ خدا ظاہر کیوں نہ ہو گیا؟ فرمایا' اگر خدا ظاہر ہو جاتا' تو ایمان جبر ہو جاتا۔ جبکہ نسل انسانی اور اس کے ذہنی معیار کی تخلیق کو تعقل سے نوازنا اور اس کو خلیفتہ اللہ فی الارض بنانا پورے آفس کا تقاضہ آزمائش تھا لیبلوکم ایکم احسن عملا دیکھنا تھا کہ یہ اپنی عقل و معرفت' جو خدا نے اسے جانچنے' پرکھنے' سوچنے اور سمجھنے کے لیے عطا کی تھی' کس حد تک استعمال میں لاتا ہے۔ اگر اول انسان کی تخلیق کا انداز بھی آپ قرآن حکیم میں دیکھیں' تو خداوند کریم فرماتا ہے کہ ایک دور انسان پر ایسا گزرا' جب وہ کوئی قابل

ذکر شے نہ تھا۔ پھر ہم نے اس کو دوہرے نطفے سے پیدا کرنا شروع کیا۔ وجہ کیا تھی؟ تاکہ ہم یہ جان سکیں اور اس کو آزما سکیں کہ ہماری دی ہوئی عقل و معرفت اور ہمارے دیئے ہوئے شعور کو یہ کس طرح استعمال کرتا ہے۔ انا ھدینا السبیل اما شاکراً واما کفوراً اتنے بڑے ٹیسٹ کے لیے لازم تھا' بقول سیدنا ہجویری کہ خدا غیاب میں چلا جاتا اور جب خداب غیاب میں چلا گیا' تو وسائل کی تخلیق ہوئی۔ اگر خدا غیاب میں نہ جاتا' تو آج تک انسانوں پر براہ راست وحی اور القاء ربانی ہوتا۔ ہر انسان کو جدا جدا ذاتی طور پر ہدایت اور شعور سے آشنا کیا جاتا۔ ہر انسان کو شہد کی مکھی کی طرح وحی کی جاتی۔ جیسے اس نے پہاڑوں کو وحی کی۔

خدا کے ظاہر ہونے کا ایک جبر یہ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے انکار نہ کر سکتے تے۔ اگر ہم بغیر کسی وسیلہ' کسی درمیانی رابطے یا بغیر کسی شعوری بیلنس کے پروردگار عالم کو براہ راست سمجھنے کی کوشش کرتے' تو وہ براہ راست ہم پر الہام کرتا۔ القا کرتا اور وحی کرتا۔ اس کے بعد پھر کسی بھی انسان کے پاس نجات کا کوئی ذریعہ نہیں رہ جاتا۔ شیطان رجیم نے پروردگار کے حضور اللہ کا حکم نہیں مانا اور آدم سے' باوجود اس انتہائی باخبری کے کہ وہ اللہ کے سامنے موجود تھا' خطا سرزد ہوئی۔ اسی طرح اگر سارے انسان کرتے۔ سب انسانوں کی انداز فکر یکساں ہوتی اور وہ باوجود اللہ کو واضح طور پر جاننے اور ماننے کے اس کا انکار کرتے۔ ہم سے گناہ سرزد ہوتے' تو پھر ہم میں سے کسی کی بخشش کا کوئی امکان نہ تھا۔ دراصل وسیلے کی تخلیق انسانوں پر رحمت اور ان کی بخشش کے امکانات پیدا کرنے کے لیے ہوئی۔

وسیلہ بندوں تک موقوف نہیں۔ یہ ایک ایسا ادارہ ہے' جو شجر سے گزرتا ہوا بندگان خدا تک آتا ہے اور ماحول تک جاتا ہے' جو کائنات میں ہر جگہ جاری و ساری ہے۔ بین الکائناتی Cosmos میں چاند کی روشنی کا وسیلہ سورج ہے۔ اگر سورج کی روشنی اس کا توسط نہ بنتی' تو چاند ایک اندھی آنکھ کی طرح بھٹکتا ہوا سیارہ ہوتا۔ اسی طرح کائنات میں جہاں جہاں بھی پروردگار عالم نے تخلیق کی۔ تمام تخلیقات کے بنیادی جو جو اسباب تخلیق کئے' ان کے مطابق اس نے ان کے وسائل رکھے۔ اگر خداوند کریم یہ وسائل نہ رکھتا' تو آج کے انسان کے لیے کس درجہ دشواری پیدا ہوتی۔

اللہ نے زمین کو تخلیق کیا اور کہا کہ یہ میرا انکار کرتے ہیں۔ قل انکم لتکفرون

بـالذی خلق الارض فی یومنین وتجعلون له انداد آ ذالک رب العالمین زمین کو ہم نے دودنوں میں تخلیق کیااوراس کے بعد وجـعـل فیهـا رواسـی اس میں پہاڑ رکھےمـن فوقها وبرک فیها پھراس کو برکت دی اور برکت کے لیے وقـدر فیها اقواتها فی اربعته ایـام سواء للسائلین (پ۲۴'س حم السجدہ' آیت ۹'۱۰) پھرہم نے اس میں وہ وسائل رکھے' جو انسان کوابدیت تک کام آنے والے تھے۔ اس زندگی اور اس زمین کی ابتداء' اللہ نے ان تمام قوتوں اور وسائل سے کی' جو قیامت تک انسان کوکام آنے والے ہیں۔

اگر ہم ایسی بستی میں بھیج دیئے جاتے' جہاں ہمارے پاس زندگی گزارنے کا کوئی سبب موجود نہ ہوتا۔ ہمارے تمام نوزائیدہ بچے بغیر کسی وسیلے کے بھیج دیئے جاتے' تو ان کا زمین پر کیا حشر ہوتا؟ مگر اللہ نے کسی بچے کو پیدا کرنے سے پہلے اس کے وسائل تخلیق کئے۔ اس کونگہداشت کرنے والے ماں باپ دیئے اور اس کو رزق کے اسباب مہیا کئے۔ یہ نوزائیدہ بچہ' جو پانچ سات سال تک اپنی زندگی کو کسی نہج پر استوار نہیں کرسکتا' کسی طریقے بھی اپنے آپ کو اس قابل نہیں کر سکتا کہ مقامات زندگی سے متصادم حالات زندگی یا معاشرہ سے لڑ سکے' اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسانی فرمائی کہ اس کی زندگی کے وسائل مہیا کئے۔ کیا کسی بچے کو پہلے پتہ ہوتا ہے کہ میرے ماں باپ کون ہیں؟ کیا اس کو اس سکیم کے تحت اپنے کسی سبب کا علم ہوتا ہے کہ میں کس گھر میں جا رہا ہوں؟ کس مقام پر جا رہا ہوں؟ کیا انہیں کسی قسم کا یہ حق انتخاب ہوتا ہے؟ اگر پروردگار عالم ان کے لیے افراد' ماں باپ یا بعض اوقات حکومتی اداروں کی صورت میں وسائل مہیا نہ کرے' تو کیا خیال ہے' تمام نوزائیدہ بچے اپنے بحرانوں میں الجھ کر زندہ رہ سکتے تھے؟

اللہ تعالیٰ کے صرف اسی غیاب میں جانے کی وجہ سے بحیثیت ایک رحمت کے تخلیق کئے گئے وسائل کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ انسان کو توجہ اور تربیت فراہم ہو۔ جب انسان کے تعلق کی آزمائش شروع ہوئی اور اللہ نے انسان کو آزمانا چاہا' تو اس نے انسان کے لیے رحمت کا ایک نظام رکھا۔ اس میں ایک صفت نسیان رکھ دی ہے۔ وہ مشغولات دنیا میں اپنے بنیادی مقصد اور ترجیح کو بھولتا رہتا ہے۔ چنانچہ اللہ نے اس کی تعلیم کے لیے بنیادی طور پر ایک وسیلہ اختیار کیا۔ یہ وسیلہ اگرچہ انسانی تھا' مگر یہ مکمل طور پر خدا کی نگرانی میں تھا۔ انسانوں کی ذہنیت تربیت کے لیے بار بار اعادہ تخلیق کے ساتھ اور اس وقت سے اس کا آغاز ہوا' جب یوم میثاق والے دن' جب خدا اپنی

مخلوقات کے سامنے تھا' اس نے ان سے پوچھا تھا' الست بربکم؟ کیاتم اپنے رب کو پہچانتے ہو؟ قالو بلی سب نے کہاتھا، ہاں؟ مگر اس ہاں کے بعد انسان 'وما الحیات الدنیا الا لھو و لھـــــــب (پ۱۴' س العنکبوت' آیت ۶۴)لہو ولہب کی مشغولیت' قلیل دنیا میں اتنی ساری مصروفیات اور اشغال سطحی اور غیر اہم ذمہ داریوں میں گھر گیا کہ اسے وہ پیغام الست بربکم کیسے یاد آ سکتا تھا؟ آج بھی دنیا میں کوئی ایسا بندہ نہیں' جسے یوم میثاق میں خدا کے حضور اپنی حاضری یاد ہو۔ ہماری یادداشت کے تالے اس حقیقت کبریٰ کے لیے نہیں کھلتے' جو ہم نے اقرار خداوند کیا تھا۔ اس صورتحال کا خوبصورت اظہار ایک فارسی شاعرہ نے یوں کیا ہے

بجواب طبل الست تو زد لاچوں قوس بلا زدم
کہ ہمہ خیمہ زد بہ در دلم چہ پہ غم زخشم و بلا

جب تم نے الست کا طبل بجایا تھا' تو میں نے اپنے دل پر ہاں کی ضرب لگائی تھی' ہاں پروردگارا ہم تجھے جانتے ہیں' ہم تجھے مانتے ہیں۔ہم سے اب تو کبھی نہیں بھول سکتا۔مگر اس اقرار کے بعد ہمارے دلوں کے دروازے پر غم وخشو وبلا نے خیمے ڈال دیئے۔ہمیں اس طرح گھیر لیا ہے کہ میں پوری کوشش کرتی رہی کہ تمام دنیا اور مصروفیات دنیا کے باعث کسی طریقے سے اس اقرار وفا' اظہار محبت اور اظہار عبودیت سے گریز حاصل کروں۔

پروردگار کو اس بات کا بہتر علم ہے اور وہ جانتا تھا کہ میں نے یہ بندہ پرفیکٹ پیدا نہیں کیا۔اس کو میں نے بہت بڑا بنایا۔وارث تخت الٰہی اور اس کو خلیفۃ اللہ فی الارض کیا۔ یہ جنتوں کا آباد کار ہے' جو میری اربوں' کھربوں' ستاروں کی گلیکسیز پر محیط آئیڈیل یوٹوپیا پر محیط ہے' اس کا وارث ہے۔مگر بھولنے والا ہے۔

چنانچہ تعلیمی مقاصد کے لیے سب سے پہلے جو وسیلہ یادداشت پیدا کیا گیا' وہ پیغمبر تھے۔وہ آدم سے لے کر محمدؐ تک وسیلہ علم' وسیلہ تربیت' وسیلہ اخلاق اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وسیلہ یاد میثاق تھے۔اسی کے نتیجے میں ایک حیرت انگیز بات ہمارے سامنے یہ آتی ہے کہ پہلا انسان' جس نے اپنی بستیاں آباد کرنے اور اپنے گھر بنانے شروع کئے۔ وہ متمدن انداز میں زندگی بسر کر رہا تھا۔اس کی بستیاں Priest Sociities تھیں۔توجہ طلب بات ہے کہ آخر انسان نے عقل پاتے ہی پریسٹ سوسائٹیاں' استادوں کی اور پیغمبران سوسائٹیاں ہی کیوں تعمیر کیں؟

دراصل انسان کا شعور ایسی معمولی چیز نہیں کہ وہ ایک دن میں سارا اجاگر ہو جاتا ۔شعور کو درجہ کمال تک پہنچتے پہنچتے اتنا عرصہ لگ جاتا ہے کہ اگر درمیان میں اس کی تعمیر رک جائے تو ایک آدمی یا تو Morone (کم عقل) رہ جاتا ہے یا Half Morone غیر تعلیم یافتہ رہ جاتا ہے۔آخر دنیا میں کتنے وائٹ مین پیدا ہوئے؟ افلاطون اور سقراط سے لے کر آج تک ذرا انسانی ریکارڈ کو دیکھ لیں، کتنے ہیں، جو اپنے ذہن کو مکمل طور پر استعمال کر پائے یا جنہوں نے انسان کو قانون فراست اور عقل و معرفت دی، کتنے تھے؟ شاید آپ ایک سانس میں سو دو سو بندہ گن سکیں۔

چنانچہ اگر وسیلہ کا ادارہ نہ ہوتا تو آپ کے رسولؐ کیوں دعا مانگتے۔حدیث رسولؐ صحیحین میں ہے کہ اے لوگو! جنت میں ایک مقام ہے، اسے مقام وسیلہ کہتے ہیں۔میں اپنے رب سے امید کرتا ہوں کہ وہ مجھے عطا ہوگا۔تم بھی میرے لیے اس کی دعا کیا کرو۔دیکھنا یہ ہے کہ وہ مقام وسیلہ پہلے پیغمبروں کو کیوں نہیں عطا ہوا؟ اگرچہ وہ بھی وسائل تھے۔آدم اور نوح بھی وسیلہ خداوند تھے۔یہ سارے وسائل تھے تو پھر آخر یہ مقام وسیلہ ایک شخص پر کیوں مرتکز ہوا اور کیوں محمدؐ نے یہ آرزو کی کہ جنت میں ایک مقام ہے، جسے مقام وسیلہ کہتے ہیں۔میں اپنے رب سے امید کرتا ہوں کہ وہ مجھے عطا کیا جائے گا۔

اس کی بڑی سادہ اور صاف سی وضاحت ہے کہ کسی ادارے کی ابتدا بھی ہوتی ہے، اس کا انجام بھی ہوتا ہے۔یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک وقت کے آنے سے پہلے بھی بات ہو اور ایک وقت کے جانے کے بعد بھی بات ہو۔یہ ضروری نہیں کہ جو شخص آج آیا ہے، اس سے پہلے اس کی گرفت یا حالات پر اس کی حکومت نہ ہو۔بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے پہلے جو حالات تھے، ان میں بھی محمدؐ کا مقام وسیلہ تھا اور ان کے بعد بھی جن لوگوں نے سنت رسول کو اپنایا اور جو رسولؐ کی رسالت پر یقین رکھتے تھے، ان پر ان کی گرفت تھی۔اس لیے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میری امت کے اولیاء بنو اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں۔

بنو اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح جو امت محمدیہؐ کے افراد ہوں گے، وہ نبوت کا دعویٰ تو نہیں کر سکتے۔کیونکہ نبوت ختم المرسلین کے بعد اب کوئی بھی پیغمبری یا نبوت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔سوال یہ ہے کہ پھر وہ کس سلسلے میں بنو اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور گرامی مرتبتؐ کے بعد جن اہل ایمان، اہل عقل اور اہل شعور نے غرض و غایت پیغمبر سمجھی۔

انہوں نے اپنی زندگیوں میں اللہ اور اس کے رسولؐ کو ترجیح اول قرار دیا اور اپنی زندگیاں اس کے لیے صرف کیں۔ ان کے پیغام کو عام کرنے کے لیے وقف کیں۔ وہ یقیناً اپنے لوگوں کے لیے اسی طرح خیر و برکت کا باعث بنتے ہیں' جیسے حضورِ گرامی مرتبتؐ کی نگاہ عنایت سے اس دور میں ایک سلسلہ معرفت اور مغفرت چل رہا تھا۔ وہ لوگ' جو خدا اور رسولؐ کے لیے اپنی زندگیاں تج دیتے ہیں۔ جو ظاہری اور باطنی زندگی میں درجہ کمال حاصل کرتے ہیں' امت مسلمہ کے لیے اسی فنکشن اور وسیلے کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

مگر اس میں ایک شک وشبہ کی بڑی سخت گنجائش رہ جاتی ہے۔ ایک مکتبۂ فکر کا خیال ہے کہ انسان کو وسیلے کے بغیر خدا سے مانگنا چاہیے۔ ہم اتفاق کرتے ہیں کہ بغیر مانگنا چاہیے۔ ایک فرد کا اللہ سے اپنا ذاتی تعلق بھی ہوتا ہے اور میرا خیال ہے کہ ہر فرد اللہ سے اپنا ذاتی تعلق قائم رکھ سکتا ہے۔ جب وہ تعلق موجود ہو' تو یقیناً خدا کی یاد اور محبت میں کوئی لمحہ دعا اس کے لبوں پر آتا ہے' تو وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ سارے انسان حسن گمان سے بنے ہیں۔ اس کی اپنے کردار وافعال و مقاصد پر نظر جاتی ہے' تو وہ سمجھتا ہے کہ شاید میں اس عالم تربیت میں نہیں رہا۔ میں نے پیغام کی قدر نہ کی۔ مجھ سے بڑی کوتاہیاں اور غلطیاں ہوئیں۔ شاید میں شفاعت خداوند حاصل کرنے کا اتنا اہل نہیں ہوں' جتنا شاید میرا وہ بھائی' جس نے اپنی پوری زندگی اللہ کے لیے صرف کی۔ اگر خلوص دل سے میرے لیے دعا کرے' تو میری دعا اللہ ضرور قبول کرے گا۔ حضور گرامی مرتبتؐ نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان بھائی نے غیر حاضری میں اپنے مسلمان بھائی کے لیے دعا کی' وہ ضرور قبول کی جائے گی۔ یہ بھی حدیث رسولؐ ہے کہ اگر کسی نے بتا کے نہ جتا کے کسی کے لیے دعا کی' تو اللہ ضرور اس مسلمان بھائی کے بارے میں وہ دعا قبول کرتا ہے۔

دعا وسیلے کا ایک ذریعہ ہے۔ ایک آلہ ہے۔ وسیلہ ایک آفس اور ایک ادارہ ہے۔ اس ادارے پر اللہ کی طرف سے اگر کسی کی اجارہ داری ہے' تو وہ صرف ایک انسان کی ہے۔ اس ادارے سے لوگوں کے لیے ہدایت اور بخشش نکلتی ہے۔ یہ شخص اپنی زندگی میں ارشاد فرمارہے ہیں کہ جنت میں صرف ایک مقام ہے۔ باقی سارے مقامات شیئر ہوتے ہیں' مگر ایک مقام جسے مقام وسیلہ کہتے ہیں' میں اپنے رب سے یہ امید رکھتا ہوں کہ صرف مجھے اس پر متمکن کیا جائے گا۔

یہ وسیلہ اتنا اہم اس لیے ہے کہ یہ ہماری زندگیوں اور ہمارے ماحول سے باہر نکلتا ہوا

تخلیق زمین پر چلا جاتا ہے۔اس سے آگے بڑھتا ہوا بگ بینگ تک چلا جاتا ہے۔ یہ وسیلہ پوری کائنات کی تخلیق پر منتج ہوتا ہے۔آخر پوردگار عالم کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ جب وہ اکیلا اور خوش تھا۔خودکفیل اور اپنی ذات میں وہ سب کچھ تھا' تو ہمارا یہ حق نہیں بنتا کہ ہم اللہ میاں سے پوچھیں'تو نے ہمیں کیوں پھنسوا دیا؟ مگر کسی تخلیق کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے خالق پر اعتراض کرے۔ آج تک کسی تصویر نے مصور پر اعتراض نہیں کیا۔اسی طرح ہمارا بھی یہ حق نہیں بنتا کہ ہم خدا کو یہ کہیں کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ مگر یہ حق تو بنتا ہے کہ اس سے کہیں کہ آخر ان تخلیقات کل کا کیا مقصد تھا؟ اس کائنات' بگ بینگ' سات آسمانوں اور ان میں الجھی اور پھنسی ہوئی سات زمینوں کو تو نے کس لیے پیدا کیا؟ ایک چھوٹی سی زمین' جس پر ہم متمکن ہیں۔جس کے بارے میں رسول اللہؐ نے فرمایا کہ یہ ان آسمانوں میں ایسی ہے' جیسے ایک بڑے بھرپور گھنے جنگل میں پڑا ہوا ایک حلقہ یا چھلا۔کس کو نظر آئے گا؟ کیا اتنی بڑی کائنات میں اتنی معمولی سی زمین کی تخلیق کے لیے بگ بینگ ہوا تھا؟ کیا اتنی معمولی زمین کی تخلیق کے لیے سب کچھ بنایا گیا؟

یہ سارے کائناتی وسائل جو اختیار کئے گئے' سات آسمانوں کی تخلیق اور یہ توازن کشش ثقل جو ترتیب دی گئی۔سورج کو زندگی کا وسیلہ بنایا گیا۔اسے ایک مخصوص اور مختصر فاصلے پر ٹھہرایا گیا۔ یہ چاند' جو راتوں کو روشن کرتا ہے۔اس کو مخصوص فاصلہ دیا گیا اور یہ فاصلے انتہائی پیچیدگی سے متوازن کئے گئے کہ اگر سورج ایک لاکھ میل پرے چلا جائے' تو آپ ٹھٹھر کے مر جائیں اور ایک لاکھ میل ادھر ہو جائے' تو آپ جل کر خاک ہو جائیں۔ چاند رہے نہ ستارے۔اتنی ترتیب اور اتنا توازن ذالک تقدیر العزیز العلیم (پ ۷' س الانعام' آیت ۹۶) یہ سب چیزیں اسی بڑی قدرت' حساب اور علم والے پروردگار نے کیوں ترتیب دیں؟ کیا ایک سادہ سی وجہ ہے کہ ہم صرف اس کائنات' جس سے ہم آگاہ ہیں' میں سوچنے والی واحد مخلوق ہیں؟ ہماری خود پسندی تو یہی کہتی ہے۔

چلیں' ہم مغربی خیال کو مان لیتے ہیں۔ان کے کوانٹم اور اضافیت پر اعتبار کر لیتے ہیں کہ ان کی تحقیقات کے مطابق انہیں کہیں اور کسی دوسری انسانی زندگی کا سراغ نہیں ملا۔مگر ہم قرآن کی اس بلاغت نظام کو کیا کہیں' جس میں اللہ کہتا ہے ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمعیتا (پ ۱' س البقرۃ' آیت ۲۹) اور اللہ الذی خلق سبع سموت ومن الارض مثلھن

(پ۲۸' س الطلاق' آیت ۱۲) کہ جیسے میں نے سات آسمان تخلیق کیے ہیں' اسی طرح کی سات زمینیں بھی بنائیں۔ اور یہ نہیں کہ وہ زمینیں بے باد بنجر اور ویران پڑی ہیں' بلکہ تمہاری زمین کی طرح وہ بھی ویسے ہی آباد رہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا' یہ نہیں کہ صرف تمہاری زمین پر پیغمبر اترے ہیں' دوسری زمینوں پر بھی آدم ہیں۔ وہاں بھی نوح اور وہاں بھی شیث ہیں۔ مگر محمد رسول اللہؐ ایک ہی ہیں۔ محمد رسول اللہؐ کا تمام زمینوں پر ایک ہونا کتنا عجیب سا تصور ہے۔ یہ تاریخ ہے' نہ توارد ہے۔ یہ دائی بین الکائناتی فاصلوں کا عجیب سا سیلاب ہے۔ کیا آپ ان سسٹمز آف انٹیلی جنس تک پہنچ گئے ہیں' جو اللہ نے تخلیق کیے؟ ابھی کچھ عرصہ پہلے ایک بڑی عجیب سائنس ایجاد ہوئی کہ موجودہ سائز سے کہیں چھوٹا سا کمپیوٹر تیار ہو گیا ہے۔ یعنی مٹی کا ایک ذرہ' ناقابل تصور حد تک سمارٹ' اور وہ استعمال کے قریب ہے۔ فرض کیجیے' اگر یہاں تھوڑی سی راکھ بکھیر دی جائے تو وہ Cosmic Intelligence بن جائے گی۔ کہیں مرکزی آفس میں بیٹھا ہوا شخص ہمارا ایک ایک لفظ اور ایک ایک شکل دیکھے گا۔

یعنی اس نہج پر جب انسان کی ترقی چلی گئی ہو' تو اس ذرۂ وجود' جسے آپ روح کہتے ہیں' وہ انتہائی ذہانت سے بنائی مائیکرو چپ' جو آپ کے اندر موجود ہے' کی ہدایاتی فلاسفی کی کوئی بنیاد کسی کے پاس تو ہوگی۔ جب پروردگارِ عالم نے آغاز و انجام میں ایک ہی قرآن کو اتارا تھا' تو صاحب قرآن تو دو نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر ہوا کیا؟ تمام پیغمبروں نے رسول اللہؐ کو مقام وسیلہ میں مدد فراہم کی۔ جب قیامت کا دن ہوگا' تو بات کھل جائے گی۔ صحیحین کی حدیث ہے۔ شفاعت و دعا و وسیلہ ایک ہی اداراتی پیٹرن ہیں۔ جب شفاعت کا وقت آئے گا' مخلوقات عالم اضطراب میں ہوگی۔ جان لبوں تک آئی ہوگی اور اوپر سے آواز آ رہی ہوگی کہ لمن الملک الیوم اب بتاؤ کون بادشاہ ہے؟ ملک کس کا ہے؟ وللہ الواحد القہار (پ۲۴' س المؤمن' آیت ۱۶) میں اکیلا واحد القہار ہوں۔ کس کس کے پیچھے بھاگتے رہے ہو؟ اپنے مقاصد کی تخلیق میں کون کون سے وسائل طلب کرتے رہے ہو؟ وسیلوں کا مالک تو میں تھا۔

سب لوگ بھاگیں گے۔ جانِ اضطراب کو لے کر حضرت آدم کے پاس جائیں گے اور عرض گزار ہوں گے کہ یا نبی اللہ! آپ انسان اول ہیں۔ ابوالانسان ہیں۔ آپ ہمارے لیے

شفاعت کی دعا کریں۔ کہیں گے نہیں بھائی! میرا تو یہ مقام نہیں۔ میں نے تو اپنی زندگی کا آغاز ہی خطا سے کیا تھا۔ میں نہیں کر سکتا۔ ایسا کرو تم حضرت نوحؑ کے پاس جاؤ۔ اللہ نے انہیں بڑی عمر اور بڑا علم دیا تھا۔ بحیثیت استاد کے انہوں نے بڑی محنت کی تھی۔ وہ خلق وراستی کے مالک تھے۔ ان کے پاس جاؤ۔ پھر یہ سلسلہ طویل ہوتا جائے گا۔ حضرت نوحؑ سے حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ پھر حضرت عیسیٰؑ جملہ تمام انبیاء کہیں گے بھائی یہ سٹیٹس ہمارا نہیں ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ براہ راست دعا کے علاوہ کوئی اور پروسیجر نہیں ہے ذرا قیامت کے دن کے بارے میں غور کریں کہ بڑے بڑے اللہ کے دوست' اللہ کے ولی' کریم اور بڑے بڑے نفیس لوگ وہاں موجود ہوں گے۔ پیغمبروں سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پیغمبر کی زبان شرف سے کلام نکلے اور اللہ اسے قبول نہ کرے؟ ایک چھوٹی سی دعا کے لیے وہاں کتنا بحران پڑ گیا۔ کیا مسئلہ پڑ گیا کہ آدم سے عیسیٰؑ تک سب پیغمبر انکار کرتے ہیں۔ پھر سب مل کر محمد رسول اللہؐ کے پاس جائیں گے تو حضورؐ فرمائیں گے ہاں میرے ساتھ اللہ کا یہ وعدہ ہے۔ مجھے یہ شفاعت کا حق دیا گیا ہے اور میں تمہارے لیے خدا سے دعا کروں گا۔

یہ تو تھے رسول اللہؐ۔ اس کے علاوہ صحیحین میں ایک حدیث ہے کہ میری امت کا ایک شخص قیامت کے روز میری امت کے قبیلہ بنی حذر کی بھیڑوں کے بالوں کے برابر شفاعت کرے گا اور اصحاب رسولؐ متفق ہیں کہ یہ بات حضرت خواجہ اویس قرنیؒ کے بارے میں ہے۔ یہی پر بات صادق آتی ہے کہ مقام وسائل کا اختیار رسول اللہؐ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی اور رحمت سے دیا۔ وسائل کا انچارج رسول اللہ کو بنایا گیا۔ تاہم یہ بات اچھی طرح یاد رہے کہ پروردگار عالم کسی معاملے میں اختیارات شیئر نہیں کرتا۔ وہ اپنے اختیارات میں کسی کو دخل نہیں دینے دیتا۔ یہ کہنا قطعاً ناجائز ہوگا کہ کوئی شخص بھی خدا کی طرح ایکٹ کر سکتا ہے۔ وہ تو موت و حیات کو بھی وسائل گنتا ہے۔ الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عمل (پ ۲۹' س الملک' آیت ۲) موت و حیات ہمارے عمل کا پیٹرن کیسے بن سکتی ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ایک زندگی کی عطا و بخشش سے آپ اس امتحان گاہ میں داخل ہوتے ہیں اور موت آپ کو اس امتحان گاہ سے نکالتی ہے۔ اللہ نے یہ دونوں وسائل اس لیے تخلیق کیے کہ ایک آپ کے لیے زندگی کا باعث بنا' تاکہ آپ امتحان کے لیے تیار ہوں اور ایک آپ کے اخراج کا وسیلہ بنا اور دونوں

ذرائع الٰہی وسائل میں شریک اور شامل ہوئے۔

دیکھنا یہ ہے کہ ان وسائل میں ہمیں کیوں شبہ ہوتا ہے؟ جہاں بھی کوئی مسلمان تھوڑی سی عملیت اور عبادات کی سختی میں گیا اور اس نے خیال کیا کہ میں پانچ وقت نماز پڑھتا ہوں' روزے رکھتا ہوں' اللہ تعالیٰ کے احکام ظاہرہ پورے کرتا ہوں' تو میرا استحقاق ہے کہ اللہ میری سنے۔ یقیناً ایسی ایک حدیث بھی موجود ہے کہ جب ایک صحابی رسولؐ کے پاس آئے اور کہا کہ یا رسول اللہؐ آپ کیا کہتے ہیں کہ میں جنت میں کن اسباب سے داخل ہوں گا؟ فرمایا' پانچ وقت کی نماز۔ اس نے کہا' یا رسول اللہ ایک زیادہ نہیں پڑھوں گا۔ فرمایا' روزے رکھنا۔ کہا' ایک بھی زیادہ رمضان سے زیادہ نہیں رکھوں گا۔ خیرات وصدقات ضرور دوں گا۔ فرمایا' جس نے جنتی کو دیکھنا ہے' سے دیکھو۔

اعمال کی صحت سے تو کسی کو قطعاً انکار نہیں' مگر اعمال کی ذہنی سطح ہمیشہ فرد سے فرد مختلف ہوتی ہے۔ ایک عمل کی نیت کچھ اور دوسرے عمل کی نیت کچھ اور ہو جاتی ہے۔ اسی لیے پروردگار عالم نے قرآن حکیم میں فرمایا کہ ظاہرہ اور باطنی گناہوں سے بھی بچو۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کسی بڑے شخص' جو اللہ کے نزدیک بڑا آدمی ہے' کی توہین کر دیتے ہیں۔ جسے اللہ نے پوری کائنات' پوری زمین اور پورے انسانوں کی فلاں و بہبود کا ذریعہ بنایا' اس کی زجر و توبیخ کر دیتے ہیں اور اس کے مقام عزت پر حرف لاتے ہیں' تو پروردگار عالم کی ناراضگی کا سبب تو بنے گا۔ اس لیے کہ خدا احسان فراموشی کو سب سے زیادہ بدتر حالت ذہن سمجھتا ہے۔ احسان فراموش خدا کے حضور کوئی جا نہیں پاتا۔

پورا مذہب یہ بتاتا ہے کہ دراصل یہ جو وقفہ حیات ہے' صرف یہی ایک قبر ہے۔ یہ ہمارا Dead Period ہے۔ ایک لامتناہی سلسلہ حیات زمان ومکان کو زمانی اور مکانی حدود دنیا میں قید کیا گیا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا الدنیا سجن المومن دنیا مومن کی قید ہے۔ پورے کائناتی دلائل میں جب ہم اس گلیکسی کے نظام وقت کی لاانتہا اور مکاں کی وسعت کو دیکھتے ہیں اور اس کی نسبتی تفہیم پر نظر ڈالتے ہیں' تو ہمیں صرف ایک جگہ اور یہ دنیا جیل لگتی ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ ہم پوری کائنات کے تمام سلسلے سے کٹ گئے ہیں۔ ہمارے قوانین زندگی کی بقاء کے کائناتی قوانین سے مختلف ہیں۔ یہاں جو قیود لگائی گئی ہیں' وہ یہاں سے خلا میں ختم ہو جاتی ہیں۔ یہاں کا وزن اوپر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ کسی فرد کے لیے جو اس زمین پر رہ رہا ہے' بہت ہی مشکل ہے کہ وہ اپنے اسی

پیٹرن میں کسی اور دنیا میں چلا جائے۔ بڑا ہی مشکل ہے۔ اس کو اس Part of life سے اس Pattern of life میں جانے کے لیے بے پناہ حفاظتی اقدامات کرنے ہوں گے۔ وسائل اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر تخلیق کئے اور ان کے سبب محمد رسول اللہؐ اور دیگر انبیاء ہیں ۔ یہ تمام کی تمام دعا وبرکت صرف ایک شخص حکیم ایک بندۂ خدا کو حاصل ہے۔ وہی مقام وسیلہ پر اختیار رکھتا ہے۔ اس سے متعلق بخاری میں حدیث مبارکہ ہے کہ واللہ معطی و انا قاسم اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں ۔شفاعت قیامت کے دن بھی انہی کے توسط سے بٹے گی ۔ جملہ وسائل زندگی رسول اللہؐ کی معرفت وحکمت ہے۔

ہم نبی کو صرف اس لیے قبول کرتے ہیں کہ جو بات ہمارے علم ظاہرہ اور باطنہ سے باہر ہیں، اس کو پیغمبر جانتا ہے۔ اس کی ہمیں تلقین کرتا ہے۔ کوئی بندہ خدا کو نہیں جانتا ہوتا یا معرفت الٰہی نہیں رکھتا۔ زمانے میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا پتہ نہیں ہوتا ۔ ایک پیغمبر ہی اپنی شہادتِ باطنیہ، وحی الٰہی اور کئی طریقوں کے ذریعے آپ کو آگاہ کرتا ہے کہ خدا ہے اور میں اس کا نمائندہ ہوں ۔ پھر وہ جب اپنے نبی ہونے کا اعلان کرتا ہے تو پھر بنو اسرائیل میں ایک ہی وقت میں بہت سارے انبیاء کی موجودگی کے باعث یہ سوال اٹھتا تھا کہ غلط اور صحیح نبی کون ہے۔ بنی اسرائیل کے انبیاء میں مسلسل اصلی اور نقلی نبی ہونے کا ٹیسٹ جاری رہتا تھا۔ بخت نصر کے زمانے میں کم از کم پندرہ نبی موجود تھے۔ بخت نصر کے خواب اور اس کی تعبیر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت دانیال پر جبرائیل کے ذریعے وحی کی ۔ ذرا جبرائیل کو نکال دیجیے، پھر دیکھیں۔

یہ سارے کا سارا جھگڑا اس لیے پیدا ہوا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی نبی یا کسی فرد بشر میں داخلی کوالٹی ایسی موجود ہے کہ وہ غائب جانتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا۔ کسی عالم یا پیغمبر نے ایسا دعویٰ کیا کہ ہم میں ساری داخلی انفارمیشن ہے اور ہم آپ کو بتاتے ہیں ۔ ایسا تو کبھی بھی نہیں ہوا ۔ آپ کسی بھی بزرگ سے بات کر کے دیکھیں۔ خواہ وہ عبدالقادرؒ ہوں، علی بن عثمان ہجویریؒ، جنید بغدادی یا خواجہ ابوالحسن شاذلیؒ ہوں ۔ ان اولیاء اللہ کو بھی چھوڑیں ۔ کسی پیغمبر سے جا کر پوچھیں کہ حضور یہ جو خبر غیب کی آپ کو ملتی ہے، یہ کہاں سے ملتی ہے؟ اور نبی کا مطلب ہے خبر بتانے والا ۔ کسی نیوز کاسٹر کو تو میرا خیال ہے، کوئی نبی نہیں مانے گا۔ عربی نیوز سناتے وقت لفظ 'الانباء' آتا ہے۔ اس اعتبار سے تو نیوز کاسٹر کو نبی ہونا چاہیے۔ وہی ہمیں خبر سناتا ہے۔ مگر نبی کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسی خبریں سناتا

ہے' جن پر عام کوئی گواہ نہیں ہے۔ وہ ہمیں غیب کی خبر بتاتا ہے اور سب سے بڑی غیب کی خبر یہ ہے کہ اللہ ہے۔

بھلا اس سے بڑی غیب کی خبر کیا ہو سکتی ہے کہ وہ حضرت کل' شہنشاہ پروردگار عالم' جو بصارت میں نہ کسی کے فہم وادراک میں آ سکتا ہے۔ کسی کے خیال تصور سے ماورا ہے۔ جس کو کسی طریقے سے جانا نہیں جا سکتا۔ ایک بندہ ہمیں شہادت دیتا ہے کہ وہ ہے اور ہم اس پر اعتبار کرتے ہیں کہ وہ ٹھیک کہتا ہے۔ کیونکہ اس کی باقی خبریں بھی ٹھیک ہیں۔ وہ صادق ہے۔ اگر یہ صادق اور امین ہمیں یہ کہتا ہے کہ اللہ ہے' تو پھر وہ صحیح کہتا ہے۔

انبیاء کے سٹیٹس کو بڑی احتیاط سے پرکھنا چاہیے۔ یہ بندگان زمین پر احسان کرنے والے لوگ ہیں۔ اللہ کے یہ وہ بندے ہیں' جو رشد وہدایت کا منبع اور سراغ ہیں۔ ہم ان سے دعا کے طلبگار نہیں ہوں گے؟ ہمارے پاس اور کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے' جس میں ہم تھوڑا بہت خدا کی مرضی کا ادراک بھی کر سکیں۔ قرآن براہ راست تعلیم کا واحد منبع ہے اور دوسرے درجے پر حدیث ہے۔ اگر آپ کو قرآن یا اس کے سنانے والے پر اعتبار نہیں ہے' تو قرآن کی حیثیت مشکوک ہو جاتی ہے۔ پوری تاریخ علم وعقل میں قرآن کا صرف ایک ثبوت اور وہ قول رسول پاکؐ ہے۔ ایک ہی شخص کی زبان سے جو جملے نکلتے ہیں۔ ایک کو وہ کہتا ہے کہ یہ میری بات ہے اور دوسرے کو کہتا ہے کہ یہ قرآن ہے۔ کسی نے نہ اس وقت جبرئیل امین کو دیکھا نہ آج دیکھا۔ یہ یقین نہ ہو' تو پروفیسر میکڈوگل جیسا شخص پیغمبرؐ کو کہہ سکتا ہے کہ وہ کہاں کا نبی ہے؟ یہی بات اس نے اقبال کو لکھی کہ تو اتنا پڑھا لکھا آدمی ہے' پی ایچ ڈی ہے' تو بھی یہ سمجھتا ہے کہ قرآن اللہ کے لفظ ہیں؟ یہ تجھے کیسے خیال آیا؟

ایک اور بہت بڑا مغالطہ ضمناً آ گیا ہے کہ قرآن کو اللہ کا لفظ نہ سمجھنا۔ اس پورے دین کی اساس کو ختم کرنا ہے۔ آج اگر میں بطور ایک چھوٹے طالب علم خدا پر کوئی دلیل قائم کرتا ہوں' تو وہ صرف اور صرف قرآن کی وجہ سے ہے۔ اگر قرآن اللہ کا کلام نہ ہو' تو یہ زبان اور معانی دونوں میں Adjustable ہے۔ جیسے حدیث پر اعتراض وارد ہوتے ہیں' اس پر بھی اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ بہت سی باتوں کے بارے میں اس کی ثقاہت قابل اعتراض ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک اچھے مسلمان کے طور پر ہمارے عقیدے کا تقاضا ہے کہ قرآن کا ہر لفظ اللہ کا لفظ ہے۔ اس میں ہر بات

اللہ کی بات ہے۔ مگر یہ ثبوت صرف اللہ کے رسول سے مہیا ہوتا ہے۔ حضور اپنی زبانِ معجز سے ہی دو باتیں کہتے ہیں۔ یہ میری حدیث ہے اور یہ قرآن حکیم ہے اور ہم ان پر اعتبار لاتے ہیں۔

اگر ہم نبیؐ کے سٹیٹس کو کمزور سمجھیں۔ ہر نبیؐ کے علم، ان کی دانش اور ان کی براہ راست قبولیت پر شک کریں تو ہم رسول اللہؐ کے امتی ہونے کا حق بالکل نہیں رکھتے۔ جو شخص پیغمبر کے علم پر اعتراض کرتا ہے، وہ اس پیغمبر کا پیروکار نہیں ہو سکتا۔ نبیؐ کے علم اور شناخت پر شبہ کرنے والا کسی قیمت پر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ بہت ساری باتیں ایسی لگتی ہیں، جیسے پیغمبر ایک عام آدمی کی طرح Behave کر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس سے پہلے ایک پیغمبر ایسے گزرے کہ ان کی زندگی معجزہ تھی۔ پیدائش سے وفات تک پوری کی پوری زندگی معجزانہ تھی۔ وہ حضرت عیسیٰؑ تھے۔ حتیٰ کہ آج بھی ہمیں بہت سارے مقتدر عیسائی علما طعنہ دیتے ہیں کہ تمہارے پیغمبر نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا جبکہ ہمارا پیغمبر تو بنا ہی کرامات اور معجزات سے ہے۔

حضرت عیسیٰؑ اپنے حواریوں کے ساتھ گزر رہے تھے۔ دیکھا ایک عورت کو دورہ پڑ گیا ہے۔ اس نے کپڑے پھاڑ دیئے ہیں۔ بائبل میں یہ واقعہ تمام حواریوں سے منقول ہے۔ آپ نے حواریوں یوحنا، متی، مرقس، لوقا سے کہا کہ جو میں نے تم کو آیات دی ہیں، جاؤ، وہ آیات اس پر دم کرو تاکہ مریض صحت یاب ہو۔ وہ سارے گئے اور انہوں نے دم کیا مگر وہ مریضہ ٹھیک نہ ہوئی۔ حضرت عیسیٰؑ نے حواریوں سے کہا کہ جاؤ، اس پر وہ تمام دم پڑھو جو میں نے تمہیں عطا کئے۔ حواری گئے، مگر کسی دم کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ واپس پلٹ کے آئے اور کہا یا نبی اللہ! ہم نے پوری کوشش کی۔ دم بھی وہی ہے، جو آپ نے بتایا ہے اور ہم آپ کے دوستوں اور تابعداروں میں سے ہیں۔ پھر حضرت عیسیٰؑ گئے اور دعا کی۔ لڑکی نے ایک بڑی چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی۔ ساتھ گلے میں سوروں کا ایک بہت بڑا باڑہ تھا۔ ان میں سے ایک سور پر وہ جا کے لگی اور پھڑک کے جھیل میں جا پڑی۔ حواریوں نے سوال کیا کہ اے نبی اللہ! ہم نے بھی وہی کیا، جو آپ نے بتایا تھا۔ ہمارے سے کیوں نہیں ٹھیک ہوئی؟ فرمایا، کسی مرض کے لیے نبی کی دعا چاہیے۔

وسائل کی ترتیب اور ان کے مقامات میں سب سے بڑا المیہ، جس پر اعتراضات وارد ہوتے ہیں، یہ ہے کہ کبھی کبھی کوئی انسٹی ٹیوشن بڑا کرپٹ ہو جاتا ہے۔ جب میراث رسول اللہؐ لوگوں تک پہنچ گئی۔ انبیاء کے بعد اولیاء اللہ تک یہ مقام وسیلہ پہنچے تو کہا نہیں جا سکتا کہ شاید کچھ لوگ اس

کے حقدار نہ ہوں اور وہ دعوے کر رہے ہوں۔ کچھ لوگ اس ادارے کے وقار کے قابل نہ ہوں اور پھر بھی وہ موجود ہوں اور لوگ ان سے وابستگی اختیار کریں۔ ان کے کردار میں کوئی نہ کوئی ضرور کمی و تشنگی ہوگی' جس کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں چند ایک مذہبی مسالک بڑی شدت میں پڑ جاتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ سے گزرتی ہوئی بات انبیاء اور اولیاء اللہ سے گزرتی کم تر مزاج' دنیا پرست اور وجاہت طلب لوگوں تک آتی ہے' تو ظاہراً بات ہے کہ انسٹی ٹیوشن کرپٹ ہو جاتے ہیں۔ مگر وسیلہ کو کوئی ضرب نہیں پہنچتی۔ اصلیت میں مذہب اور نہ مذہب کے ادارے کرپٹ ہوئے۔ مگر اس وقت' جب لوگوں نے انہیں اپنی اغراض کے لیے استعمال کیا۔

آج کل سب سے زیادہ مصیبت تصوف اور اولیاء اللہ تعالیٰ کے مساکن پر آئی ہوئی ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں' جو عزت و حرمت کے تھے۔ جو لوگوں کی خوشی' بخشش اور کرم کا وسیلہ تھے' ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں آ گئے اور ان پر ایسا ہی وقت آیا' جس طرح آج سے پہلے بارہویں اور تیرہویں صدی میں عیسائیت پر بھی وقت آیا تھا۔ جب ایسے ایسے اکیڈمک ولی اللہ پیدا ہو گئے تھے' جنہوں نے نجات کے سرٹیفکیٹ بیچے۔ اس زمانے میں چرچ اور کلیسا کے مقتدر لوگ نجات کے سرٹیفکیٹ بیچتے تھے اور کہتے تھے کہ پانچ پونڈ دو گے' تو چھوٹے درجے کی جنت تمہیں عطا کریں گے اور دس پونڈ دو گے' تو ذرا بہتر جنت ملے گی۔

آج تک کسی بندے نے کسی مقرب الٰہی کے کسی مقام پر شبہ نہیں کیا۔ یہ وہ آفتاب ہے' جب طلوع ہوتا ہے' تو تمام ستارے ماند پڑ جاتے ہیں۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ جب ان کا بحران اور قحط الرجال ہوگا۔ مقام وسیلہ تک پہنچنے والے افراد استحقاق نہ رکھیں گے' تو لوگوں کو کوئی برا نہیں کہے گا۔ ہر چیز کے پابند اس کی صفات کہیں گے۔ مگر دوسرے معترض کو اس پیر کی خامیاں ضرور نظر آئیں گی۔ اس ایک شخص کی وجہ سے بہت بڑا ایک ادارہ خراب ہوگا۔ اللہ نے بدر میں کہا' میں نے تمہیں نصرت اور فتح دی۔ تین ہزار ملائیکہ بھیجے۔ عجیب سا لگتا ہے کہ اللہ وسائل کیوں استعمال کرتا ہے۔ وہ اللہ جو خود مدد دے سکتا ہے اور فتح اور شکست اس کے قبضہ میں ہے' وہ مسلمانوں سے کہہ رہا ہے' میں تمہیں فتح تو دے سکتا تھا' مگر میں نے تمہیں تین ہزار ملائکہ سے مدد دی۔ پھر آگے جا کر کہتا ہے' میں نے تمہیں پانچ ہزار ملائکہ سے مدد دی۔ جنگ حنین میں مسلمان بھاگ نکلے۔ اللہ نے ملائکہ کی مدد بھیجی۔ کیا مسلمانوں کے لیے خود اللہ کافی نہیں تھا؟ جیسے بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ

ملائکہ سے کیوں مدد دی گئی؟

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ جب اللہ غیاب میں چلا گیا' تو اس کے حجابات ہمیں براہ راست تفہیم تک نہیں پہنچنے دیتے۔ چنانچہ ہمیں اسباب چاہیے ہوتے ہیں۔ تمام معجزات اور ملائکہ اسی قسم کے اسباب ہیں' جن میں ہم ان کو اپنے قریب محسوس کر کے نفسیاتی طور پر زیادہ خدا کا اعتبار کرتے ہیں۔ یہ درمیانی اسباب ایک نفسیاتی انسان کی ضرورت ہیں۔ متوکل انسان کوئی کوئی نکلتا ہے۔ اللہ پر اعتبار کرنے والا ابراہیم نکلے گا کہ جب نار میں جھونکے گئے' تو جبرئیل امین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! حکم ہو تو' میں اس آگ کو اہل کفر پر پلٹا دوں۔ فرمایا' اے جبرئیل! میرے اللہ کو میرے اس حالم کا پتہ نہیں؟ فرمایا' اللہ جانتا ہے۔ فرمایا' پھر مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں۔ اب ذرا دیکھئے کہ جس نے وسیلے سے بے نیازی حاصل کی' اس کے لیے اللہ نے مدد بھی براہ راست بھیجی۔ اس نے جبرائیل کو نہیں کہا کہ آگ کو ٹھنڈا ہونے کا حکم دے۔ یہ انسانوں کے معیارِ عقل و فکر اور ان کے ایمان پر ہے۔

مگر جب قرآن اتر رہا تھا' آپ کا خیال ہے کہ خدا نے غلطی کی تھی' جب رسول اللہ کو کہا کہ میں نے ہر مومن کو دو سو لوگوں پر بھاری کر دیا۔ میں نے ایک ایک مومن کو دو سو حریفوں پر غالب کر دیا۔ مسلمان ڈر گئے۔ آپ جانتے ہیں' وہ کون مسلمان تھے؟ اصحاب رضوان' اصحاب بدر' اصحاب احد' جن کے ایمان کی راہگزر کی خاک بھی ہمارے لیے ماتھے کے چمکتے ہوئے چراغ ہیں۔ مگر ان لوگوں کو جب خدا نے کہا کہ میں نے ایک ایک شخص کو دو سو پر غالب کیا' تو اصحاب ڈر گئے۔ اصحاب اس لیے ڈر گئے کہ یہ بڑی مشقت کی بات تھی۔ ایک صحابی کو اس مقام کو حاصل کرنے میں دو سو کافروں کو قتل کرنا پڑتا تھا۔ اللہ نے قرآن میں کہا' ہم نے تم لوگوں کی کمزوری دیکھ لی۔ چلو دو سو نہ سہی' اب تم میں سے ایک دو پر غالب رہے گا۔

حکم وہ بھی نہیں گیا۔ قرآن کو سمجھنے والوں کو یہ پتہ ہونا چاہیے کہ دو سو والا بھی موجود ہے۔ مگر عمومی طور پر جو حکم متعارف کیا گیا' یہ تھا کہ ایک عام مومن تو دو کافروں پر بھاری رہے گا' مگر وہ جن کے ایمان مضبوط ہیں اور درجہ اقدار میں اللہ کے لیے جانفشانی کا مظاہرہ کریں گے' وہ آج بھی دو سو پر غالب ہیں۔ عجیب سی بات ہے کہ کارگل میں صرف ایک چھوٹے سے سپاہی نے 185 انڈین سپاہی مارے۔ میجر کرنل شیر نے 185 کافروں کو جہنم رسید کیا۔ تو آرڈر وہ بھی چل رہا

ہےاور ایک کم تر پیٹرن کا بھی چل رہا ہے۔ مگر لوگوں کو مدد چاہیے۔ ہر آدمی اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ اس درجہ ایمان وتقویٰ پر فائز ہو۔ وسائل اس لیے تخلیق کیے گئے کہ خداوند کریم ان لوگوں کو تھوڑی تھوڑی تسلی انہی کے ذرائع سے دے۔ اعتبار اللہ ہی کا ہوتا ہےاور یقین اللہ ہی پر ہوتا ہے۔ مگر خداوند کریم نے دیکھیں، کیسی بات کی ہے واذا قیل الھم تعالو یستغفر لکم رسول اللہ لو وارئو سھم یصدون وھم مستکبرون (پ ۲۸، س، المنافقون، آیت ۵) جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اور رسول اللہؐ آپ کے لیے مغفرت کے لیے دعا کریں، تو یہ منہ چڑھاتے ہیں اور تکبرات میں پڑ جاتے ہیں۔

ذرا آیت کو غور سے دیکھئے۔ اللہ نے تو اس میں اپنا نام نہیں لیا۔ بلکہ سپیشلائز کیا اور کہا کہ تمہارا وسیلہ مغفرت رسول اللہؐ ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اے گروہ منافقین! آؤ اور رسول اللہؐ کے پاس حاضر ہو جاؤ اور رسول اللہؐ سے استغفار کی دعا کرواؤ، تو ان کے منہ بگڑ جاتے ہیں۔ ان کے انداز بدل جاتے ہیں اور یہ استکبار میں پڑ جاتے ہیں۔ تکبر کتنی بڑی برائی ہے کہ جس کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہے، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ رسول اللہؐ سے مغفرت کی دعا کرانے کی بات ہے، اس کو آپ کیا کہیں گے یا جسے رسول اللہؐ حاضر نہیں ملتے یا ان کے حضور جانے کا اسے موقع نہیں ملتا، وہ کیا کرے؟ وہ کسی بندۂ خدا، جس پر وہ رسول اللہؐ کی تقلید اور ان کی استعانت کا شبہ رکھتا ہو کہ یہ شخص اگر میرے لیے دعا کرے، تو یہ دعاؤں کے سلسلے وسل در وسل چلتے ہوئے اللہ کے رسولؐ تک پہنچے، سے کہہ سکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی پیر فقیر، جب کمرے میں جاتا ہو، تو کہتا ہو۔ اللہ کے بندو! مجھ سے کیا دعا منگواتے ہو۔ میں تو خود خاک قدم پیغمبر ہوں۔ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہؐ اس کے لیے کہ یہ مسکین میری وجہ سے سب کو دعا دے رہا ہے، تو میں استغفار کی دعا اس کے لیے کروں۔ اللہ نے یہ استحقاق بخشا ہے کہ لوگوں کے لیے دعا کروں۔

پھر ایک اور آیت دیکھئے۔ بڑی کلیسری آیت ہے، جس کے ہوتے ہوئے ممکن نہیں کہ ہم پھر بھی کسی مغالطے میں پڑ جائیں ولو انھم اذ ظلموا انفسم وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیے، بڑی خطائیں کیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اللہ سے مافی مانگیں۔ خدا کہتا بھی ٹھیک ہے کہ وہ مجھ سے معافی مانگیں۔ مگر میرا کوئی پتہ نہیں کہ میں معاف کروں یا نہ کروں۔ میں آپ کو ایک طریقہ بتا دیتا ہوں، جس سے میں یقیناً معاف کردوں گا ولو انھم اذا ظلموا انفسھم وہ لوگ، جنہوں

نے اپنی جانوں پر بہت ظلم کئے، بڑی خطائیں کیں، یعنی بڑے گناہ کئے۔ ان کو چاہیے کہ وہ مجھ سے پناہ مانگیں، اس سے توبہ کریں۔ مگر اے پیغمبر تھوڑی سی بات ہے واستغفرالھم رسول اللو لوجد اللہ توابار رحیما (پ۵ س النساء، آیت۶۴) اگر اے پیغمبر! تو بھی ان کے لیے مغفرت اور بخشش کی دعا مانگے، تو پھر ہم بخشنے والے ہیں۔ ذرا غور کیجیے۔ قرآن کی اس آیت میں قطعاً کوئی ابہام موجود نہیں۔ اپنا ذکر کیا۔ انسان کے گناہوں کا ذکر کیا ولوانھم اذ ظلموا انفسھم جن لوگوں نے اپنی جانوں پہ ظلم کئے، گناہ کئے، یہ وہ ظلموا ہے ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین (پ۸، س الاعراف، آیت۲۳:) جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کئے اور گناہ کئے جائو ک واستغفر اللہ اگر اللہ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں۔ پھر یہ بات کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ استغفر لھم الرسول اے پیغمبر تو بھی ان کے لیے بخشش کی دعا کرے لوجد اللہ توابا رحیما تو اللہ ضرور توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ایک بات کلیئر کرنا ضروری ہے کہ رسول اللہؐ تو مدینہ میں استراحت پذیر ہیں اور ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ مدتیں ہوئیں، حضور کا چہرۂ انور حجاب میں ہے اور ہم ان کے اس رخ کریم سے کوئی آرزو صرف ان کے مزار گرامی پر جا کر کر سکتے ہیں۔ تو قرآن یہ کہہ رہا ہے، اگر تم اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور رسول اللہؐ تمہارے گناہ کے لیے معافی مانگیں، تو ہم بخشنے والے ہیں، یہ کیا بات ہوئی؟

سوال یہ ہے کہ ہمارا کیا سٹیٹس رہے گا؟ اگر یہ ان اصحاب کے لیے مخصوص ہوتی، جو ان کو دیکھتے تھے۔ رسول اللہؐ کے پاس چلے جاتے اور ان سے کہتے تھے، میرے لیے رسول اللہؐ دعا فرمائیے۔ میرے لیے اللہ سے یہ مانگ لیجیے، مجھے یہ لے دیجیے۔ حضور پیغمبرؐ ہی نہ تھے، ان سے محبت کرنے والے باپ بھی تھے۔ بخشنے والے انا قاسم بانٹنے والے تھے۔ سیرت ابن ہشام میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضور بانٹ رہے تھے۔ بدو زور کر رہے تھے اور انہوں نے اتنا زور کیا کہ حضور کو گھسیٹتے گھسیٹتے ان کی چادر اور ان کو جھاڑی میں پھینک دیا۔ حضور گھبرا کے چادر کھینچتے تھے اور اپنے آپ کو کانٹوں سے علیحدہ کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ خدا کی قسم! اگر ان کو پتہ ہو کہ میں ان کے حق میں کتنا فیاض ہوں، تو یہ اتنا زور نہ دیں۔ وہ وقت ہم پر نہیں تھا۔ کیا قرآن اتنے محدود وقت کے

لیے تھا؟ کیا اصحابِ رسولؐ کے لیے تھا؟ کیا صرف انہی کے لیے مغفرت تھی؟ کیا آج ہمیں اس مغفرت میں سے کچھ نصیب نہیں ہوگا؟ اگر میں اللہ سے معافی مانگوں اور اپنے پیغمبر سے دعا کروں کہ یا رسول اللہؐ! میں خدا سے معافی مانگ رہا ہوں۔ آپ بھی میرے لیے مغفرت کی دعا فرمایئے، تو کیا قرآن کے وعدے کے مطابق یہ دعا پوری نہ ہوگی؟

جب بیبیاں ناراض ہوئیں، تو پروردگار نے اک عجیب سا جملہ فرمایا۔ فرمایا، دیکھو بھئی میرے پیغمبر، میرے دوست گھبرا نہیں۔ اگر یہ بیبیاں تم سے علیحدگی چاہیں، تو انہیں مال و دولت دے کر رخصت کردو اور ذرا غور کیجیے گا ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما وان تظھرا علیہ فان اللہ ھو مولہ وجبریل اپنے بعد ھو مولہ و جبریل و صالح اللمومنین والملائکۃ بعد ذلک ظھیر (پ ۲۸، س التحریم، آیت ۴) میں، میرے فرشتے، صالح مومنین، بعد میں آنے والے، پھر ملائکہ سب تیرے ساتھ ہیں۔ کیا جملہ فالتو نہیں لگتا؟ کیا یہ بعد کا جملہ تکنیکی لحاظ سے فالتو نہیں لگتا؟ یہ جو کہہ دیا کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ بعد کے جملے کچھ ایسے نہیں لگتے کہ یہ اللہ میاں نے کیا کہا؟ میں ھو مولہ و جبرئیل جبرئیل کا کیوں تذکرہ؟ جبرئیل اور بعد میں آنے والے ملائکہ، صالحین و مومنین کیا کوئی بڑی مدد ہیں؟ اللہ سے تو بڑی مدد نہیں ہیں۔ جب اللہ نے پیغمبر کو کہہ دیا، میں تیرے ساتھ ہوں، تو بات ختم ہو جاتی ہے۔

مگر اس جملے کو ذرا اس طرح ترجمہ کر کے دیکھیں کہ پیغمبر آپ پریشان نہ ہوں۔ میں اور میرے تمام وسائل آپ کے ساتھ ہیں، تو جملہ بامعنی بھی ہو جاتا ہے اور مطلب بھی خوب نکل آتا ہے۔ خداوند کریم ہمیں کبھی توفیق نہ دے کہ ہم اپنے پیغمبر کے علم و دانش اور ان کے فضائل پر اعتراض کریں۔ ایک ولی اللہ نے بڑی خوبصورت بات کہی تھی کہ خدا کی قسم آج تک ساری زندگی پتہ نہ لگا کہ نفس کے فریب کتنے ہیں اور محمد رسول اللہؐ کے مقام کتنے ہیں۔

ایک بات کی تھوڑی سی وضاحت کہ بعض باتیں ایسی کیوں لگتی ہیں کہ بظاہر پیغمبر نہیں جانتے تھے یا بعض باتیں ایسی کیوں لگتی ہیں کہ پیغمبر سے کوئی خطا سرزد ہوئی۔ بڑی اہم سی بات ہے۔ اصل میں پیغمبر ایک مکمل کنٹرول یونٹ ہوتا ہے۔ پیغمبر اپنے لیے نہیں ہوتا، یہ ایک مکمل گائیڈڈ یونٹ ہے۔ اس کا ہر عمل اس کی اپنی ریفرنس سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس کے تمام اعمال اس کی پیروی کے ریفرنس سے دیکھے جاتے ہیں۔

ہر قدم، جو وہ اٹھائے گا، اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ خلق تک اس کے کیا نتائج پہنچائے جا رہے ہیں۔ ہمارے رسولؐ کی بڑی بات یہ ہے کہ ان کو ایک ٹیکسٹ بک قرآن کی صورت میں دی گئی۔ اللہ کے اپنے پیغمبر کے لیے سخت آرڈر یہ تھے کہ وہ اپنی ٹیکسٹ بک سے باہر نہیں جا سکتا۔ آپ کی تمام زندگی ایک ایک حرف، ایک ایک لفظ اور ایک ایک لمحہ کنٹرولڈ ہے۔ آپ سے جو کچھ بھی سرزد ہوگا، اس کے سبق خلق تک پہنچ جائیں گے۔ ایک دفعہ جبریلؑ نہ آئے، تو حضورؐ نے فرمایا کہ جبریلؑ تم زیادہ آیا کرو۔ ہمیں تم سے ملنے کا بڑا شوق ہے۔ فرمایا رسول اللہؐ! آپ بھی پابند الٰہی ہیں، میں بھی پابند الٰہی ہوں۔ میں اللہ کی مرضی کے بغیر ہل بھی نہیں سکتا۔ جیسے آپ سے کوئی عمل سرزد ہو نہیں سکتا، اسی طرح میں بھی خدا کی مرضی سے آتا جاتا ہوں۔ میں کسی اور چیز کا مستحق یا کسی اور آرڈر یا خواہش کے تسلط میں نہیں۔

اسی طرح ایک دفعہ حضورؐ نے کھجور کے معاملے میں بظاہر لگا کہ خطا کی اور لوگوں کا خیال یہ ہے کہ رسول کو پتہ نہیں تھا کہ کھجور کی یہ فصل کیسی ہے۔ خدا کی قسم! اتنا بڑا اصول رسول اللہؐ نے مسلمانوں کو یہ بخشا کہ پیروں فقیروں کی دعاؤں سے اپنے ٹیکنیکی پراجیکٹس کو طے نہ کیا کرو۔ رسول اللہؐ نے اس خطا میں شریک ہو کر لوگوں تک ایک پیغام پہنچایا کہ انسانی زندگی اور تجربہ کو کبھی نظر انداز نہ کرو۔ اگر ایک چیز تمہارے ہاں ہزاروں سالوں سے چلی آ رہی ہے تو ایک پیر کی دعا نہ لو کہ وہ تجربہ الٹ جائے۔ ورنہ تمام علوم و فنون غلط ہو جائیں گے اور کسی وقت بھی کوئی معجزاتی کرشمے کی تلاش میں ساری دنیا پیچھے رہ جائے گی۔ جیسے آج کی پوری کی پوری قوم ہر میدان میں معجزے کا گمان کرتی ہے۔ حالانکہ حالات وہی ہیں، جو پہلے تھے۔ ابھی بھی ہم کردار و اخلاق میں ویسے ہی ہیں، جیسے پہلے تھے۔ اس طرح دیگر معاملات میں جو بظاہر آپ کو رسول اللہؐ کا ہلکا پھلکا سا انحراف لگتا ہے، وہ انحراف نہیں ہے۔ مثال کے طور پر رسول اللہؐ آپ کو وہ بات غیب کی کیوں بتائیں گے، جس کے بتانے سے یہ گمان ہو کہ اللہ سے آزاد بھی کوئی رہ رہا ہے۔ رسولؐ اتنے مکمل کنٹرول میں ہیں کہ ان کے منہ سے کیا بات نکلے گی، جو اللہ کے بغیر نکلے۔

وسیلہ کی تعریف

وسیلہ کی تعریف یہ ہے کہ ایسے تمام عوامل جو کسی شے یا کسی شخص کی استعداد میں اضافہ

کر کے اسے مقصد کے حصول کے قابل کریں، اسے ہم وسیلہ کہتے ہیں۔ وسیلہ کبھی خیر اور کبھی شر کا ہوتا ہے۔ وسیلے پر اچھے برے کی کوئی قید نہیں۔ یہ ضرورت نہیں کہ خیر ہی وسیلہ ہو۔ کبھی خدا کی طرف سے شر وسیلہ بن جاتا ہے اور کبھی ایسی چیزیں وسیلہ خیر بن جاتی ہیں، جن پر ہم سہوات کا گمان کرتے ہیں۔ حضرت فضائل بن ایاز ڈاکو تھے۔ لوٹ مار کرتے تھے۔ ڈاکہ مارتے ہوئے ایک خیمے کے پاس سے گزرے، تو انہیں اندر سے قرآن شریف کی تلاوت کی آواز سنائی دی۔ وہیں ہر چیز سے توبہ کی اور اپنے وقت کے بہت بڑے استاد اولیا بھی ہوئے اور ولی حق بھی۔ اگر وہ ڈاکہ نہ مارتے، تو یہ صورتحال شاید کبھی پیدا نہ ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن مبارک بہت بڑے محدث، فقیہ اور بہت بڑے اللہ کے ولی تھے۔ انہیں گانا سننے کا بڑا شوق تھا۔ روزانہ طوائف کے پاس جا کے کھڑے ہوتے۔ استطاعت زیادہ نہ تھی۔ گانا سننے کے لیے نیچے کھڑے ہو جاتے۔ ایک دن ساری رات نیچے کھڑے رہے۔ دروازہ کھل نہ سکا۔ کھڑے کھڑے صبح کی اذان ہوئی۔ جب اذان ہوئی، تو عبداللہ بن مبارک نے اپنے آپ سے کہا، اے بدبخت! ایک ناقص عورت کا گانا سننے کے لیے ساری رات گزار دی اور اپنے اللہ کے لیے دو لمحے نہیں کھڑا ہو سکتا۔ تب ان کے حالات تبدیل ہوئے۔ وہ بہت بڑے مراتب پر فائز ہوئے۔

وسائل ضروری نہیں کہ سارے خیر سے نکلیں۔ قرآن شریف میں خدا کہتا ہے کہ خیر و شر دونوں فتنہ ہیں۔ وسائل میں اللہ کی طرف سے بعض اوقات شر اور بعض اوقات خیر وسیلہ بن جاتا ہے۔ یہ تمام وسائل اللہ کی طرف لانے کی کوشش ہیں۔ فرض کیجیے، ایک آدمی بڑا منافق اور ظالم ہے۔ ٹی وی پر کسی مقرر کی کسی بات سے متاثر ہو گیا۔ اس نے کوئی ایسی بات کہی ہے جو رقت قلب یا اس کی کیفیت میں اس کے لیے وسیلہ تقرب بن سکتی ہے۔ چنانچہ اوور آل وسیلہ کی تعریف میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے تمام عوامل جو کسی شے یا شخص کی استعداد کو مقصد کے حصول کے لیے مکمل کرتے ہیں، ہم اسے وسیلہ کہتے ہیں۔

وسیلے کے لیے جدوجہد

قرآن حکیم میں اللہ میاں کے فرمان کے مطابق وسیلے کے لیے تھوڑی بہت جدوجہد

کرنی پڑتی ہے اور اس کے لیے نیت میں ذرا سا اخلاص ضروری ہے۔ شیطان نے جب یہ کہا کہ میں تیرے بندوں کو اوپر سے، نیچے سے، دائیں اور بائیں، ہر طرف سے بہکاؤں گا، تو اللہ نے کہا، ٹھیک ہے۔ میں نے تیرا اور تیرے ساتھیوں کا حصہ جہنم میں لکھ دیا ہے۔ الا عبـــاد اللـــہ المخلصین (پ۲۳، س الصافات، آیت ۱۶۰) مگر وہ بندے جو میرے ساتھ اخلاص برتیں گے اور مخلص ہوں گے، ان کو تو کچھ نہیں کر سکے گا۔

بظاہر ہم بڑے گنہگار ہوں۔ کم تر محسوس کر رہے ہوں اور بوجھل ہوں۔ مگر اگر ہمارے دل میں خدا اور رسولؐ کے لیے ذرا سی محبت اور اخلاص موجود ہے، تو زندگی کے کسی نہ کسی لمحے میں ہمیں پروردگار عالم ہماری منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے اشتیاق میں دو چار دس جعل سازوں کے ہاتھ بھی چڑھ جائیں۔ مگر یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ آپ خدا کی تلاش کر رہے تھے یا قوتوں اور معجزوں کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ جسے خدا کو تلاش کرنا ہے، وہ دل کو تھوڑا سا دیکھ لے، پہچان لے کہ میرے دل میں اللہ کی آرزو ہے یا معجزات کی تمنا ہے۔ میں کوئی معجزاتی کام دیکھنا چاہتا ہوں یا یا ورز طلب کر رہا ہوں، اس کو خود بخود پتہ چل جائے گا کہ اس کی طلب کیا ہے اور کیا منزل ہے۔ لیکن یہ یقینی بات ہے کہ جس کو اللہ کی آرزو ہے، اللہ اس کو منزل تک ضرور پہنچا دے گا۔ خواہ وہ کے۔ایل۔ گابا ہو یا تبت کا لاما، اینا ماری شمل یا ڈاکٹر فاطمہ بارکر ہو، جس کے دل میں خدا کی آرزو پیدا ہوئی، وہ اپنے اللہ تک کسی نہ کسی طریقے سے ضرور پہنچ جائے گا۔

وسیلے کی حد اور شرک

بڑا خوبصورت سوال ہے۔ ابن عباس سے کسی نے پوچھا، شرک کیا ہے؟ فرمایا، کسی سے پانی کا گلاس مانگنا بھی شرک ہے۔ اگر انسان شک وشبہ میں نہ پڑے اور باوجود اس کے کہ ہمارے دلوں میں رسولؐ کے لیے بے حد انس ومحبت ہے، ایک سوال تو آپ سب اپنے آپ سے کر سکتے ہیں کہ آپ رسولؐ کو کیا سمجھتے ہیں؟ کیا آپ انہیں خدا سمجھتے ہیں؟ جب وہ نہیں ہیں، تو نہیں ہیں، آپ کے عقیدے میں ایک وضاحت ضرور ہونی چاہیے اور یہ بالکل واضح ہونا چاہیے کہ مخلوق ہر حال میں مخلوق ہے اور خالق ہر حال میں خالق ہے۔ خالق کے لیے کوئی چیز ناگزیر نہیں ہے۔ بخدا وہ چاہتا، تو وہ بہت سارے محمد رسول اللہؐ اور بے شمار موسیٰ وعیسیٰ پیدا کر لیتا۔ اس نے نہیں چاہا۔ اس نے ایک ہی

محمدؐ کو چاہا۔ اس کی رضا ہے۔ وہ اپنے پروٹوکول کوسختی سے قائم کرتا ہےاور اس فرق کے ساتھ ہمیں بھی قائم کرتا ہے کہ

با خدا دیوانہ باشد با محمد ہوشیار

اللہ سے لڑنا ہے، تو لڑ لیا کرو، جھگڑ لیا کرو۔ دو اس سے سنو، دو اپنی کہو۔ کچھ اپنا گریباں چاک کچھ دامن یزداں چاک۔ مگر خیال رہے محمد رسول اللہؐ کی شان میں کوئی گستاخی نہ ہو۔ اس لیے کہ وہ ہمارا پروٹوکول ہے۔ اللہ پر ہمارے کسی طعنے، کسی لفظ کا اثر نہیں ہوتا۔ مگر اگر ہماری کسی ناقص بات کا چہرۂ رسولؐ پر انقباض آ جائے، تو اللہ آپ کو نہیں چھوڑے گا۔ قرآن حکیم میں اللہ نے کہا کہ اے لوگو! اللہ کے نبی کے سامنے آوازیں بلند نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے آواز بلند کرنے سے تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں۔ اولیک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ (پ۲ س البقرہ، آیت ۲۱۷) ایسا نہ ہو، تم جہنم میں صرف اس لیے ڈال دیئے جاؤ کہ تم نے رسول اللہؐ کے مقابلے میں آواز بلند کی۔

ایک صحابی جن کی آواز قدرتاً بلند تھی۔ جب انہوں نے قرآن کی یہ آیت سنی، تو وہ اپنے گھر چلے گئے۔ دروازہ بند کیا اور اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ لیا۔ رویا کئے۔ جب دھاڑیں مارنے کی آواز باہر آئی، تو لوگ بھاگے۔ دیکھا کہ عمرو بن معدی کربؓ ہے۔ اس خوف سے مر رہا ہے کہ میری تو آواز اونچی ہے۔ میں رسول اللہؐ کے سامنے جا ہی نہیں سکتا۔ جاؤں گا، تو میری آواز اونچی ہو جائے گی۔ حضور نے سنا، تو مسکرائے اور فرمایا، یہ قرآنی آیت قدرتی اونچی آوازوں پر لاگو نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد گستاخانہ فکر اور اللہ کے رسولؐ پر خواہ مخواہ کے اعتراض چننے پر عائد ہوتی ہے۔ اس سے مراد ان کے مقامات گننے، ان کی حدود کا تعین کرنے اور ان کے مقامات علم پر اعتراض کرنے پر لاگو ہوتی ہے۔ اگر آپ اتنے بڑے عالم ہوتے اور آپ کی اتنی بڑی پہچان اور اتنی بڑی شناخت ہوتی، تو اللہ آپ ہی کو ان کی جگہ پیغمبر بنا دیتا۔ مگر جو اس نے چنا، وہ بہترین چنا۔ اسی لیے حسان بن ثابت نے کہا، اے اللہ کے رسول! مجھے تو ایک ہی بات سمجھ آئی کہ جیسے آپ نے سوچا کہ آپ کو بنایا جائے، ویسے ہی اللہ نے آپ کو بنا دیا۔

یہاں شرک اس لیے نہیں ہو سکتا کہ طاقتیں Inherent ہیں اور رسول اللہؐ کی عطائی ہیں۔ یہ تھوڑا سا فرق سمجھ لیں، تو آپ سے قیامت تک شرک نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی تمام قوتیں اس کی

ذاتی ہیں۔محمد رسول اللہؐ کی تمام قوت و بلاغت عطائی ہے۔اگر کوئی سوال یہ ہو کہ رسول اللہؐ کو ساری چیزیں کہاں سے ملیں، تو آپ آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ انہیں اللہ نے عطا کیں۔اگر کوئی پوچھے کہ اللہ کی طاقتیں کہاں سے آئیں، کس نے اسے دیں؟ آپ جانتے ہیں کہ کسی نے اسے نہیں دیں۔خالق اور مخلوق کا فرق یہی سارا بڑا فرق ہے۔جو فرد اس فرق سے آشنا ہے، وہ کبھی بھی غلطی نہیں کر سکتا۔مقام محمدؐ مقام محبت ہے اور مقام محبت اللہ کی بہترین پسند کا مقام ہے۔

حدیث مبارک کے مطابق فرمایا، اے جبریل! یہ منادی کر دے کہ زمین و آسمان میں فلاں شخص میرا دوست ہے جو میرے دوست کے خلاف لڑے گا، میں اس کے خلاف خود لڑوں گا۔ وہ ایک عام دوست کی توہین برداشت نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ محمد رسول اللہؐ کی برداشت کرے، جو غرض و غایت کائنات ہیں۔وسیلہ تخلیق ہیں۔وسیلہ تعلیم، وسیلہ ایمان اور وسیلہ محبت ہیں۔آپ میں سے کتنے لوگ ہیں، جو خدا کی تعریف اس طرح کر سکتے ہیں جیسے محمدؐ کر سکتے ہیں؟ ہر بلا سے بڑی محمدؐ کی بلا تھی۔ہر آزمائش سے بڑی آقائے رسولؐ کی آزمائش تھی۔سب سے بڑھ کر یہ بات کہ جو جزوی طور پر قرآن پیغمبروں کو دیا گیا، وہ پورے کا پورا محمد رسول اللہؐ کو دے دیا گیا۔ایک ایک لفظ کی صداقت اس نے اپنے اعمال سے ظاہر کی۔ایک ایک عمل کے لیے انہوں نے اپنی زندگی کے اوقات و لمحات اللہ کی راہ میں تج دیئے۔

یہ تو وہ شخص ہیں کہ جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا، یا رسول اللہؐ جب اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے، تو پھر آپ کیوں مشقت اٹھاتے ہیں؟ فرمایا، عائشہ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ یہ تو بندگی کا کمال ہے۔حسن سلوک کی معراج ہے۔ یہ وہ رومانس ہے جو زمین و آسمان پر مشہور ہے۔ یہ بڑا رومینٹک تعلق ہے۔ مجھے تو خدا پر حیرت ہے آپ رسول اللہ کی بات کرتے ہیں۔رسول اللہ کے وجود کرم سے اتنا تو ثابت ہوا کہ اللہ کے دل میں بھی کوئی محبت کا گوشہ ہے۔ورنہ اس طاقت کے معیار پر محبت کا نام و نشان بھی جرم ہوتا ہے۔شکر ہے کہ رسول اللہؐ کے وجود مبارک سے ہمیں یہ پتہ چلا کہ اللہ بھی کسی بارے میں نرم گوشہ رکھتا ہے۔

اولیاءاللہ وسیلہ کس طرح

میں نے بہت ساری احادیث وقت کی کمی کی وجہ سے نقل نہیں کیں۔ حضورؐ ہم میں موجود نہ ہوں گے، جب قیامت آ رہی ہوگی۔ اس وقت شاید ہم بھی موجود نہ ہوں۔ قیامت جو آ رہی ہوگی اور قیامت نہیں آئے گی۔ حضور یزداں یہ پوچھا جائے گا کہ جی آپ قیامت لا کیوں نہیں رہے؟ چھا رب لوگ تو کافر ہیں۔ بدتمیزی پر اتر آئے ہیں۔ تجھے مانتے نہیں ہیں۔ تجھ سے سرکشی کر رہے ہیں۔ یہ منکر قوم تباہ کیوں نہیں ہو رہی یا خدا؟ یہ تو اتنی بڑی Wastage کیوں کر رہا ہے؟ تجھے نہیں، لیکن ہمیں غصہ آ رہا ہے کہ اتنی ساری دنیا میں اتنے سارے لوگوں میں سے تیرا نام لینے والا کوئی نہیں ہے، تو قیامت کیوں نہیں لا رہا؟ اللہ کہے گا، اپنے رسول سے پوچھ لو کہ کیوں نہیں قیامت لا رہا؟ تو ہم رسول اللہؐ سے پوچھیں گے، یا رسول اللہؐ قیامت کیوں نہیں آ رہی؟ فرمایا، جب تک زمین پر ایک بھی شخص اللہ اللہ کہنے والا موجود ہے، قیامت نہیں آئے گی۔ اس وقت تو حضور نہ ہوں گے۔ بڑے بڑے اولیاء بھی گزر گئے ہوں گے۔ مگر جب تک اخلاص قلب سے ایک شخص بھی اللہ کو یاد کرنے والا زمین پر ہوگا، قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت، بنجر، ویران، مردہ تن اور بدسرشت لوگوں پر آئے گی، جو اللہ سے مکمل آگاہ نہ ہوں گے۔ صرف جبلی شعور سے آشنا ہوں گے۔ جو جانوروں اور پرندوں کی طرح زمین پر زندگی بسر کریں گے۔ مگر ان میں اگر ایک اللہ اللہ کرنے والا بھی نکل آیا، تو قیامت قائم نہیں ہوگی۔

حدیث رسولؐ ہے کہ اتنا خدا کو یاد کر کہ تیرا دل ایک ویرانے کی طرح ہو جائے اور اس ویرانے میں ایک چراغ اللہ کی یاد کا جلتا ہوا ہو۔ اور اتنا اللہ کو یاد کر کہ لوگ تجھے پاگل سمجھنا شروع کر دیں۔ جب اتنا اللہ کو یاد کرنے والا شخص آگے بڑھے گا، تو سوال یہ ہے کہ اس کا زمین و آسمان میں کچھ مقام بھی تو ہوگا؟ وہ کس حیثیت کا شخص ہوگا، جو اس قدر بے چینی، اضطراب، قلبی خشوع اور خضوع سے اللہ کو یاد کر رہا ہوگا۔ آخر اس کا بھی کوئی لحاظ تو اللہ کے نزدیک ہوگا؟ اللہ کہتا ہے کہ اے پیغمبر! کہہ دے کہ میں اس شخص کی دعا کے عوض بارش برساؤں گا۔ میں زمین پر اس کی وجہ سے زرخیزی لاؤں گا۔ اسی کی وجہ سے میں زندگیاں بڑھاؤں گا۔ اسی کی مخالفت میں میں لوگوں کو تباہ و برباد کروں گا۔ یہ شخص ہے، جو محور زمین ہے۔ خلیفۃ الارض ہے۔ جس کی سرشت پاک کے عوض خدا

ترتیب نظام اوقات رکھتا ہے۔ جب یہ ختم ہوگا، تو قیامت آ جائے گی۔

اس لیے ہمارا اور کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ شاید دنیا اور جہان میں خدا کے دوستوں کی کمی ہے۔ ورنہ ابھی پچاس سال پہلے بہت سارے نہیں، تو دس بیس تو اللہ کے ایسے بندے موجود تھے جن پر لوگ اچھا گمان کرتے تھے۔ وہ اس گمان کے اہل تھے۔ وہ خدا کے بندوں کو سکون اور طمانیت کی دولت عطا کرتے تھے۔ آج کے اتنے مضطربانہ عہد میں اور خوف، بے چینی اور اضطراب کے اس زمانے میں اگر کوئی شخص آپ کو ایک شمہ برابر بھی سکون بخش جائے تو وہ اللہ کے ولی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

محمدؐ، احمدؐ اور مقام محمود

مقام محمود، مقام وسیلہ، مقام شہادہ علیحدہ علیحدہ Convocations ہیں۔ وسیلہ، انسٹرومنٹ اور ایک انسٹی ٹیوشن ہیں۔ اس کا ایک رخ شہادہ اور ایک رزق کا ہے، جیسے تمام کائنات میں وسائل کے ذریعے رزق بٹتا جا رہا ہے۔ مقام محمود ان دونوں میں ذرا سا اس لیے جدا ہے کہ یہ خدا کی تعریف کا مقام ہے۔ محمود کا مطلب ہے، جس کی تعریف کی گئی۔ زمین کے لوگ رسول اللہؐ کو محمد اور احمد کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یعنی زمین پر وہ تعریف کیا گیا ہے، جبکہ آسمان پر وہ تعریف کر رہا ہے اور کرنے والا ہے۔ خدا ان کے دونوں کے عوض جو مقام رسول اللہؐ کو لوٹائیں گے، وہ مقام محمود ہے یعنی سب سے احسن، اعلیٰ ترتعریف کا حقدار اور سب سے زیادہ خدا کی محبت کا جاننے والا، انس رکھنے والا، اللہ کی تعریف میں یکتا اور اللہ کی تعریف میں دوسروں سے قطعاً مختلف۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ تمام اہل قدیم کے صحائف اور تمام کتب ہائے زبور وانجیل پڑھ لیجیے، ان کے مقابلے میں جس لہجے میں رسول اللہؐ نے خدا کی تعریف کی ہے، پہلے کبھی نہیں کی گئی نہ بعد میں کبھی کی جائے گی۔ یہودیوں کی کتابوں میں یہوواہ کو گاڈ آف اسرائیل کہتے ہیں۔ ''ہسٹری آف ریلیجن'' کے مصنف کو اٹھا کے دیکھ لیجیے، مذہب کے جہاں تک نقوش دکھائی دیتے ہیں، تمام خاندانوں، قبیلوں اور قوموں نے اللہ کو ایک انفرادی اور مقامی تصور کیا۔ سوائے اسلام اور اللہ کے رسول محمد رسول اللہؐ کے، جنہوں نے خدا کا تصور بین الکائناتی، مکمل اور ایک حتمی ہستی کے طور پر پیش کیا، جو جزوی آثار میں قید نہیں ہے۔ میرے خیال میں اللہ کے صحیح مقام کی وضاحت یا ان کی توجیح

صرف رسول اللہؐ نے کی ہے۔ اس لحاظ سے صرف اسلام ہی بین الاقوامی مذہب ہے۔

شفاعت سے محروم کون

حضورؐ کا شفاعت کے لیے تین مرتبہ اٹھنا تو راز و نیاز میں شامل ہے۔ کبھی کبھی میرے دل میں آتا ہے، اللہ کو پتہ بھی ہے کہ رسول اللہؐ نے تین مرتبہ اٹھنا ہے اور میں نے تینوں مرتبہ بخشنا ہے، تو بھلا پہلے ہی کیوں نہ سب کو بخش دیا۔ جتنے سوال اللہ کے رسولؐ پر آئے، ویسے ہی قریباً اللہ پر آتے ہیں۔ مگر چونکہ سارے سسٹم اللہ ہی کے تخلیق کردہ ہیں، میں پوچھوں کہ یہ سسٹم اس طرح کیوں ہے؟ وہ سسٹم ایسا کیوں ہے؟ خدا ان سے آزاد بھی تو سارے کام کر سکتا تھا؟ جیسے جنگ بدر میں اللہ نے کہا، میں تمہاری خود بھی مدد کر سکتا تھا۔ مجھے ملائیکہ وغیرہ کے بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر میں نے تمہارا دل رکھنے کی خاطر ان کے خلاف ملائیکہ کی مدد بھیج دی، جنہوں نے تمہارے ساتھ جنگ کی تھی۔ یہاں بھی بالکل اسی قسم کے اصولوں کا اعادہ ہوتا ہے۔

چنانچہ پہلی مرتبہ رسول اللہؐ اٹھیں گے تو اللہ کہے گا، اے نبی! میرے دوست جاؤ، جو کچھ آپ نے چھڑانا ہے، چھڑا لاؤ۔ آپ چھڑا کے لے آئیں گے۔ پھر عرض کریں گے، یا رسول اللہؐ ابھی کچھ لوگ امت کے باقی ہیں۔ آپؐ پھر اٹھیں گے۔ پھر تعریف خداوند کریں گے۔ اس میں آپ کو راز کی بات بتاؤں۔ اللہ میاں، ہو سکتا ہے، کچھ لوگ رسول اللہؐ کو شفاعت کرتے وقت بھلا دیتے ہوں۔ اس بھلانے کی مصلحت بتاتا ہوں۔ پروردگار کی تعریف و توصیف کے بعد فرمایا گیا، تو نے مجھ سے مقام شفاعت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا اور کہا تھا کہ میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ فرمایا، ہاں میں نے وعدہ کیا تھا، شفاعت فرمائیں گے۔ تو فرمایا میرے کچھ لوگ ابھی باقی ہیں۔ حکم ہوگا کہ جہنم میں یہ یہ جو لوگ ہیں، نکال لاؤ۔ پھر جب تیسری مرتبہ رسول اللہؐ کو پتہ چلے گا کہ ابھی بھی کچھ لوگ باقی ہیں، تو پھر کہا جائے گا، یا رسول اللہ! ابھی کچھ اور لوگ باقی ہیں۔ حضورؐ کو پھر یاد آئے گا۔ آپؐ خداوند کے حضور دست بستہ عرض فرمائیں گے، یا پروردگار عالم! مقام شفاعت کے بارے میں آپ کا وعدہ ابھی پورا نہیں ہوا۔ فرمایا ان اللہ یا یخلف المعیاد (پ۳، س آل عمران، آیت ۹) ہم وعدہ بالکل پورا کریں گے۔ آپ بتائیں، کیا کہتے ہیں۔ پروردگار! ابھی کچھ لوگ باقی ہیں۔ اچھا جاؤ، ان کو بھی نکال لاؤ۔

تو تین دفعہ حضورؐ شفاعت کے لیے کھڑے ہوں گے۔ تین دفعہ مختلف گروہ جہنم سے آزاد کیے جائیں گے۔ لیکن کبھی آپ نے یہ سوچا کہ ایک ہی دفعہ کیوں نہیں؟ بات یہ ہے کہ کچھ لوگ دس ہزار سال کی سزا کے مستحق ہوں گے۔ کچھ بیس ہزار سال اور کچھ تیس ہزار سال کے۔ پہلی مرتبہ ان کو بلائے گا، جن کی سزا دس ہزار سال تھی۔ تیسری مرتبہ ان کو بلائے گا، جن کی سزا تیس ہزار سال تھی۔ شفاعت تو مقرر ہے۔ اس میں ایک تو حکمت الٰہی پوری ہو جائے گی۔ دوسرا اللہ کے رسول کا وعدہ پورا ہو جائے گا۔

چوتھی مرتبہ رسول اللہؐ پھر کھڑے ہوں گے کہ ابھی بھی کچھ لوگ باقی ہیں۔ اللہ فرمائے گا، اے میرے رسولؐ! میں نے تجھ سے جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا کر دیا ہے۔ اب تیری امت کے جو لوگ تجھے جہنم میں نظر آتے ہیں، ان میں اور تیری شفاعت میں کتاب حائل ہے۔ وہ لوگ، جو بظاہر مسلمان نظر آتے ہیں اور مسلمان گنتے تھے، مگر مسلمان نہ تھے۔ یہ وہ منافق مسلمان ہیں، جو خدا کے تمام احکام سے زیادہ سیکولر قدروں کو حیثیت دیتے تھے۔ اس لیے اب وہی لوگ رہ گئے ہیں، جنہیں قرآن نے روک رکھا ہے۔ یہ قرآن کافروں، مشرکوں اور منافق مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب ہے۔ ان میں اب تیرا کوئی بندہ نہیں۔ یہ تجھے مسلمان گنتے ہیں، لیکن یہ یا منافق ہیں یا مشرک یا کافر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جن کو شفاعت فائدہ نہیں دیتی۔

شناختِ منزل

شناخت منزل سے مراد یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی گزارنے نکلیں اور اپنے مقام حیات کی ابتداء سے انجام تک ہم یہ چاہیں کہ اپنی زندگی قرینے، سلیقے اور خیر سے گزاریں، تو ہمیں سب سے پہلے اس رہبر اور اس تعلیم دینے والے کا نشان ڈھونڈنا پڑتا ہے، جو ہمیں آرام و سکون اور عافیت کے ساتھ اس منزل دارفتن سے گزار دے اور ہمیں اپنی قبر کے دہانے تک امن سے پہنچا دے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا، بہت سارے لوگ آگ کے گڑھے کے گرد جمع ہیں۔ اس میں ٹوٹ پڑنے کی کوشش کر رہے ہیں اور میں جبراً انہیں کمر سے کھینچ کھینچ کر پیچھے کر رہا ہوں۔ یہ حال اس استاد کا ہے، جس کی تمام زندگی اپنے لوگوں کے لیے ڈرتے، خوف کھاتے اور خدا سے آرزو کرتے ہوئے گزر گئی۔ فرمایا، تمام انبیاء نے اپنی دعا میں جلدی اور میں نے اپنی دعا کو اپنی امت کے لیے چھپا لیا۔ جب آخر زماں آئے گا، روزِ محشر ہو گا۔ جب قیامت ہو گی اور میں مقام شفاعت پر رکھا جاؤں گا، تو پھر میں اپنی دعا کو خدا کے حضور پیش کروں گا۔ اس دعا کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے دل سے ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہا، اے پروردگار! تو اس پر دوزخ کو حرام کر دے۔

جب انسان کی عقل ابھی بلوغت کو نہ پہنچی تھی۔ جب شعور ابھی پختہ کار نہیں ہوا تھا، تو خدا کو انسان کو سبق سکھانے کے لیے ایسے طریقوں کی ضرورت پڑی، جنہیں ہم معجزات، خارق عادت اور محیر العقول کام کہتے ہیں۔ جب انسان یہ دیکھتا تھا کہ اس کی استطاعت میں کوئی کام کرنا

نہیں یا اس کی عقل وفراست میں کوئی وجہ اس کام کے ہونے کی نہ نظر آتی ہو، تو خدا وہ کام کر کے بتایا اور لوگ یہ یقین کرتے کہ جب ہم ایک کام نہیں کر سکتے، تو ہم سے کوئی بالا قوت یہ کام کر سکتی ہے۔ اس کا نام اللہ یا خدا رکھا جاتا ہے۔ تمام معجزات بنیادی طور پر اس کم عقل اور شعور معاشرے کے لیے ایک دلیل کی حیثیت رکھتے تھے۔ جن کے نزدیک خدا کا اقرار یا انکار کوئی حیرت انگیز واقعہ پر مبنی ہوتا ہے، وہ اگر کسی غیر مرئی قوت یا کسی بالائی طاقت پر یقین رکھتے ہیں، تو اس واقعہ کی وجہ سے یقین رکھتے ہیں، جو ان کی عقل و دانش میں نہ آئے۔ جسے وہ اپنی تمام تر انسانی قوتوں سے سرانجام نہ دے سکیں۔

اسی لیے جب پروردگار عالم نے یہود کا مسلسل انکار اور ان کی اطاعت سے ان کا گریز دیکھا، تو ان کے سروں پر طور پہاڑ اکھاڑ کے کھڑا کر دیا اور کہا، اب بتاؤ؟ اگر تم میری بات نہ مانو گے، تو یہ پہاڑ دیکھتے ہو، تم پر گر جائے گا۔ چنانچہ ان حجت آزماؤں نے جب یہ دیکھا کہ اتنا حیرت انگیز اور خوفناک واقعہ ہم میں سے کسی فرد کے بس کی بات نہیں کہ پہاڑ اکھاڑ دے۔ سو ایک ایسی ذات بھی ہو سکتی ہے، جسے موسیٰ اللہ کہہ رہا ہے۔ رب اور خدا کہہ رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جبراً اطاعت قبول کی۔

مگر اللہ نے جبراً اطاعت کے لیے انسان کو پیدا نہیں کیا نہ معجزات کے لیے انسان کو پیدا کیا تھا۔ جب تک ان میں شعور کی کمی تھی۔ معاشرہ جبلی اقدار کا حامل تھا اور جب تک ان کے ہاں ہوش اور شعور کی کمی تھی، خدا معجزات کا سہارا لیتا رہا۔ اللہ کو ضروری محسوس ہوا کہ وہ ان کے لیے ان کی جبلی قدروں کے پیش نظر یہ انداز اختیار کرے۔ کچھ ان میں حیرت اور خوف پیدا کرے۔ مگر یہ طریق اللہ کے نزدیک مناسب ترین طریقہ نہ تھا۔ پرانے انبیاء میں معجزات کی کثرت ملتی ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تمام زندگی پیدائش سے لے کر آسمان پر اٹھائے جانے تک معجزات سے بھرپور ہے۔ کہاں کوڑھیوں کو ٹھیک کرنا، مردوں کو زندہ کرنا، بے جان میں جان ڈالنا اور کہاں اتنے سارے ہنگاموں میں لوگوں سے صرف ایک اقرار لینا کہ انا ھدینہ السبیل و اما شاکراً و اما کفورا (پ ۲۹، س الدہر، آیت ۳) اگر تم یہ سارے شواہد دیکھ کے بھی ایک سادہ سی بات نہ کہہ سکو کہ اللہ ہے، تو پھر ان معجزات کا کیا فائدہ؟

مگر معجزات میں ایک پرابلم بھی تھا۔ خدا کہتا ہے، میں دو علم ایک ہی جگہ سے اکٹھے

شروع کرتا ہوں۔ پھر جس میں حضرت انسان کا فائدہ ہو۔ اس کے لیے فضل ہو اور اس میں حضرت انسان کو کافی دور تک اس کی نسلوں کو فوائد پہنچیں، وہ انسان کے لیے رکھ چھوڑتا ہوں۔ فرمایا پروردگار عالم کے رسولؐ نے کہ اللہ پہلا عالم ہے۔ اللہ سب سے بڑا فیاض ہے اور سب سے بڑی فیاضی اللہ کی یہ ہے کہ اس نے انسان کو قلم اور علم عطا کیا۔ پھر سب سے بڑا عالم میں ہوں، جس نے تمھیں آگ سے بچنے کے اصول دیئے۔ جس نے تمھیں جنت میں داخلے کے اصول دیئے اور میرے بعد وہ عالم سب سے بڑا عالم ہے، جو لوگوں کو خدا کے لیے علم دے۔ خدا کے لیے تعلیم دے اور ان سے صلہ نہ طلب کرے۔

اس عالم اول نے انسانوں کو بنائے عقل دیتے ہوئے جو حصہ انسانوں سے لے لیا، وہ معجزات تھے۔ وہ اس لیے لے لیا کہ یہ معجزات اور جادوگری کی سوچ اکٹھی تھی۔ سحر اور جادوگری بھی حیرت انگیز کام سرانجام دیتے۔ اگر معجزات کا سرچشمہ خدا کی ذات تھا، تو جن اور بھوت بھی جس چیز کا علم حاصل کر کے لوگوں کو فریب ذات دیتے تھے یا لوگوں کے ساتھ دھوکہ کرتے تھے، بنیادی طور پر اس کی بھی تخلیق اللہ ہی کے پاس تھی۔ مگر سحر صرف اور صرف اس لیے تخلیق کیا گیا کہ یہ لوگوں کے ایمان، راستی اور عقل کی آزمائش تھی۔ قرآن میں ہے کہ اللہ کے پیغمبر کفر نہیں کرتے تھے۔ وہ جو تعلیم دیتے تھے، ان کے پاس حیرت انگیز کمالات تھے۔ جانوروں کی زبان سننے کا ملکہ تھا اور ان کے پاس تسلیم ورضا تھی۔ ہواؤں کو مسخر کرنا اور ان کی جنات پر قوت تھی۔ یہ سب اللہ کی مدد سے تھی۔ اللہ کے لیے تھی اور اللہ ہی کے لیے وہ استعمال ہوئی۔

مگر اس معاشرے کے لوگ اپنے اختیارات کی خواہش کو اتنا بڑھا چکے تھے کہ جب خداوند کریم نے دوسری سمت اور اس دوسری طرز جہالت کو ان کے لیے پیش کیا، تو بجائے صحت مند عقلی افتخار کے جاہلانہ روش کی طرف مائل ہوئے۔ اگرچہ ملائکہ انہیں یہ کہتے تھے کہ خبردار! ہم نے اس لیے نہیں ہاروت وماروت کو نازل کیا تھا کہ خدا کی طرف سے لوگوں کو سحر سکھائیں، بلکہ اس لیے نازل کیا تھا کہ دیکھو، یہ ایک ناقص چیز ہے جو خدا کی راہ سے تمھیں بہکا دیتی ہے۔ یہ ایک غلط طرز عمل اور غلط طرز فکر ہے۔ جادو کی رغبت رکھنا، سحر کی فکر کرنا، سحر کی سمت جانا بہتر انسانوں کا شیوہ نہیں ہے۔ یہ تمھیں یقیناً خدا کے راستے سے بہکا دے گی۔ اس لیے اس کی طرف نہ جانا اور اگر جانا ہوا، تو کفر کا ارتکاب لازم ہو جائے گا۔ اگر تم اس طرف گئے، تو یقین جانو کہ تم ایمان کو چھوڑ کر کفر

کے رستوں پر جارہے ہوں گے۔ لیکن اس وارننگ کے باوجود وہ علم کی ان ناقص ضروریات کی طرف جاتے تھے۔ حالانکہ پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ اس سحر اور اس جادو کا اس کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا کہ بھولی بھالی عورتوں کو بہکا کر ان کو خاوندوں سے جدا کر دیتے ہیں۔ اس کے اثرات میں میاں بیوی میں فرق ڈال دیتے ہیں۔

مگر کیا جادو اور سحر فراق ڈال دیتا ہے؟ کیا اس میں اتنا علمی کمال موجود ہے کہ خدا کے ہوتے ہوئے اور اس کی بندگی کرتے ہوئے یہ اتنا بڑا فرق ڈال دے؟ ایسا بالکل نہیں ہے۔ بلکہ ایک بنیادی وجہ سحر کے اثر کی یہ ہے کہ جو رحمٰن کے ذکر سے غافل ہوا، اللہ اس پر ایک شیطان کو غلبہ دیتا ہے اور وہ اس کے قریب رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جادو کا بنیادی وصف یہ بتایا کہ تم ایسی بات کیوں سیکھتے ہو، ایسی بات کی طرف کیوں جاتے ہو، جس کا کوئی ضرر ہے نہ کوئی نفع۔ سائیکالوجی کا ایک قانون اعتبارات کا قانون ہے کہ چاہو تو اعتبار کرو، چاہو تو نہ کرو۔

علم اور اعتبار میں بڑا فرق ہے۔ علم اعتبار کرواتا ہے۔ علم کے پاس دلائل، شواہد اور براہین ہیں، تجربات ہیں۔ آپ نہ بھی ماننا چاہو، علم آپ سے حقائق کی بنیاد پر اپنے آپ کو تسلیم کرواتا ہے اور اعتبار کے لیے آپ کو دانستہ اپنے عدم اعتبار کو معطل کرنا پڑے گا۔ اپنے شک وشبہ، تنقید اور اپنے ذہن کے تمام سوالات کو معطل کر کے آپ کو اس بات پر یقین لانا پڑے گا۔ اگر آپ کا شک وشبہ، عقل، دین، خدا پر اعتبار اور اسلام سلامت رہا، تو آپ کسی سحر کاری، کسی جادوگری اور کسی تعویذ اور اس کی کسی نقصان دہ چیز پر اعتبار نہیں کر سکتے۔

اس کی وجہ؟ دیکھو، جو خدا علم کو آپ کی پیدائش سے بہت پہلے شروع کرتا ہے۔ جو مقصد انسان یہ بتاتا ہے کہ ان ھدینہ السبیل اما شاکراً و اما کفورا اب اس کا انجام دیکھیں۔ جب آپ قبر میں جاتے ہیں اور مردہ جانے والوں کے قدموں کی آواز سنتا ہے۔ جب وہ جانے والے اسے رخصت کر کے اپنے عدم کو سدھار جاتے ہیں اور یہ دوسرے عدم کی تیاری کر رہا ہوتا ہے، تو منکر نکیر تشریف لاتے ہیں۔ وہ رسول اللہؐ کے بارے میں سوال کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ یہ شخص کون تھا؟ اس شخص نے تمہیں کیا دیا؟ یہ جسے تم زندگی میں رحمتِ دو عالم اور رسول اللہؐ کہتے تھے۔ جس کی نعتیں پڑھتے اور گیت گاتے تھے۔ جسے ملائے اعلیٰ سے سب سے بڑی ہستی سمجھتے تھے۔ بعد از خدا بزرگ تو ی قصہ مختصر کہتے تھے، اب ذرا بتاؤ کہ یہ کون ہیں؟ جس نے دنیا میں

باقاعدہ تعلیم وتربیت اور قرآن وحکمت کے ساتھ اپنے رسول پر ایمان رکھا، وہ تو فوراً پڑھ کے سنا دے گا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد عبدہ و رسولہ کہ اس صورت گرامی کو نہ پہچانوں، تو میں اپنی اصل نہیں پہچانوں، تو میں اپنی اصل نہیں پہچانتا۔ یہ تو وہ ہیں، جنہوں نے مجھے آگ کے گڑھے سے نجات دی۔ جن کی برکات ازل مجھ تک ہیں۔ قیامت تک انہوں نے میرے ساتھ جانا ہے۔ ان کو کیسے بھول جاؤں؟ پھر اس کو کہا جاتا ہے، تو اپنے جنت میں مقامات دیکھ لے۔ رنجیدہ نہ ہو، تیرا جواب درست ہے۔ دور تک دیکھ! یہ رحمتیں، یہ قبر کی کشادگی، یہ تیری روح پر سے بوجھ کا اٹھنا، یہ سب اسی ہستی کی برکت سے ہے۔

یہ بڑی اہم بات ہے جو میں آپ کو بتانے والا ہوں۔ یہ بات اس سسٹم پر ضرب لگاتی ہے، جس سسٹم پر ہمارا آج کا اعتقاد کھڑا ہے۔ جب ایک دوسرے بندے سے پوچھا جائے گا کہ تو کیا اس شخص کے بارے میں کہتا ہے؟ کہے گا، میں ٹھیک طور پر نہیں کہہ سکتا I do,t know exactly میں نے خود تو سوچا ہی نہیں۔ میں تو وہی کہتا تھا، جو دوسرے لوگ کہتے تھے اور دوسرے لوگ تو یا ور یہ کہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے۔ ملائکہ یہ کہیں گے کہ اے بد بخت! تو نے زندگی بھر اپنی عقل استعمال نہیں کی۔ تو نے کبھی کتاب پر غور و فکر نہیں کیا۔ تو منافق ہے اور تیری سزا یہ ہے کہ ستر سال کا بوجھ تیرے سر پر آن پڑا ہے۔ یہ عذاب تیرے لیے ہے اور تیرا مقدر ہے کہ تو نے خدا کی دی ہوئی سب سے بڑی نعمت کی بےقدری کی۔ تو نے علم و معرفت کی بےقدری کی۔ تو نے اپنے وصف کو زمین میں دبا دیا۔ تو اب ہم سے کیا توقع رکھتا ہے کہ ہم تجھے کیا دیں؟

ایک بات اچھی طرح یاد رکھیے کہ آپ کے تمام علوم اور آپ کے تمام پیشے کسی کردار کا تقاضا نہیں کرتے۔ کسی ڈاکٹر کا پیشہ جب وہ تعلیم حاصل کر رہا ہوتا ہے، کسی کردار کا تقاضا نہیں کرتے۔ آپ بدکار ہوں یا بےکار، آپ غصے والے ہوں یا جذباتی، آپ لعنت و ملامت والے ہوں یا رحمت والے، آپ کو اپنا استاد یہ نہیں کہے گا کہ پہلے یا خلاق پیدا کرو، پھر میڈیکل سائنسز کا مطالعہ کرو۔ آپ کو صدر شعبہ یہ نہیں کہے گا کہ اس فارمولے کے پیچھے فلاں کردار چاہیے۔ یہ نہیں ہوتا۔ تمام پیشہ ورانہ علوم آپ سے حصول علم کے وقت کسی کردار کا مطالبہ نہیں کرتے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد سوسائٹی آپ کو اخلاقی نظام دیتے ہوئے ایک پروفیشنل اخلاق دے۔ ڈاکٹر یا انجینئر کہے کہ ڈاکٹری یا انجینئرنگ حاصل کرنے کے بعد یا خلاق آپ کو چاہیے۔

جو بھی آپ چار بندے حصول تعلیم کے بعد جب کوئی نظام مرتب کریں، تو وہ اخلاقی نظام ہوتا ہے، اس مضمون کا نظام نہیں ہوتا۔ کوئی بھی سائنسی علم یا حساب آپ کے خیالات اور جذبات سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ کسی قسم کے مخصوص کردار کا تقاضا نہیں کرتا۔ ہم اس کو علم نہیں کہتے۔ پیشہ ورانہ مضامین کو ہم علم نہیں کہتے۔ وہ چیز جو آپ کو جزوی زندگی گزارنے میں آپ کو مدد دے رہی ہے، اسے علم نہیں کہتے۔ علم وہ ہے، جو آپ کی پوری زندگی کی ترجیح اور آپ کی بنیاد ہے۔ جو آپ کا انجام ہے اور جو آپ کو اس دنیا سے بسلامت گزارتا ہے۔ اس دنیا کے بعد اگر کوئی منزل عقلی اور ذہنی طور پر ہے، تو آپ کو اس منزل سے بھی بسلامت گزارتا ہے۔ یہ علم کائنات اور زمین میں صرف اور صرف خدا کی طرف سے انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جاری ہوا۔ یہی وہ لوگ تھے، جنہوں نے انسانوں کی کردار سازی کی۔ انسان کی اخلاقی عمارت کو استوار کیا۔ وہی لوگ تھے، جنہوں نے معاشرے کو غاروں کی منازل سے سکائی سکریپر اور ایسکلیٹر تک پہنچایا۔ مگر ہائے قسمت کہ انسان اتنا احسان ناشناس ہے کہ انہی اور اپنے لوگوں کی محنتوں سے مسلسل انکار کئے جا رہا ہے۔

علمیت کی جب ہم انتہا دیکھتے ہیں، تو علم تین قسم کے فیصلے کرتا ہے۔ یہ آپ کے ماضی سے آپ کی غلطیوں اور خوبیوں کو آگے بڑھاتا ہے۔ علم فیصلہ کرتا ہے کہ آپ کے ماضی میں سے کیا سلامت رکھنا ہے اور کیا ترک کرنا ہے۔ علم آپ کو تجربات کی زندگی سے گزار کر آپ کو ایسے ناقص تجربات سے گریز کرواتا ہے، جس کی وجہ سے آپ اپنی بقا میں، ماضی میں غلطیاں کر چکے ہیں۔ یہ معاملات حاضرات کو حل کرتا ہے۔ آپ کے موجود کے لیے باعث رحمت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ علم آپ کی شناخت منزل ہے۔ علم آپ کو انجام کی منزل خیر تک پہنچاتا ہے۔ جو علم کے نزدیک آخری اور فانی ہے۔ آپ کو عالم کے سوا کون یہ بتا سکتا ہے کہ جس دنیا سے آپ گزر رہے ہو، یہ قلیل ہے۔ لہو ولعب ہے۔ آپ ایک سراب کی تمنا کر رہے ہیں۔

مگر کیا پھر انہوں نے آپ کو ترک دنیا کا مشورہ دیا؟ یہ اچھی طرح یاد رکھئے کہ کسی پیغمبر نے بھی اپنی امت کو ترک دنیا کا فتویٰ نہیں دیا، علم نہیں دیا۔ صرف اہمیتوں اور ترجیحات کی وضاحت کی۔ مگر یہ نہیں کہا کہ ان کو ترک کر کے گوشہ نشین ہو جاؤ۔ راہبانیت اور فناتے اختیار کرو۔ صرف ایک بات کہی کہ خدا کے مقابلے میں ان کو زیادہ اہم مت سمجھو۔ اس دنیا سے گزرتے

ہوئے، سب سے مضبوط اثاثے کی فکر کرو۔ صرف یہ کہا کہ یہ آگ والا گھر ہے۔ اس تمام گھر کو شہوات کی، زیبائشوں کی آگ لگی ہوئی ہے۔ جب کسی گھر میں آگ لگی ہوئی ہو، تو سب سے قیمتی چیز بچاتے ہیں۔ جب گھر کو آگ لگی ہوئی ہو، تو تنکے تنکے نہ بچاؤ بلکہ سب سے اہم چیز یہاں سے بچا کے نکل جاؤ اور سب سے اہم چیز لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہؐ ہے۔ یہ اتنے بڑے سبق تو نہیں تھے کہ جو ہمیں تواتر سے بھولتے چلے آتے ہیں۔

بہت سارے رستوں پر چل کر انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ خیر کا طلب گار ہے اور شر سے اجتناب کرنا چاہتا ہے۔ چند ایک شوریدہ سر لوگوں کو چھوڑ کر ایسا کوئی نہیں ہے، جس کو خیر کی طلب نہ ہو۔ مگر سوال یہ ہے کہ خیر کا رستہ کون سا ہے؟ یہ کیسے دیکھا جائے کہ خیر شر نہ ہو اور شر خیر نہ ہو جائے؟ اگر آپ یہ کہیں کہ تعداد کی کثرت خیر ہے، تو یہ بڑا مشکل فیصلہ ہوگا۔ مسلسل روزہ اطفال رکھنا ہی ثواب اور خیر ہے، تو بڑا مشکل ہوگا؟ میں نے اپنی زندگی بھر کوئی ایسا خیر کا خیال نہیں سوچا، جو میرے رسولؐ نے پہلے سے نہ سوچا ہو اور پہلے سے اس خیر کا جواب نہ دیا ہو۔ خیر کے سارے رستے ادھر کو جاتے ہیں۔ کیوں کہ وہ عقل ہے۔ معرفت اور دانائی ہے اور وہ ہم نادانوں کی پناہ ہے۔

پروردگار عالم نے خیر کو خیر نہیں، بلکہ فتنہ کہا ہے۔ خیر وشر دونوں کو فتنہ کہا ہے۔ اگر آپ سمجھیں گے نہیں اور غور نہیں کریں گے اور آپ اللہ کے رسولؐ کی زندگی کا مطالعہ خود نہیں کریں گے، تو آپ ہمیشہ شر تو بڑی دور کی بات ہے خیر کے فتنوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ ایک حقیقی بات ہے۔ جیسے وہ لوگ مبتلا ہوئے، جو رسول اللہؐ کے پاس آئے۔ امہات المومنین سے رسول اللہؐ کی زندگی پر سوال کیے گئے اور کہا، وہ تو بخشے بخشائے ہیں۔ ہم تو ساری عمر روزے رکھیں گے۔ کبھی نکاح نہیں کریں گے۔ جب حضورؐ کو اس کی خبر ہوئی، تو حضورؐ میں آ گئے۔ فرمایا، تم میرے لوگوں میں سے نہیں ہو۔ کیونکہ ہماری رسمیں کچھ اور ہیں۔ ہم تو نکاح کریں گے، روزے رکھیں گے، افطار کریں گے۔ ہم تو نماز پڑھیں گے اور سوئیں گے۔ کثرت خیر ذہنی ابتلا اور فتنوں کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ اگر ایک شخص مجھے کہے کہ ایک سترہ سال کا جوان مسلسل تہجد پڑھ رہا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے، میں اعتبار کر لوں گا؟ مجھے پتہ ہے یہ عمر تہجد پڑھنے کی نہیں ہے۔ یہ ضرور سڑیل اور دیوانہ ہوا ہے۔ میں ضرور یہ جاننا چاہوں گا کہ یہ کثرت خیر کہیں معاملات عشق میں بیکاری تو نہیں ہے؟ کہیں حصول مطلب کی وجہ سے اللہ کے ہاں سر تو نہیں پٹخ رہے ہیں؟ یہ بڑا ضروری ہے کہ خیر کے

ہر معیار کے لیے بھی ہم رسول اللہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

حضورؐ کی حدیث ہے فرمایا ’’لوگو! شر کے بارے میں سوال نہ کرنا۔ صرف خیر کا مطلب پوچھا کرو۔ دیکھئے کتنی واعظانہ اور کتنی عقل مندی کی بات ہے کہ شر تو بڑا واضح ہوتا ہے۔ تم اس کے بارے میں پوچھ پوچھ کے اتنے وساوس میں کیوں اضافہ کرتے ہو؟ حضرت عباسؓ نے عرض کی، یا رسول اللہؐ! نماز میں بڑے وسوسے آتے ہیں لیکن مثال یہ فرمائی کہ اتنے تلخ و ترش اور خوفناک وسوسے آتے ہیں کہ دل جاتا ہے کوئلے کی طرح جل کے خاک ہو جاؤں۔ اس استادِ معظم نے فرمایا، تم شکر نہیں کرتے ہو، خدا نے تمہارے حقائق امثال میں بدل دیئے ہیں۔ کیا خوبصورت بات فرمائی کہ بجائے وسوسے سے ڈرنے، گھبرانے اور پریشان ہونے کے، اگر اتنا بدتر وسوسہ تمہیں ذہن میں آ رہا ہے، تو بھی خدا کا فوراً شکر ادا کرو کہ اے پروردگارِ عالم! تیرا ہزار ہزار کرم ہے کہ یہ وساوس عملی نہیں ہیں۔ یہ عمل پذیر نہیں ہے۔ یہ خیال میں آئے، خیال سے نکل گئے اور بجائے ان سے ڈرنے کے آپ اللہ کی تعریف کرو اور تعویذ پڑھو اور تین مرتبہ بائیں طرف دھتکار دو اور یہ کہو امنت باللہ و رسولہ تو ہر وسوسہ ختم ہو جائے گا۔ حضورؐ نے فرمایا، یہ ایک شیطان ہے، جو نماز میں وسوسے ڈالتا ہے۔ اس کا نام خنزب ہے۔ یہ حرمتوں کی بے حرمتی کرتا ہے۔ ایسے ایسے نکمے سوال اٹھاتا ہے کہ انسانی عقل اس کا جواب نہیں دے سکتی۔

دورِ عہد قدیم ہو یا عہد حاضر، انسانی ذہن کا سب سے بڑا المیہ ایک ہے کہ ایسا سوال اٹھا لینا، جس کے جواب کا ڈیٹا اس کے پاس نہیں ہے۔ سوال کرنا کہ اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ اس چیز کو کسی نے پیدا کیا؟ سوال Teleological کرتے جانا، کرتے جانا۔ اس نے اس کو کیا۔ اس نے اس کو کیا۔ اس نے اس کو کیا اور آخر میں سوال کرنا کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا اور سوال کرنا کہ کیا اللہ اپنے سے بڑا پتھر بنا سکتا ہے؟ یہ وہ سوال ہیں، جن کے جواب کا ڈیٹا انسان کے پاس نہیں ہوتا۔ جب تک آپ کے پاس اس گورکھ دھندے سے نکلنے کے لیے عقل و رشد کی تکمیل نہ ہو، آپ ان سوالوں میں الجھے ہوئے شکوک و شبہات کی دنیا کے قیدی ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ سراب ہے، جہاں عقل آپ کی پیاس بجھانے نہیں آتی۔ اس لیے کہ وہ بھی ڈیٹا پر چلتی ہے۔

رسول اللہ کی تمام زندگی لوگوں کو ان کی مقدور بھر حیثیت دماغ بتانے میں صرف ہوئی۔ وہ تمام وقت کے انٹلیکچوئل تھے۔ زمین پر ایسا عاقل کوئی نہیں گزرا۔ کیا حیرت کی بات ہے کہ ابھی

تک زمین و آسماں میں آدم اس حقائق پر تو نہیں پہنچے تھے۔ جس حقیقت تک محمد رسول اللہ پہنچے۔ پوچھا گیا، یا رسول اللہ! خدا زمین و آسمان بنانے سے پہلے کہاں تھا؟ فرمایا، وہ تو دھند میں تھا۔ اوپر بھی ہوا تھا، نیچے بھی ہوا۔ بہت انسانوں نے ترقی کی اور کائناتوں کے اور جن کی ترقی کی۔ مختلف قسم کی تھیوریاں بنائیں۔ بگ بینگ تک پہنچے۔ پھر اس سے پیچھے گئے اور اس حیرت کا اظہار کیا کہ کائنات میں کسی مادی وجود کے آنے سے پہلے اگر کائنات میں کوئی چیز تھی، تو وہ بادل تھے، دھند والے بادل، جنہیں انگریزی میں Mosturized Gases کہتے ہیں۔ وہ اتنی کثیر تعداد میں جاری ہوئیں کہ جب وہ جمنی شروع ہوئیں، تو ان میں پھر مادی وجود پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ یہ جتنے بھی سیارے اور نظام شمسی ہیں اور جتنی بھی کائناتیں ٹھوس وجود رکھتی ہیں، وہ انہی کی وجہ سے ہیں۔ ایک دفعہ پھر اس حدیث پر غور کیجیے۔ پوچھا گیا، یا رسول اللہ! آسمان و زمین اور ستارے بنانے سے پہلے اللہ کہاں تھا؟ فرمایا، دھند میں تھا۔ یعنی Mosturized Gases میں تھا۔ اب رسولؐ آپ کو کیمیکل فارمولے تو نہیں بتا رہے۔ وہ آکسیجن کا نام تو نہیں لیں گے H=2o کا فارمولا تو نہیں بتائیں گے۔ انہوں نے اپنے انداز علم میں آپ کو کائنات کے آغاز کی بات بتا دی ہے۔ زندگی کے ہر قرینے اور ہر بات میں رسول اللہ کا یہ طرز فکر جاری رہا۔

بہت سارے لوگ دعا کی فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں، ہم بہت دعائیں مانگتے ہیں۔ پوری نہیں ہوتیں۔ حضورؐ نے فرمایا، دعا میں جلدی نہ کرو۔ پوچھا گیا، یا رسول اللہ! دعا میں جلدی کیا ہوتی ہے؟ فرمایا، دعا میں جلدی یہ ہوتی ہے کہ تم یہ کہو کہ اللہ میاں میری سنتا کیوں نہیں؟ دیکھیے، ایک انداز تہذیب ہے کہ تم پروردگار کے سامنے یہ مت کہو، تم دعا کر رہے ہو کہ اللہ سنتا ہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ دعا ہر حال میں سنی جاتی ہے۔ چاہے اس کا نتیجہ اترے نہ اترے۔ فرمایا، دعا کرتے وقت بھی یہ نہ کہو کہ خدا! اگر تو چاہے تو یہ کر دے۔ تو چاہے تو یہ کر دے۔ خدا کو کہے تو کر دے۔ اس لیے کہ خدا کے اوپر کوئی اتھارٹی نہیں ہے۔ کام کرنے والی اتھارٹی خدا مطلق العنان ہے۔ پوری کائنات ایک انسان کی جھولی میں ڈال کر بھی خدا کی ملکیتوں کے تصرفات کم نہیں ہوتے۔

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ غافل دل سے دعا نہ مانگو۔ جب بھی مانگو، زور سے، پورے یقین اور استحکام سے مانگو۔ خدا پر دعوے سے مانگو۔ اس لیے کہ اس کے سوا کسی نے دعا کو پورا نہیں

کرنا۔تمہارے سوا کسی نے اس سے دعا بھی نہیں مانگی ۔ جب آپ پورے یقین کے ساتھ دعا مانگیں،تو وہ آپ کا یہ حق ضرور پورا کرے گا۔خدا سے لڑو،خدا سے جھگڑو۔اس لیے کہ اور کوئی ذات تمہارے لیے لڑنے جھگڑنے کے لیے نہیں ہے۔اہل خاندان اور بھائیوں سے مت کہو کہ تم نے میری خبر گیری نہیں کی۔چچا سے مت کہو کہ چچا تم نے میرا کوئی بندوبست نہیں کیا۔باپ سے کہ تم نے مجھے جائیداد میں سے حصہ نہیں دیا۔ماں سے مت کہو کہ تو نے مجھے بچپن میں دودھ نہیں پلایا۔ ان سب باتوں سے بڑی ذات دینے والی، جھگڑنے والی، حاصل کرنے والی، بندگی والی، عبودیت والی صرف اللہ کی ہے۔صرف اللہ کو جان کر دعا مانگیں۔حاضر ہو کر دعا مانگیں۔ وہی مالک، وہی کریم، وہی صاحب عطا ہے۔

رسول اللہ طریق تفہیم بتا رہا ہے کہ ایک عورت ہنڈیا پکا رہی تھی۔ حدیث رسولؐ ہے۔ ہنڈیا پکاتے اس کا بچہ ساتھ کہیں بیٹھا تھا۔آگ کبھی تیز ہو جاتی،کبھی آہستہ ہو جاتی۔ جب آگ کی لپک تیز ہوتی،تو وہ بچے کو اٹھا کے دور کر دیتی۔ جب لپک کم ہوتی،تو قریب کر لیتی۔اسی شعلے لپکنے سے اس کے ذہن میں اچانک خیال آیا۔وہ بچہ اٹھا کر رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔فرمایا، یا رسول اللہؐ میں ایک ماں ہوں۔ میں نے دیکھا کہ میرے بچے کو آگ کی لپک محسوس ہو رہی تھی۔ ایسا نہ ہو کہ جل جائے،تو میں نے اس سے دور کر دیا اور جب بھی اسے محفوظ پایا،تو اسے قریب کر لیا۔ مگر جب بھی خدشہ محسوس ہوا کہ آگ اسے چھوئے گی، میں پہلے اس کی فکر کرتی، اسے دور کر دیتی تھی۔تو کیا اللہ میاں ایک ماں سے زیادہ مہربان نہیں ہے؟ اگر میں اپنے بچے کو آگ کو لپٹ میں نہیں لینے دیتی،تو پھر اللہ کیسے پسند کرے گا کہ اپنے بندوں کو آگ میں ڈال دے؟ حضور نے چہرہ مبارک چھپا لیا۔ بہت روئے، بہت روئے۔ کچھ دیر کے بعد سکون ہوا،تو اس عورت نے پوچھا، یا رسول اللہؐ آپ اتنے مضطرب کیوں ہوئے؟ فرمایا،ایک ماں اپنے بچے کے لیے اتنی مہربان ہے کہ وہ اسے صرف تپش پہنچنے پر اتنی مضطرب کیوں ہوئے؟ فرمایا،ایک ماں اپنے بچے کے لیے اتنی مہربان ہے کہ وہ اسے صرف تپش پہنچنے پر اتنی مضطرب ہو جاتی ہے تو اللہ اپنی مخلوق پر کتنا مہربان ہو سکتا ہے۔افسوس کہ اس کے باوجود انسان بہتر سے زیادہ ماؤں سے مہربان اللہ کو نہ پہچانے۔اپنے مالک، کریم، رحمٰن ورحیم، خالق الباری المصور کو نہ پہچانے۔اس کا تو پھر یہی انجام ہونا چاہیے۔ پہچان کے لیے بچے کا ماں کو آنا ضروری ہے۔اصولاً ضروری ہے اور جو پہچانتا نہیں ہے،اس کا انجام

صرف جہنم ہے۔

رسول اللہؐ کی تمام تر زندگی اپنے لوگوں کو بشارت کی نوید دیتے ہوئے گزر گئی۔ جہاں بھی تھوڑی سی فہمائش ہوئی، آپ نے تساہل کو روکنے کے لیے فرمائی۔ وہ بہت بڑے عالم تھے۔ انہوں نے چھڑی نہیں استعمال کرنی تھی۔ انہوں نے گالی نہیں دینی تھی۔ انہوں نے کوئی سزا کسی کو نہیں دی۔ صرف زبان استعمال کی۔ فصاحت اور بلاغت استعمال کی۔ کوشش کی کہ لوگ انداز سے لہجے سے ڈر جائیں۔ وہ کام چھوڑ دیں' جو مسلسل کر رہے ہیں۔ جب ایک گروہ وضو کرتے کرتے جلدی کر رہا تھا اور پاؤں پر پانی چھینک کے بھاگ رہا تھا، تو آپ نے ہلکے سے لہجے میں فہمائش کی کہ ایڑیوں کو دھویا کرو۔ وضو پورا کیا کرو۔ ایڑیوں میں آگ ہے۔ سمجھنے والے کو اشارہ کیا کہ تمہاری یہ چھوٹی سی سستی تمہیں آگ میں نہ ڈال دے۔ حضورؐ کا تمام طریقہ تعلیم یہ ہے کہ اگر 999 خوشخبریاں دیں، تو صرف ایک میں خبردار کیا۔ لوگوں کو دیکھ لیتے تھے کہ علم حاصل کرنے کے لیے تیار بھی ہیں کہ نہیں۔

حضرت معاذ بن جبلؓ نے جب طویل نماز پڑھائی' تو ایک بوڑھے نے رسول اللہؐ سے شکایت کی کہ میں بوڑھا ہوں۔ یہ قرآتیں لمبی لمبی کر رہے ہیں۔ جیسے آج کے ماشاءاللہ مولوی جنون میں ہوتے ہیں کہ لوگ مریں جئیں، ہماری تقریر ضرور پوری ہوگی۔ حضورؐ نے معاذ کو بلا کر فرمایا، کیا تو چاہتا ہے کہ لوگ اللہ کے دین سے نکل جائیں؟ تمہیں نہیں پتہ، نماز میں پیچھے بچے اور بوڑھے ہوتے ہیں اور وہ اتنی دیر کھڑا نہیں ہو سکتے۔ ادھر یہ عالم ہے کہ رات بھر کے مسجدوں میں شبینے چل رہے ہیں۔ بھلا قرآن ایک رات میں ختم کرنا کیا کمال کی بات ہے؟ کیا یہ کمال کی بات نہیں ہے کہ جاپانی 235 میل کی رفتار سے ٹرین چلاتے ہیں۔ اس سے کچھ مخلوق کو فائدہ ہوتا ہوگا۔ مگر جسے قرآن کی ساعت کی خبر نہ ہو، انہیں اس طرح قرآن سنا دینا کیا کوئی اچھی بات ہے؟ کیا یہ توہین قرآن نہیں ہے کہ جس قرآن کے بارے میں اللہ کتاب میں یہ کہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو باادب ہو جاؤ۔ خاموش اور توجہ سے سنو۔ اس قرآن کو آپ خراٹے لیتے ہوئے پڑھ ڈالتے ہیں۔ کم سے کم قرآن پڑھنا تین دنوں میں ہے۔ ایسے نہ کرو کہ قرآن رد ہو جائے۔ نافہم اور کم فہموں کی طرح اسے نہ پڑھو۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ آپ طریقہ رسول سے ہٹو۔

سب سے ضروری بات یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے طریقۂ فہم اور اندازِ فکر کی خبر لی جائے۔
جہاد کی بڑی لوگ تعریف کرتے ہیں' کیوں کرتے ہیں؟ اگر ان کے پاس رسول اللہؐ کی ایک ہی خبر موجود ہوتی، تو کوئی شک وشبہ نہ ہوتا۔ کوئی کہہ رہا ہے، جہاد یہ ہے۔ کوئی کہہ رہا ہے، جہاد وہ ہے۔ حضورؐ نے تین باتیں مختصراً فرمائیں۔ فرمایا کہ جہاد میری امت میں جب سے شروع ہوا، اس وقت تک جاری رہے گا۔ جب تک میری امت کا آخری فرد یا آخری گروہ دجال کو شکست نہ دے دے۔ جب تک میری امت کے افراد ظلم کرنے والے کے ظلم کو باطل نہ کر دیں اور جب تک میری امت کے افراد انصاف نہ کرنے والوں کو انصاف پر آمادہ نہ کر لیں۔ یہ ہیں جہاد کے بنیادی تین مقاصد۔ یہ جہاد امتِ مسلمہ میں اول و آخر ضرور جاری رہے گا۔

مجھے حیرت ہے اس عالم پر جو اللہ کے رسولؐ کی باتیں پڑھتا ہے اور پھر لوگوں پر فہمائش، تہدید اور کوڑے کے سوا کوئی ہاتھ میں چیز نہیں رکھتا۔ علم کی شناخت کا ایک اصول ہے کہ عالم وہ ہے، جو لوگوں کو ان کی حیثیت علمی سے خطاب کرے۔ جو اپنے طرزِ عمل کو لوگوں کے طرزِ عمل سے متاثر نہ کرے۔ بلکہ اپنے علم سے ان کی استعداد دیکھ کر ان کو فہمائش کرے یا نصیحت کرے۔ اگر ایک جاہل آدمی کے پاس لہجہ یا اندازِ گفتگو نہیں ہے، تو کیا آپ اس سے توقع کریں گے کہ آپ کو لکھنوی انداز میں آداب وسلام کہے۔ یہ بات آپ کے رسولؐ میں تھی کہ ہر آدمی کو اس کے علمی و فکری حیثیت کے مطابق اسے ٹریٹ کرتے۔ کوئی بندش کی نہیں۔ حتیٰ کہ جانور تک شاکی نہیں۔ جب سے میں نے رسول اللہؐ کے طرزِ عمل کے حوالے سے حدیث دیکھی ہے، آپ یقین جانئے، کوئی انسان ان سا نظر میں نہیں جچ سکا۔

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

اتنی خوبصورت اور اتنی مہربان ہستی ہے کہ آدمی ان کی شفقت اور محبت کا عالم دیکھ کر سکتے میں آ جاتا ہے۔ ایک شخص نے ہرنی کے کچھ بچے اٹھا لیے اور ان کو چھپا لیا۔ ماں ان بچوں کو ڈھونڈتی ہوئی آئی، تو ماں کو بھی پکڑ لیا۔ وہ رسول اللہؐ کے پاس لے آیا اور بڑے تفاخر سے کہا، یا رسول اللہؐ! اس طرح ہوا تھا کہ میں نے بچے کو پکڑ لیا۔ وہ آہ وزاری کر رہے تھے۔ پھر ان کی ماں آ گئی، تو میں نے ماں کو بھی پکڑ لیا۔ انہیں پکڑ کر یہاں لے آیا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا، تم نے کتنے

اچھے جذبے کی توہین کی ہے۔ تجھے خیال نہیں آیا کہ ماں کس طرح محسوس کرتی ہے؟ تم نے کتنے خوبصورت جذبے کودکھ پہنچایا ہے۔ جا اسے وہیں چھوڑ کے آ اور اسی جگہ رکھ کے آ، جہاں سے تو نے انہیں لیا تھا۔ حضورؐ کی پیغمبری سب کے لیے تھی۔ رحمت عالم کے توسط سے جن وانس اور جانوروں کے لیے تھی۔ یورپ اب آپ کو جانوروں کے ساتھ حسن سلوک سکھا رہا ہے۔ اتفاق دیکھئے کہ امریکہ وغیرہ میں یہ جو سمور اور لومڑی کی کھال ہے یا ہرن کی کھال، یہ پہننی اس لیے منع ہے کہ تم نے جانوروں پر بڑا ظلم کیا ہوا ہے۔ ان کو شکار کیا ہوا ہے۔

شیخ سعدی ایک شہر سے گزرے۔ لوگ بڑے بدتمیز اور بدتہذیب تھے۔ اینٹ پتھر روڑے مارتے۔ انہوں نے مسافروں پر کتوں کو کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ شیخ سعدی بھاگتے ہوئے جس پتھر کو ہاتھ لگاتے، وہ زمین سے بندھا ملتا۔ تنگ آ کر کہنے لگے، کمال رسم بےمحل اس شہر کی ہے کہ سنگ ہا را بستند وسگاں را آزاد کردند۔ یہ معاشرہ اس منزل تک ضرور آ رہا ہے کہ جہاں کتے آزاد ہوں گے اور پتھر زنجیروں سے بندھے ہوں گے۔

حضور گرامی مرتبتؐ نے فرمایا، حذیفہؓ کو کہا کہ میری امت میں بڑے بڑے فتنے آئیں گے۔ یہ سرا اور وہیمہ کے فتنے ہیں۔ شب قدر، رات کے تاریک ٹکڑوں کی طرح فتنے آئیں گے۔ پہلا فتنہ یہ ہے کہ لوگ لوگوں سے ڈریں گے۔ لوگ لوگوں کا مال کھائیں گے۔ دوسرا فتنہ عیش و عشرت کا سرا کا فتنہ ہے۔ اس میں دولت کی کثرت ہوگی۔ پھر تیسرا فتنہ جو آج کل جا رہا ہے، وہیمہ کا فتنہ ہے۔ وہیمہ کے فتنے میں اتنی تاریکی، اتنا رنج وغم اور اتنا کرب وبلا ہوگا کہ لوگوں کو کہیں امن و سکون نہیں ملے گا۔ کیا عجیب حدیث ہے۔ لوگ اسے کسی اور طرح معنی دیں گے، مگر میں اس کو کچھ اور معنی دیتا ہوں۔ فرمایا کہ عرب سے زمانہ آخر میں دجال کے وقت کے قریب ایک بڑی آگ ایسی لپکے گی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب میں لے جائے گی۔ میں اسے شہوات طلب وآرزو اور لالچ کی آگ کہتا ہوں۔ یہ ساری آگ آج اسی طرح جل رہی ہے کہ کسی سے بھی پوچھ لیں، وہ مشرق سے مغرب میں ہی جانے کی بات کرتا ہے۔ اسے اپنے مقام میں سکون محسوس نہیں ہوتا۔

استاد طریقہ تعلیم ظرف

خداوند کریم نے کہا ویحذرکم اللہ نفسہ (پ ۳ س آل عمران آیت ۸۲) اللہ

تمہیں اپنے نفس سے ڈراتا ہے۔ مگر اس کے لیے تھوڑا سا پیچھے جانا پڑے گا۔ احمد بن حنبل کے زمانے میں ان کا اعتراض یہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔ یہ مسئلہ بہت پہلے حل ہو گیا تھا۔ اس لیے آپ کو سنا رہا ہوں۔ اللہ کہتا ہے الـلـه خـالـق كل شيء وهو على كل شيء وكيل (پ۲۴ س الزمر، آیت ۶۲) تو قرآن کو بھی بذاتِ عجیب کہا۔ اس لیے قرآن شے ہے اور اللہ خالق ہے۔ تو قرآن خالق کا کلام نہیں ہو سکتا، بلکہ مخلوق ہے۔ یہ فتنہ ایک سو سال تک عالم مسلمان میں بڑا اثر قبول پذیر رہا۔

کچھ لوگ حضورؐ کے پاس آئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ ہم کھجور کو پیوند لگاتے ہیں۔ فرمایا، میں پیوند پسند نہیں کرتا۔ وہ لوگ گئے، خسارہ ہوا۔ واپس لوٹے اور بڑے گلہ گزار ہوئے کہ آپؐ کے کہنے پر ہم نے پیوند نہیں لگایا، ہماری فصل خراب ہو گئی۔ تو کہا، پھر ایسے کیا کرو، جیسے تمہارا تجربہ ہے۔ یہ اتنی خوبصورت مثال ہے۔ حضور اکرمؐ نے بظاہر لگتا ہے، ایک خطا کی اور جمت کی غلطی کا ارتکاب کیا۔ مگر ایسے نہیں ہے بلکہ انہوں نے بظاہر اپنی غلطی سے اپنی امت کو ایک زبردست سبق دیا کہ وہ انسانی تجربہ، جو صدیوں تک تمہیں حاصل ہے۔ جس پر تم ہزار مرتبہ علم و حکمت سے تجربہ کر چکے ہو، اگر اس کے خلاف دعا چاہو گے، تو تم غلطی کرو گے۔ وہ اس قسم کے پیغمبر ہیں۔ ان کا تمام تر وجود علمی تھا۔ علم ان کی ہر رگ مو سے پھوٹتا تھا۔ پیغمبر کی نفسیات پر آج تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ نہ ان کے اقدامات مقاصد پر کوئی کتاب لکھی گئی۔ تہذیب ایسے سکھانا ان کے پیچھے ختم۔ وہ اتنے بڑے استاد تھے۔

حافظ ابن قیم کا واقعہ سناتا ہوں کہ ان کے استاد و مرشد آئے۔ انہوں نے نئے کپڑے پہنے۔ غسل کیا۔ سرمہ لگایا۔ اپنے سر پر عمامہ باندھا۔ آئینے میں دیکھا۔ دو قدم چلے۔ شُبے میں پڑے۔ پتہ نہیں کہ حقیقت متوازن ہے یا نہیں؟ دوبارہ پلٹے۔ آئینے میں دیکھا۔ دروازے تک گئے۔ جب دروازے تک گئے، تو ابن قیم کہتے ہیں، میرے دل نے مجھ سے ایک سوال کیا کہ ابن قیم! آج اگر رسول اللہؐ زندہ ہوتے، تو کیا تم اسی اہتمام سے ان کے حضور میں جاتے؟ میرے دل نے قسم کھا کر کہا کہ قطعاً نہیں۔ میں جس حال میں ہوتا، چلا جاتا۔

سو جتنا کم تر درجے کا استاد ہے اس کے رکھ رکھاؤ میں اضافہ ہوگا۔ مگر جتنا بڑا استاد ہوگا، اس کے ظرف میں اتنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ کافر ہو، بدکار ہو۔ برا ہو۔ اس تک پہنچنے میں

اس کا احساس یہ کہتا ہے۔ اسی طرح حضور اکرمؐ کو خوش گمانی اتنی پسند تھی کہ جب ایک بدو نے رسول اکرمؐ سے سوال کیا کہ اے پروردگار کے رسول! قیامت میں حساب کون لے گا؟ فرمایا، اللہ خود۔ وہ ہنسا اور چل دیا۔ حضورؐ نے اس کے پیچھے آدمی بھیجے کہ بھلا کیا عجیب بات ہوئی۔ یہ ہنسا کیوں؟ کون سی بات ہے کہ جس پر وہ ہنسا؟ اسے بلایا گیا۔ حضورؐ نے پوچھا، ایسا کیوں؟ فرمایا رسول اللہ! ہم نے زندگی میں دیکھا ہے کہ جب کوئی اعلیٰ ظرف حساب لیتا ہے، تو نرمی سے لیتا ہے اور خدا سے بڑا اعلیٰ ظرف کون ہو گا؟ رسولؐ نے فرمایا، دیکھو! اس بدو کا گمان اللہ پر کتنا اچھا ہے اور ہدایت فرمائی کہ خدا پر ہمیشہ خوش گمان رہو۔ کم از کم زندگی کے آخری حصے میں ضرور رہو۔ جو کام اللہ نے کیا، ہم بھی اپنے رسول کے لیے کریں۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم.

حضورؐ کی تعریف اور پیغام

جتنے لوگوں نے بھی رسول اکرمؐ کی تعریف فرمائی اور سب سے بہتر تعریف تو اس عورت نے کی، جس کے پاس حضور اکرمؐ نے مدینے میں دودھ پیا، مدینے کے رستے میں۔ اس سے بہتر تو کسی نے تعریف نہیں کی۔ ایک مقام رسالت اور ایک مقامِ ذاتِ رسولؐ ہے۔ یہ جتنے لوگوں نے ہی تعریف فرمائی ہے، اگر ان کو دوبارہ دیکھیں، تو آپ کو محسوس ہو گا کہ ان اصحاب خیر نے حضورؐ کے پیغام پر بھی مکمل آگہی پائی تھی۔ ان لوگوں نے خدا کے لیے اور رسولؐ کی سنت کی متابعت کرتے ہوئے اپنی پوری زندگی تج دی تھی۔ ان کا تو یہ واقعی حق بنتا ہے کہ یہ رسولؐ کی ظاہری تعریف بھی کریں اور ان کے باطنی مراتب کی بھی تعریف کریں۔

میرا گلہ ان لوگوں سے تھا، جو تمام تر تعلیم سے بے بہرہ ہیں۔ جن کو کچھ پتہ نہیں ہوتا تھا اور وہ صرف ایک ہی کام جانتے ہیں۔ ٹھیک ہے، خالی نعت پڑھنے کا بھی بہت ثواب ہو گا، مگر ایک بڑے استاد کے لیے کتنی کوفت کی بات ہے کہ اس کے پیغام کا تو کوئی احترام نہ کیا جائے اور اس کی تعریف پر زندگی گزار دی جائے۔ آج ہمیں یہ اخلاص بھی چاہیے کہ جہاں تعریف آپ کر رہے ہیں، دراصل اس سے بڑا کام یہ ہے کہ جو اللہ کے رسولؐ لائے اور جو انہوں نے ہمارے لیے پیغام چھوڑا، اس پر بھی عمل کیا جائے اور سب سے بڑا پیغام، جس کی وجہ سے آج کی نشست ہے، یہ ہے کہ انہوں نے ہی ہمیں یہ بتایا کہ اللہ ترجیح اول ہے۔

یومِ مسرت وانبساط

کوئی شخص کیا اس ہستی کی بات کرے، جس نے آپ کو کائنات کا اول بھی بتایا اور انجام زندگی بھی بتا دیا۔ فتنوں کی بات بھی بتائی اور سکون و عافیت کے نسخے بھی آپ کو عطا کیے۔ اس امام کو آپ کہاں بھلا پائیں گے؟ ان کے مقابلے میں آپ جن کو امام عقل سمجھتے ہیں، وہ صرف ووکیشنل آرٹس کے استاد ہیں۔ وہ آپ کے کردار کی تعمیر کر سکتے ہیں، نہ آپ کے اخلاق کی تعمیر کر سکتے ہیں۔ وہ آپ کے لیے مشعل راہ ہیں، نہ آپ کے حزن و ملال کی کیفیتوں پر کام کر سکتے ہیں۔ آپ اپنی اساس البیت کو ترک کیے جا رہے ہیں اور اپنی معرفت خیال میں اس مینارۂ نور کو بھولے جا رہے ہیں۔ جب یہ عید میلاد ہو، تو وہ کہتے ہیں، میلاد کیوں کر رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان ایسے اکیڈیمک ہیں، جو میلاد کو برا سمجھتے ہیں۔ اس زمانے میں بھی میلاد ہوا کرتی تھی۔ حضورؐ کو کہا گیا کہ نویں محرم کو یہود عید مناتے ہیں اور نویں محرم ایک اہم دن تھا۔ تو میلاد کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کیا کسی محترم دن کو آپ منا سکتے ہیں کہ نہیں منا سکتے؟ اگر کوئی دن اہم ہے اور اس میں کوئی خاص بات ہوئی ہے، تو کیا آپ اس دن کو منا سکتے ہیں کہ نہیں؟

جواب یہ ہے کہ آپ حج مناتے ہیں۔ ساری نسبتیں حاجی ابراہیم کے ساتھ ہیں۔ ایک ایک نسبت اس واقعہ کی جو ابراہیم اور اسماعیل کے ساتھ گزرا۔ کتنی اللہ کے ساتھ اس کی اہمیت تھی کہ آج تک ہم سے اس واقعہ کو منوانا چلا آتا ہے۔ مقررہ اوقات، مقررہ دن اور مقررہ مراحل ہیں۔ حتیٰ کہ جب مسلمانوں نے کہا کہ چلیں ہم ابراہیم کے عمل تو منا لیتے ہیں۔ ابراہیم اللہ کا دوست ہوا۔ ہاجرہ سے ان کا کیا واسطہ تھا؟ ان کا کیوں منائیں؟ تو اللہ کو اتنا غصہ آیا کہ قرآن میں کہا ان الصفا و المروة من شعائر الله (پ۲، س البقرہ، آیت ۱۵۸) کہ صفا اور مروہ بھی اللہ کے قانون میں اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔ یہ نہیں کہ اگر ان میں ابراہیم نہیں تھے، تو تم اس واقعہ کی رسم کو نہ مناؤ۔ میرے دوست کی بیوی اور اس کے بیٹے کی رسم بھی مناؤ۔

اہل یہود نویں محرم کو عید مناتے تھے۔ جب آپ نے حلال و حرام دیکھنا ہو، تو آپ فیصلہ یہ کرتے ہیں کہ وہ قرآن و حدیث میں حرام آیا کہ حلال آیا؟ جب انڈے پر کوئی فتویٰ نہیں تھا کہ آیا وہ حلال ہے کہ حرام ہے، تو ایک بار اللہ کے رسولؐ نے یہ فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی نماز میں

ایسے پہنچا کہ عین خطبہ ختم ہو چکا تھا، نماز شروع ہو چکی تھی، تو اس کا ثواب انڈے کی طرح ہے۔ ظاہر ہے، حرام چیز کا ثواب تو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے پتہ لگا، انڈا حلال ہے اور تو کوئی واقعہ اس میں ہے ہی نہیں۔ جب نویں محرم کے دن کو منایا گیا، تو آیا حضورؐ نے اسے ناپسند فرمایا کہ نویں محرم کو منانا غلط ہے؟ الٹا، آپ نے فرمایا کہ دیکھو، وہ نویں محرم کو مناتے ہیں۔ ہمارا قوم موسیٰ اور موسیٰ پر زیادہ حق ہے۔ ہم دسویں بھی منائیں گے۔ اگر وہ نویں کو روزہ رکھتے ہیں، تو ہم دسویں کو روزہ رکھیں گے۔ ایک کی بجائے دو روزے رکھیں گے۔ دن منانے سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر دن منانے کا انداز تو ہونا چاہیے۔ ناچ، رنگ، ڈسکو، فضول خرچی یہ طریقہ عید میلاد کو منانے کا ہے؟ احسن کو احسن طریق سے نبھانا چاہیے۔ خوبصورت انسان کی خوبصورت طریقے سے سوا گت کی جانی چاہیے۔ یہ مقامِ شکر اور روزِ شکر ہے۔

اللہ کے رسول کی پیدائش سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کے متبعین ایسٹر مناتے تھے۔ وہ تین رہنماؤں کے دن بھی مناتے تھے۔ یوم میلادِ عیسیٰ بھی مناتے تھے۔ حضورؐ نے اس قسم کی باتوں کا برا نہیں منایا۔ اس طرز کا ضرور برا منایا، جوان مقدس دنوں میں لوگ اختیار کرتے ہیں۔ یہ خیرات کا دن ہے۔ یہ پیغمبر بختی ہے۔ اللہ کے رسول سخاوت اور علم کی معراج ہیں۔ شناخت کا دروازہ ہیں۔ ہم ان کو خراجِ عقیدت ایسے پیش کرتے ہیں، جیسے کسی انٹلکچوئل، ایک عالم زمانہ کو کرتے ہیں۔ رہبر کامل اور جیسے رہنمائے دین کو کرتے ہیں۔ اس طریقے سے خیرات وصدقات کریں اور اپنے آپ کو اس شخص عظیم کی مروت اور ان کی محبت کے قابل کریں۔ ہمارے رسول کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ انہیں اپنی امت کی یاد کبھی نہیں بھولی۔ اگر آپ نے سب سے بڑی سنت رسول پر عمل کرنا ہے، تو آپ بھی اپنے رسول کی امت کے دوسرے بھائیوں کو مت بھولیں اور کوشش کریں کہ ان کے لیے میلاد کا دن خوشی، فرحت اور انبساط کا دن ہو۔

حضورؐ کا دیدار

کسی آدمی کا یہ دعویٰ کرنا کہ میں نے رسولؐ کو خواب میں دیکھا، اس کی پرکھ بہت سارے اصولوں کے تحت ہوتی ہے۔ جب تک کہ معاملات نارمل نہ ہوں اور پہلے سے تقربات موجود ہوں۔ مثال کے طور پر ایک شخص ایک لاکھ مرتبہ درودِ تاج پڑھ رہا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے

کہ مجھے رسول اللہؐ خواب میں نظر آ ئیں ۔ پھر وہ ایک دن آ کے کہتا ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا۔

ایک آدمی بڑا گنہگار ہےاور وہ اپنے عصیاں کے بحران میں کسی مقدس ہستی کے حضور اپنی یہ تقصیر چھپانا چاہتا ہے۔اس کو پتہ ہے کہ میں بڑے مکروہ عزائم اور بڑے غلط افعال کا مالک ہوں۔مگر لوگوں کو تاثر یہ دینا چاہتا ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کو خواب میں دیکھا،تا کہ لوگوں کی اندھی عقیدتیں اس کے جرائم کا پردہ بنیں ۔

تیسری صورتحال نفسیاتی ہے۔اس کے لیے نفسیاتی طور پر ایک بندہ جج اور چیک ہونا ضروری ہے۔ ہمارے ملک میں عصیانی رسپانس میں کوئی نہ کوئی بزرگ صورت ضرور آتی ہے۔کسی کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نظر آتے ہیں۔کوئی آگے بڑھ کر رسول اللہؐ کو دیکھنے کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ کوئی اکثر ولی اللہ دیکھتے ہیں اور یہ خواب تو بہت ہی عام ہیں کہ مصیبت آئی نہیں اور مزار نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں۔کسی مزار سے کوئی تسبیح دے رہا ہے۔کسی مزار سے کوئی تعویذ۔تو ہمارا مجرمانہ ذہن کسی مذہبی شخصیت کو مزار کا ذریعہ بناتا ہے۔ یہ ایک سماجی کمزوری اور بیماری ہے،جس کو ہم معاذ اللہ،استغفر اللہ دیدار رسولؐ نہیں کہہ سکتے۔

دوسری بات کہ کیا خیال ہے،اگر دعویٰ کی پرکھ ہو اور دعویٰ کی پرکھ کے اصول لاگو کئے جائیں،تو کیا آپ سب لوگ ہر اس آدمی کا دعویٰ قبول کرلیں گے،جو آپ کے پاس یہ دعویٰ لےکر آئے کہ مجھے رسول اللہؐ ملے اور مجھے حکم دیا کہ فلاں شخص سے ایک لاکھ روپیہ لے لو۔میرا نہیں خیال کہ کوئی بندہ بھی اس خواب کو سچا سمجھے گا۔اگر آپ کے مفاد پر ضرب پڑ رہی ہو،تو آپ اس خواب کو کبھی قبول نہیں کریں گے۔ دستور یہ ہے کہ ہم انسانی صحت، ذہنی اور اخلاقی صحت کو دیکھتے ہیں۔ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے کذاب تو نہیں رہا۔ہم یہ دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس شخص کے عمومی کریکٹر میں جھوٹ تو نہیں شامل۔ وہ لوگوں کو دھوکہ تو نہیں دیتا رہا یا ان سے جھوٹ بولتا رہا ہے۔ جو اصول روایت حدیث کے لیے ہیں،وہی اصول خواب پر استعمال ہوتے ہیں۔ جب وہ روایت اور درایت سے نکلے گا،تو پھر اس خواب کو تسلیم کرنے میں ہمیں کوئی عذر نہیں ہوگا۔

رسول اللہؐ کو دیکھنا حدیث ہے اور حدیث کی پرکھ کے لیے وہی قانون لاگو ہوں گے،جو پرانے محدثین نے کسی حدیث کی پرکھ کے لیے لگائے ہیں۔اس لیے یہ اتنا آسان نہیں ہے کہ اس

قسم کے دعوے مان لیے جائیں یا کر لیے جائیں۔ مرزا غلام احمد اور غلام احمد پرویز کے وہی دعوے ہیں۔ ان سب کو دیکھ لیجیے۔ اگر ہم ان دعوؤں کو ماننا شروع کر دیں، تو کس کس کو آپ مہدی مانیں گے؟ ایک صدی میں مجھے ڈیڑھ کروڑ مہدی نظر آ رہا ہے۔ اس لیے یہ بڑا مشکل امر ہے۔ یہ بڑے احتیاط سے پرکھنا پڑتا ہے۔ اس خواب کی معقولیت کیا ہے؟ استحقاق کیا ہے؟ سچائی کتنی ہے؟ بندے کے کردار کو دیکھنا پڑتا ہے۔ پھر البتہ تسلیم کا عذر کیا جا سکتا ہے۔

میلاد النبیؐ کی مخالفت

میں نے قرآن و حدیث میں کسی مقررہ دن جمع ہونے کی کوئی مخالفت نہیں دیکھی۔ آج کل کے زمانے میں کوئی کہے کہ میں میلاد منانا چاہتا ہوں اور وہ میلاد منائے اور لوگ بکھرے ہوئے ہوں۔ سوشل سیٹ اپ بڑا عجیب وغریب ہو چکا ہے۔ لوگ کام کرتے ہیں۔ کوئی چھٹیاں نہیں ہیں۔ آپ میلاد کو چھوڑیں، سالگرہ ہی مناتے ہیں، تو سب سے بڑا گلہ جو سالگرہ میں شریک نہ ہونے والوں کا ہوتا ہے کہ بروقت اطلاع نہ ملی، پتہ نہیں تھا۔ کسی دن کو کسی فنکشن کے لیے مخصوص کر لینا یا کر دینا اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں۔ اگر مخصوص نہ کیا جائے، تو آپ کبھی پاکستان ڈے نہ منا سکیں۔ حج کا دن نہیں منا سکتے۔ یہ دنوں کا مخصوص کرنا کسی طور پر بھی بدعت ہے نہ موجب عذاب ہے۔ طریق کار میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اگر آپ مسلمان ہیں اور اپنی سب سے مقدس، متبرک، مہربان اور شفیق ہستی کی یاد منانا چاہتے ہیں، تو انداز بھی تو کچھ بہتر ہونے چاہئیں۔ کچھ بااخلاق طریقے ہونے چاہئیں۔ رسول اللہؐ کو حسن اخلاق سب سے زیادہ پسند تھا اور اللہ کو سب سے زیادہ کھانا کھلانا پسند ہے۔ مسلم کی حدیث ہے کہ جنت میں ایک شخص کا درجہ بلند کر دیا گیا۔ صبح حضرت سراسیمہ اٹھے کہا، میرے مولا! میں نے کون سا ایسا کام کیا کہ تو نے جنت میں میرا درجہ بلند کر دیا۔ فرمایا، تو نے پیچھے ایک نیک بیٹا چھوڑا تھا۔ وہ تیرے لیے استغفار کرتا تھا۔ ہم نے اس استغفار کی وجہ سے تیرا درجہ بلند کر دیا۔ رسول اللہؐ نے تو ایک ارب بیٹے پیچھے چھوڑے ہیں۔ کیا آپ ان کے بیٹے نہیں لگتے؟

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تین چیزیں موت کے بعد کام آئیں گی۔ ایک صدقہ جاریہ وہ چیز جسے آپ نے خلق کے لیے چھوڑ دیا اور اس کے استعمال میں آپ کے لیے ثواب ہے۔ دوسرا

علم، کسی عالم نے ترتیب علم دی اور جو ہدایت اس نے بخشی، اس سے مخلوقات کو نفع اور فائدہ ہے اور بہترین نیک اولاد۔ کیا غضب ہے کہ آپ رسول اللہؐ کی اچھی اولاد بننے کی کوشش ہی نہیں کر رہے ہیں؟ اگر رسول اللہؐ کی بیویاں امہات المومنین ہیں، تو رسولؐ کیا ٹھہریں گے؟ آپ کو تو اس بات پر ہونا چاہیے کہ آپ کا رسول، رسول ہونے کے علاوہ آپ کا باپ بھی ہے۔ ایسا باپ، جو ہر قسم کی خوبی کا حامل ہے۔ کہاں رسلؐ، کانسٹائن، نپولین، سیزرز اور کہاں ہنی بال! کیا بڑے بڑے لوگ دنیا میں آئے اور گزر گئے۔ ان میں سے کس کا کردار مثالی بن کے رہ گیا؟ کس کی خوبصورت ذات ابھی تک ہمارے دلوں میں چٹکیاں لیتی ہے؟ ہمیں ناخلف بیٹا بننے کی کیا ضرورت ہے؟ باپ کا دن نہ منائیں تو کس کا دن منائیں گے؟

مگر طریق کار میں اختلاف ہوتا ہے۔ یہ خیرات اور صدقات کا دن ہے۔ محبت اور انس کا دن ہے۔ یتیم کی نگہداشت اور جانوروں کی پرداخت کا دن ہے۔ یہ تمام دن نیکیوں کا، محبت تمام کا دن ہے۔ عہد استوار کرنے، سنت رسولؐ اور اخلاق رسولؐ کی متابعت کا دن ہے۔ آپ اس دن کو منا کر کتنے خوش نصیب ہو سکتے ہیں! یہ تو وہ جانے، جس کو ان سے سب سے زیادہ محبت ہے۔ آپ نے کیا محمد رسول اللہؐ کا مقام پہچانا ہے؟ کیا آپ کے پاس ان کی کوئی شناخت ہے؟ کیا بات کہی تھی غالبؔ نے۔

غالبؔ ثنا خواجہ بہ یزداں گذاشتم

میرے خیال میں غالبؔ کو تو یہی شعر جنت میں لے جائے گا کہ

غالبؔ ثنا خواجہ بہ یزداں گذاشتم

کہ اے غالبؔ میں نے اپنے خواجہ اپنے آقا محمد رسول اللہؐ کی تعریف اللہ پر چھوڑ دی۔

کہ آں ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

کہ وہی ذات پاک محمد رسول اللہؐ کا مرتبہ جانتی ہے۔

آپ کس کا دن منائیں گے؟ اپنے بیٹے کی سالگرہ منائیں گے؟ اپنے باپوں اور فقیروں کے عرس منائیں گے؟ اور نہ مناؤ گے، تو کیا آقا اور رسولؐ کا دن نہ منائیں گے؟ یہ تو یوم تشکر ہے۔ مگر انداز وہ ہوں، جو آقا کو پسندیدہ ہوں۔ طریق یا دوہ ہو، جو رسول اللہؐ کو پسند آئے۔ اللہ کو سارے انسانوں کی تعریف تو پسند نہیں آئی۔ اس نے وضاحت سے کہا، میں صرف محمدؐ کو محمد

سمجھتا ہوں۔ اگر کسی شخص نے میرے شان شایاں تعریف کی ہے تو یہ محمدؐ ہیں۔ اس لیے زمین پر آپ کا اسم گرامی محمدؐ ہے، تو آسمانوں پر احمد ہے۔ ہم نے پسند کیا کہ ساری کائنات میری تعریف کرنے والے کی تعریف کرے۔ سو زمین پر اسم گرامی محمدؐ ہوا۔ آپ تو صرف اپنا حصہ ہی ڈال سکتے ہیں۔ درود سے، سلام سے، خیرات اور صدقات سے، علم، محبت اور غریب کی پرورش ہے، یتیم کی نگہداشت سے۔ اس سے زیادہ بڑھ کر آپ میلاد کو کیا کر سکتے ہیں۔ ناچ، رنگ، گانا......؟

میں نے میلاد کو حج کے ساتھ بالکل نہیں ملایا۔ بلکہ میں نے یہ کہا کہ کسی دن کو مقرر کر لینا کوئی خلاف فطرت اور شرع نہیں ہے۔ حج کو چھوڑ دیجیے۔ حج کے پیچھے آپ یہ دیکھیے، کچھ روز مقرر ہیں۔ کسی رسم و عبادت کے لیے۔ جیسے میں نے آپ کو مثال دی کہ نویں محرم کو اگر قوم موسیٰ نیل سے گزرنے کا دن مناتی تھی، تو رسول اللہؐ نے اسے ناپسند نہیں فرمایا۔ اس زمانے میں عیسائی موجود تھے اور قوم عیسیٰ باقاعدہ اپنے نبی کا یوم ولادت بھی مناتی تھی۔ حضورؐ کے پاس سے ہمیں ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی، جس سے حضورؐ نے فرمایا ہو کہ یہ طریقہ ناپسندیدہ یا غلط ہے۔

اب رہا آپ کے پہلے سوال کا جواب کہ اصحاب رسولؐ نے اپنی زندگی مبارکہ میں یہ دن نہیں منایا۔ اس کی بنیادی وجہ بالکل سمجھ میں آتی ہے کہ جتنا عرصہ بھی اصحاب رسولؐ زندہ رہے اور جتنا عرصہ بھی اس سوسائٹی میں رہے، ان کے لیے امت مسلمہ کے بڑے بڑے کام پیش نظر تھے کہ ان کا کوئی سسٹم ابھی واضح طور پر تخلیق نہیں ہوا تھا۔ جیسے حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس پہلی مرتبہ ایران سے جو لوگ آئے، انہوں نے کہا کہ آپ صدقات اور زکوٰۃ کے علاوہ بھی ٹیکس لگائیں، تو انہوں نے کہا، کیسے لگاؤں؟ انہوں نے کہا، ایران میں ہم گھوڑے داغتے ہیں اور راہداری لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، ٹھیک ہے، ہم بھی ایسا کریں گے۔ انہوں نے سرکاری گھوڑوں کو داغنا شروع کر دیا اور راہداری لینی شروع کی۔

آپ کو یہ خیال ہونا چاہیے کہ ابتدائے اسلام سے تمام سسٹم ترتیب پا رہے تھے اور میلاد سسٹم میں نہیں۔ میلاد انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ میلاد کا ہمیں یہ قطعاً پتہ نہیں ہے کہ رسول اللہؐ کے اصحاب یوم ولادت مصطفیٰؐ پر کیا طرز عمل رکھتے تھے۔ مگر ہمیں ایک بات کا یقینی علم ہے کہ رسول اللہؐ کے اصحاب ہر روز کو یوم میلاد سمجھتے تھے۔ ہر روز وہ سنت رسولؐ کی مطابقت کی کوشش کرتے تھے۔ وہ ہمہ تن رسول اللہؐ کے پیغام اور ان کے طریقۂ کار کو مخلوق میں پھیلانے کے

لیے جدو جہد کرتے تھے۔ چونکہ یہ ایک انفرادی عمل تھا،تمام اصحاب رسولؐ اس وقت یہ کوشش کر رہے تھے کہ بحیثیت ایک حکومتی اور عملی نظام کے اسلام کی عملی صورت ہو جائے۔ اس میں ایک انفرادی اور ذاتی چیز اتنی نمایاں نہیں ہو سکتی۔

باقی مسلمان یوم ولادت مصطفیٰؐ کو اور اصحاب رسولؐ اسے کیا سمجھتے تھے؟ اگر آپ احادیث غور سے پڑھیں،تو آپ کو احساس ہوگا کہ رسول اللہؐ کے ہر دن کی روداد، ہر لمحے کی بات اور ایک ایک انداز کسی صحابی کو عمر بھر نہیں بھولا۔ اب وہاں اتنی بڑی یاد کے عالم میں آپ میلاد نہیں ڈھونڈ سکتے۔ یہ تو آپ کی بات ہے کہ جب آپ اللہ کی یاد سے بھی غفلت کریں اور رسول اللہؐ کے عادات و خصائل سے بھی ہماری غفلت ہو،تو آج ہمیں زبردستی یاد کرانا پڑتا ہے۔ میں ایک بار لاہور میں تھا۔ میلاد کا جلوس گزر رہا تھا اور اس دن کے بعد میں نے میلاد کا جلوس کبھی نہیں دیکھا۔ قوم واہیات کو میں نے دیکھا کہ وہ ایک دوسرے کو دھکے مار رہے تھے۔ زن و مرد آپس میں بے اعتدالیاں کر رہے تھے۔ فلمی میوزک ان کی گاڑیوں پر چل رہے تھے۔ مجھے ذہنی طور پر اتنی کوفت ہوئی کہ میں نے اس دن کے بعد کوئی میلاد کا جلوس نہیں دیکھا۔ سارے مسئلے کو چھوڑ دیجیے، دل پر صرف ایک بات کو رکھئے کہ اگر آپ کو یہ پتہ ہو کہ آج رسول اللہؐ کی پیدائش کا دن ہے،تو آپ کیسا محسوس کریں گے؟ بس اتنا ہی!

آپ کو صرف اتنا پتہ ہو کہ آج رسول اللہؐ کی پیدائش کا دن ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہوں کہ آج ہے،تو منانا کس کو کہتے ہیں؟ کچھ نہ کچھ تو آپ کا احساس زیاں جاگے گا؟ کچھ تو آپ کو خیال آئے گا، کہ آج تھوڑا سا زیادہ پرہیز گار ہو جاؤں۔ تھوڑے سے عمل نیک اور کر لوں۔ کیا رمضان کوئی نرالا مہینہ ہے؟ ادھر رمضان آیا، ادھر شرارتوں کی لُٹیا ڈوب گئی۔ ادھر آپ نیکوکاروں میں سے ہو گئے۔ ادھر بازار بند ہو گئے۔ مسافروں کے کھانے بند ہو گئے۔ کیا یہ لائق ہے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ تو اجازت دیتا ہے کہ مسافر روزہ نہ رکھے۔ مسافر بے چارے کو پانی کہاں سے ملے گا کہ مقدس مسلمانوں نے بازار اور ریڑھے بند کر رکھے ہیں۔ وہ تو لٹھ لے کر ''نکر'' پڑے ہوں۔ کیا تفہیم ہے دین کی اور دین کے اعمال کی، جو ہمارے ذہن میں آتی ہے؟

اگر ہم نے اچھے دنوں کو یاد نہ رکھا،تو برے دنوں کو ضرور یاد رکھیں گے۔ ہمیں ہر ایک دن یاد ہے۔ ہر دنیا والے کا دن مناتے ہوئے ہمیں ایک ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہوتا۔ آج

قائداعظم ڈے منارہے ہیں۔ کل اقبال ڈے منارہے ہیں۔ اس میں کوئی اخلاقی حرج نہیں، کوئی بدعت نہیں ہے کہ اقبال کا دن منائیں۔ چھٹی لے کے ہم سب خوش ہوتے ہیں۔ کوئی فائدہ ہو نہ ہو، اقبال ڈے کی چھٹی تو ہوتی ہے۔ اس چھٹی کے لیے ہم اس دن کی آرزو کرتے ہیں اور جو دن ہمارے گناہوں کی برأت کا اور شافع محشر کا دن ہو۔ اس کی محبت کو یاد کرنے کا دن ہو اور اپنے نقائص سے فروگذاشت کرنے کا دن ہو، اسے بدعت کہتے ہیں۔

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ وہ انسان کبھی گنہگار نہیں ہوتا، جو پشیمانی محسوس کرے اور توبہ کرے۔ اگر آپ کے دل میں یوم پیدائش رسول اللہؐ ایک ذرہ برابر اللہ کا شکر پیدا کر جائے کہ اے میرے مالک وکریم! آج تو نے میرے آقا اور رسولؐ کو پیدا کر کے مجھے کتنی جہالتوں سے نجات بخشی ہے۔ مجھے اپنے ساتھ کتنی امیدیں بخشی ہیں، تو شاید اسی میں آپ کی نجات ہو جائے۔ آپ جلسے کریں نہ ہنگامے کریں۔ اس خرافات میں نہ پڑیں، جن کو میں نے دیکھا۔ ایک جلوس نکلا ہوا ہے۔ ادھر دیوبندی ہے، اُدھر بریلوی ہے۔ بریلوی خرافات میں مصروف ہیں اور دیوبندی اس سے بڑھ کر خرافات میں مصروف ہیں۔ جب جلوس پاس سے گزر رہا ہے، تو وہ بار بار کیسٹ چلا رہے ہیں۔ اعوذ باللہ مین الشیطان الرجیم. اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. بھئی اگر وہ شیطان ہیں، تم تو انسان ہو۔ اگر دونوں ہی فساد کی راہ ڈھونڈ رہے ہو، تو میلاد نہیں ہو سکتی۔

میلاد کوئی مخصوص اور زائد چیز نہیں ہے۔ یہ بدعت بھی نہیں ہے۔ بدعت تو تب ہوتی، حضورؐ نہ پیدا ہوئے ہوتے اور آپ مناتے۔ یہ تو رسول اللہ کی سالگرہ ہے۔ ہو سکتا ہے، سالگرہ منانا آپ کو پسند نہ ہو۔ میں تو بڑا خوش ہوتا۔ کیوں کہ مجھے رسول اللہؐ نے یہ بتایا کہ اللہ کو دو چیزیں سب سے زیادہ پسند ہیں۔ ایک حسن کلام، اچھا اخلاق اور دوسرا حسن طعام۔ یعنی اچھا کھانا کھلانا۔ اتفاق سے دیکھیں کہ سالگرہ کے موقع پر آپ کو بڑی مہمان نوازی کا موقع ملتا ہے۔ آپ رشتہ دار اور دیگر لوگ بلاتے ہیں۔ اچھا اخلاق برتتے اور کھانا کھلاتے ہیں، مٹھائیاں بانٹتے ہیں۔ مجھے تو سالگرہ بری نہیں لگتی۔

اسی طرح یوم ولادت رسول اللہؐ ہے۔ میں نے اپنا ثواب اس میں جانا کہ اپنے باپ کی خدمت میں ہدیہ تبرک پیش کیا۔ کچھ پکایا، کچھ پڑھا، کچھ ذکر کیا اور اس کا ثواب ان کو بخشا۔ بیشتر باپوں کی اولاد جنت میں صرف اس لیے چلی گئی کہ جب اللہ نے باپ سے پوچھا، تو بے چین کیوں

ہے؟ اس نے کہا، میں تو جنت میں بھی آ کے پریشان ہوں ۔ انہوں نے کہا، کیوں پریشان ہو؟ کہا، اللہ میاں تم نے میرے بچے جہنم میں پھینک دیئے، میں کیسے خوش ہوسکتا ہوں؟ یا رٹھیک ہے، اس کی وجہ سے اس کے بچے بھی لے آ ؤ۔ تو یہ تو نسبتوں کے سوال ہیں۔

ہم اپنے باپ کے لیے درجات کی بلندی مانگ لیں، تو درجات تو ان کے اتنے بلند ہیں کہ ہمارے ذہن سے ہی بالاتر ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، جب تم نماز کی اذان سن لو، تو میرے لیے دعا کرنا ۔ آپ نے فرمایا، جنت میں ایک مقام ہے۔ یہ بخاری اور مسلم کی حدیث ہے۔ اس مقام کا نام مقامِ وسیلہ ہے۔ جس وسیلے سے آپ سب انکار کرتے ہیں۔ میں خدا سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مقام مجھے عطا کیا جائے گا۔ تم بھی میرے لیے مقامِ وسیلہ کی دعا کیا کرو۔ جب اذان کے بعد آپ دعا کرتے ہیں۔ چاہے دیو بندی یا بریلوی کرے یا وہ اہلحدیث ہو، تو مقام محمود، مقام شفاعت اور مقام وسیلہ کی دعا کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ تو میلاد کچھ نہیں۔

یہ میں آپ کو بتا دوں، یہ ایک ذاتی معاملہ ہے۔ کوئی کسی کو زبردستی نہیں یاد رکھ سکتا۔ اگر آپ کو یاد آتے ہیں، تو آئیں گے۔ نہیں یاد آتے، تو نہ آئیں گے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ خیرات میں بھلائی ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ آپ اللہ اور رسول اللہؐ کے اچھے بندے ہیں۔ رسولؐ کے اچھے تابع ہیں، تو پھر آپ کو اس دن کا خیال کرنا پڑے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی بہتر کام کروں، جس سے میرا خدا اور میرا رسولؐ راضی ہو۔ اس سے زیادہ میلاد کی کوئی حیثیت نہیں۔ اجماع تو اسی وقت اس کو منائے گا، جب اخلاق باختگی سے پرہیز کرے گا۔ جب اپنے بھائیوں کی مدد کرے گا اور ان کی خدمت سرانجام دے گا۔ یہ میں نے نہیں دیکھا کہ میلاد والے دن لوگ اٹھیں، یتیموں کے گھر ڈھونڈیں۔ کپڑے سئیں اور بےلباس کو لباس دیں۔ میں نے نہیں دیکھا کہ لوگ قرض داروں کے قرض اتاریں جو کہ ہونا چاہیے۔

واقعہ معراج کی حقیقت

معراج کے دو بڑے سوالات ہیں۔ پہلا یہ کہ کیا یہ بدنی معراج تھی؟ اور کیا رسول اللہؐ نے اپنے رب کو دیکھا؟ دوسرا گروپ یہ کہتا ہے کہ جبریل امین کو دیکھا۔ اگر میں پہلے قول پر یقین رکھوں کہ یہ معراج بدنی نہیں تھی اور یہ کہ رسول اللہؐ نے جبریل امین کو دیکھا، تو یہ معراج منتج ہی

نہیں ۔معراج ایک ایسی سیڑھیوں کی تکمیل ہے، جو اپنی انتہا تک پہنچتی ہیں ۔معراج درجات کی بلندی ہےاور انتہا ہے۔ان تمام درجات کی، جو انسانوں پر وارد ہوئیں ۔اگر رسول اللہؐ بدنی طور پر آسمانوں پر نہیں گئے، تو اس میں کوئی رسول اللہؐ کا کمال نہیں ۔اس لیے کہ خواب میں کائنات کے آسمان ،خدا، جنت اور جہنم دیکھ لینا ایسی کون سی کمال کی بات ہے؟ اس دنیا میں چھ ارب لوگوں میں سے کم از کم آپ کو ساٹھ ہزار آدمی ایسے مل جائیں گے، جنہوں نے یہ معراج حاصل کی ہو۔جس نے جنت اور خواب میں دوزخ دیکھی ہوئی ہو۔ممکن ہے، ملائکہ سے بھی ملاقات کی ہو۔

ابھی کچھ دن پہلے ایک صاحب نے مجھے کہا کہ اس نے خواب میں خدا بھی دیکھا۔تو اس میں قطعاً کوئی صفت پیغمبر نہیں پائی جاتی ۔اگر خواب میں خدا کو دیکھنا صفت ہوتی، تو ابوجہل، ابوبکرؓ کو کہنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتا کہ آج تیرا پیغمبر نرالا دعویٰ لے کر آیا ہے۔اگر رسول اللہؐ نے خواب دیکھا تھا اور خواب میں وہ آسمانوں پر بلند ہوئے تھے،تو پھر ابوجہل کو کیا ضرورت تھی کہ آج ہر قیمت میں ابوبکرؓ جھٹلائے گا۔اس لیے کہ حضرت ابوبکرؓ حقیقت کے آدمی تھے۔وہ اپنی قوم کے سیانے، عملی اور سچے آدمی تھے۔جھوٹ کو برداشت نہیں کرتے تھے۔

فرض کریں ،ابوجہل حضرت ابوبکرؓ کے پاس چلا جاتا اور کہتا کہ آج تیرے پیغمبر نے یہ خواب دیکھا ہے،تو اس نے اعتراض کیا کرنا تھا؟ مگر وہ تو ابوبکرؓ کا صدق اور یقین رسول اللہؐ پر آزمانے جارہا تھا اور اس نے جا کے سیدھا حضرت ابوبکرؓ سے کہا، تیرا پیغمبر کہہ رہا ہے کہ میں پلک جھپکنے میں ساتوں آسمان عبور کر کے ملائے اعلیٰ پر پہنچ گیا ہوں اور سدرۃ المنتہیٰ پر جا کے لوٹ آیا ہوں ۔بتاؤ، یہ بات سچی ہوسکتی ہے؟ انہوں نے کہا، کس نے کہا ہے؟ اس نے کہا محمد رسول اللہؐ کہہ رہے ہیں ۔انہوں نے کہا، اگر وہ کہتے ہیں، تو سچ کہتے ہیں ۔اسی دن سے سیدنا عبداللہ بن قحافہ کا نام صدیق پڑا۔حضورؐ نے فرمایا، ہر نبی کا ایک صدیق ہےاور میرا صدیق عبداللہ بن قحافہ ہے۔

اب دوسری بات،حضرت عیسیٰ کمال درجات پر پہنچے ۔حضرت موسیٰ کو اللہ میاں نے کال کیا۔ ذرا اور پیچھے چلے جایئے۔حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے کہا کہ میں نے ابراہیم کو آیات کبریٰ دکھائی ہیں ۔آیات کبریٰ اور آیات الٰہی کیا ہیں؟ وہ تمام غیبی آثار ابراہیم کو دکھائے گئے، جو کسی بھی صورت ممکن نہ تھے۔ان میں فرشتے زمین پر چلے آرہے ہیں۔ سلام دعا لے رہے ہیں ۔آ کر ابراہیمؑ سے مصافحہ فرمارہے ہیں ۔سارہ خاتون پر سلام بھیج رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ابراہیم

تیاری کرو۔ بھئی کدھر آ رہے ہو؟ جی ہم تو قوم لوط کی طرف جا رہے ہیں۔ فرمایا، ادھر تو میرا بھائی لوط بھی ہے۔ کہا، ان کو بچا لیا جائے گا۔ یہ ایک نارمل واقعہ نہیں ہے۔ ملائکہ کا زمین پر اترنا، بندوں کے ساتھ باتیں کرنا، فیملی کے ساتھ گپ شپ لگانا، ملائیکہ کی دعوت کے لیے ابراہیم کا بچھڑا ذبح کرنا اور ملائکہ کا کہنا کہ ہم فرشتے ہیں، کھانا نہیں کھاتے۔ یہ معمول کا واقعہ نہیں ہے۔

ابراہیم گئے، موسیٰ آ گئے۔ صبح شام جبریل آ جا رہے ہیں۔ ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔ حتیٰ کہ موسیٰ کی تسلی ہی نہیں ہوتی۔ انہوں نے کہا، اللہ میاں! میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ نے کہا، دیکھ! تو نہیں دیکھ سکے گا۔ میں تو دیکھنا چاہتا ہوں۔ کہا، اچھا اس پہاڑ کو دیکھ۔ اس پر میں ذرہ برابر اپنا جاہ و جلال اور جمال ڈالوں گا، جو میں ہوں۔ یہ یاد رکھئے، اللہ نے پہاڑ پر کوئی جعل سازی نہیں کی۔ کوئی چمکار نہیں دکھایا۔ بلکہ کہا، اے موسیٰ! میں ذرا سا اپنا جاہ و جلال اس پہاڑ طور سینا پر ظاہر کر رہا ہوں۔ اگر وہ تو نے تھوڑا سا دیکھ لیا، تو تو مجھے دیکھ پائے گا۔ پھر وہ زلزلہ آیا۔ دھماکہ ہوا۔ موسیٰ بے ہوش ہو گئے۔ مگر لوگ کہتے ہیں، موسیٰ نے خدا کو نہیں دیکھا۔ کیا خیال ہے، آخر وہ کیا دیکھ کے بے ہوش ہوئے؟ وہ اللہ ہی تو تھا، جس کا نور دیکھ کے بے ہوش ہوئے۔ ابھی صرف جھلک ہی دیکھ پائے تھے۔

ان کی حریم ناز کہاں اور ہم کہاں
نقش و نگار پردہ در دیکھتے رہے

ابھی تو اللہ پوری طرح ظاہر ہو ہی نہیں پایا۔ ذرا سی جھلک دکھائی رخ انور کی اور موسیٰ گئے حواس سے۔ اللہ میاں نے کہا، چلو تجھے ایک اور بڑی نعمت دیتا ہوں۔ تو مجھے نہیں دیکھ سکا نہ سہی، مگر تجھے کلیم کا میں دعویٰ دے دیتا ہوں۔ تو مجھ سے کلام کر لے۔ یہ بڑا رتبہ ہے پیغمبروں میں۔ پہلے کسی سے براہ راست کلام نہیں کیا۔ تو بڑا عظیم المرتبت نبی ہے۔ تو مجھے بہت پسند ہے۔ میں تجھ سے کلام کر لیتا ہوں۔ سو اللہ نے اس سے کلام کیا اور کلام معراج مقام موسوی ٹھہرا۔

مگر اس پوری زمین پر کوئی شخص اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اللہ ہے۔ کیونکہ اس پوری زمین پر کسی شخص نے اللہ کو بالمشافہ نہیں دیکھا ہوا تھا۔ کوئی شخص خدا پر شاہد نہ تھا۔ نذیر ضرور تھے، شاہد کوئی نہ تھا اور شاہد بذاتہ وجود سے شہادت دیتا ہے کہ میں نے خدا کو دیکھا ہے۔ موسیٰ کا جگر تو نہیں چیرا گیا تھا۔ ان کو انشقاق قلب نہیں ہوا تھا۔ ان کے دل میں صفائی نہیں ہوئی تھی۔ جب

محمد رسول اللہؐ کو بلایا گیا، تو ایک ایسا اعزاز بخشا گیا، جو پہلے کسی کو حاصل نہ تھا۔ کلام اگر موسیٰ کو بخشا گیا، تو جبریل عیسیٰ کو بخشے گئے۔ جبریل کوئی زائل شے نہیں تھے۔ جبریل عیسیٰ کو بخشے گئے وایـدنـٰـه هو بروح القدس (پ ا س البقرہ، آیت ۸۷) جبریل ہی ہیں یا روح القدس؟ روح القدس کا یہ عالم تھا کہ عیسیٰ کے ساتھ ساتھ لگے پھرتے تھے۔ عیسیٰ کی جگہ لوگوں کو زندہ کرتے تھے۔ کوڑھیوں کو صحیح کرتے تھے۔ برص کے مرض کو دور کرتے تھے۔ ان کے جنون اور سرسام کا علاج کرتے تھے۔ ہر جگہ حضرت جبریل امین عیسیٰ کے ساتھ تھے۔ اس میں کون سا بڑا کمال تھا؟ اگر رسول اللہؐ یہ کہتے کہ معراج، معراج جبریل تھا۔ مگر یہ معراج حضرت عیسیٰ کو نصیب تھی۔ یہ کمال نبوت مصطفیٰ نہ تھا۔ سو اللہ نے دلیل اور محبت تمام کرنے کی خاطر یہ اہتمام کیا، تاکہ پوری بنی نوع آدم میں سے ایک انسان یہ شہادت دے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے، اپنے خیال سے اللہ کو دیکھا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا ہوتا ہے کہ کیسے؟

وہ کچھ اس طرح سے آئے مجھے اس طرح سے دیکھا
میری آرزو سے کم تر میری تاب سے زیادہ

اب یہ اللہ پر منحصر تھا کہ وہ کس انداز میں آئے گا۔ اس کو اپنے بندے کی استطاعت، اس کی طاقت، علم و حکمت اور اس کے وژڈم پر اسیس کا علم تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ رسول اللہ کا ظرف کیا تھا؟ مجھے اقبال کا ایک شعر بہت پسند ہے۔ وہ ایک ہلکا سا تقابل حضرت موسیٰ اور رسول اکرمؐ میں ہے۔

تو بر نخل کلیم بے تحاشہ آتش ریزی

کہ جب موسیٰ نے تجھے دیکھنے کی آرزو کی، بر نخل کلیم۔ تو تو کلیم کے درخت پر آگ بن کے گرا۔

تو بر نخل کلیم بے تحاشہ آتش ریزی
تو بر شمع یتیم صورت پروانہ می آئی

اور یتیم کی شمع پر تو خود پروانے کی طرح آیا۔

میرا خیال یہ ہے کہ ہمیں تمام صحابہ کے ساتھ اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ رسول اللہؐ بدن سے معراج پا گئے اور انہوں نے حضور یزداں میں جگہ پائی۔ اللہ کو دیکھا اور شہادت اول و آخر مکمل کی۔

یہ اس لیے بھی تھی کہ اس کے بعد اللہ پر کسی شہادت کو نہیں آنا تھا۔ اب شہادت کلام اور شہادت ملائکہ نہیں چاہیے تھی۔ شہادت رویت یزداں مراد تھی اور یہ وہ رسول اللہ کو عطا ہوئی۔ اس میں قطعاً کسی شبے کی گنجائش نہیں ہے۔

معراج کا یہ دوسرا پہلو ہے کہ اللہ نے قرآن میں کہا، اے گروہ جن وانس! اگر تم کوشش بھی کرو، تو اقطار السماوات سے نہیں گزر سکتے۔ الا بسلطان ہاں مگر سلطان کے ساتھ، دلیل غالب اور حکمت غالب کے ساتھ۔ ابھی تک زمین وآسمان اور کائنات میں کوئی انسان ان ساتوں افلاک اور ساتوں کائنات سے نہیں گزرا۔ بہت سے پیغمبر بھی گئے۔ کوئی آسمان اول پر کوئی دوئم پر۔ مگر ان پیغمبروں میں سے کسی نے بھی اقطار السماوات سے آگے گزر نہیں کی۔ مگر اس میں الا بسلطان کی کوئی دلیل ضرور چاہیے تھی۔ زمین پر ایک ایسا انسان ہے کہ جو یہ دعا مانگتا ہے رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق و جعل لی من لدنک سلطان نصیرا (پ ۱۵، بنی اسرائیل، آیت ۸۰) اے پروردگار! مجھے اپنی طرف سے سلطان نصیر عطا فرما اور یہ وہ سلطان نصیر ہے کہ زمین پر ایک شخصیت بغیر کسی راکٹ اور کسی انسٹرومنٹ کے ایسے مقام سے بھی آگے گزر گئی، جہاں جبرئیل امین بھی رہے جاتے تھے اور شکایت کرتے تھے کہ اگر میں ذرا بھی آگے بڑھا، تو میرے پر جل جائیں گے۔ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

اور کتنی حیرت کی بات ہے کہ لوگ کہیں، رسول اللہؐ نے جبریل کو دیکھا اور جبریل یہ کہہ رہے ہیں کہ یا رسول اللہ! اگر مقام سدرۃ المنتہٰی سے ایک بال بھی آگے بڑھا، تو فروغ تجلی بسوزد پرم۔ اللہ کی تجلی میرے بال و پر جلا دے گی۔ آپ نے فرمایا، میں آگے جا رہا تھا کہ مجھے اور ملائکہ ملے۔ فرمایا، میں نے عرش کے نیچے لوح و قلم کے فرشتوں کی کلک کی آوازیں سنیں، جو وہ لکھ رہے تھے۔ یہ اتنا بڑا جہان، اتنی بڑی دنیا، اتنی بڑی کائنات اور اس میں صرف ایک ہی شخص مراد کائنات، مراد زندگی اور مراد پروردگار تھا۔ اللہ اپنے بندے کو یہ رنگ بھی نہیں دے سکتا، تو کس نے دینا تھا؟

حضورؐ پر جادو

رسول اللہ کی حیات مبارکہ میں ایک ذرہ برابر بھی غلط فہمی اور کم علمی کا شائبہ نہیں ہے۔

کوئی بات سرکار رسالت مآبؐ نے ایسی نہیں کہی، جس کے نتائج اور جس کے علمی فوائد امت کے لیے عمومی نہیں۔ لوگ بہت سوال کرتے ہیں کہ حضورؐ پر جادو کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ اور اگر حضورؐ پر جادو ہوسکتا ہے تو پھر عام بندوں کی اس میں کیا حیثیت ہے؟ میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ اگر ایک بہت بڑا استاد، جس نے قیامت تک کے لیے انسانوں کے لیے علم وتعلیم میں آخری حرف چھوڑنا ہو، کیا وہ ایک چیز کی حقیقت کو جانے بغیر اس کا علم دے گا؟ کیا کوئی ایسا استاد اچھا استاد کہا جا سکتا ہے، جس کو ایک چیز کا علم نہ ہو اور وہ علم کے بارے میں گفتگو کرے؟ یہ یاد رکھیے کہ رسول اللہؐ کی ہی ایک حدیث مبارک ہے کہ بہترین علم یہ نہیں کہ میں جانتا ہوں۔ بہترین علم یہ ہے کہ جب کسی بات کا پتہ نہ ہو تو کہے، میں نہیں جانتا۔ ایسا بڑا استاد اگر سحر کے بارے میں گفتگو کرتا اور وہ سحر کے اثرات کو نہ جانتا ہوتا، تو پھر آپ اس استاد کو کیا کہتے؟

واقعہ صرف اتنا ہے کہ حضورؐ نے رہتی دنیا تک اپنی امت کے لیے جادو، اس کی علامات اور اس کے اثرات کے بارے میں آپ تک علم چھوڑنا تھا۔ اس لیے حضورؐ پر جادو نہیں ہوا، بلکہ حضورؐ کے باطن سے جادو گزارا گیا۔ اگر اللہ اور جبریل کے ہوتے ہوئے جادو ہو جاتا، تو پھر اللہ کی کیا حیثیت تھی اور جبریل کی کیا حیثیت تھی؟ پھر ان ملائکہ، مقربین کی کیا ضرورت تھی؟ ان کی کس ضمن میں بڑائی ہوتی۔ اگر خدا کے ہوتے ہوئے شیطان رسول اللہ پر دسترس حاصل کر لیتا؟

واقعہ یہ ہے کہ بحیثیت ایک بہت بڑے استاد کے حضورؐ کی حدیث مبارک ہے کہ سب سے بڑا سخی اللہ خود ہے اور سب سے بڑا سخی پھر میں ہوں، جو لوگوں کو علم دیتا ہوں۔ اس کے بعد وہ عالم ہے، جو اللہ کے لیے لوگوں کو علم دیتا ہے۔ کائنات میں جادو اور سحر کا وجود تو ہے۔ جنات کی گرہیں، جیسے قرآن کی آیت بھی بتاتی ہے گرہیں لگانے والی عورتیں اور حاسدوں کے حسد میں جادو ہے۔ اسی طرح غیبت کرنے والوں کی غیبت میں جادو ہے۔ حضورؐ سے بہت پہلے حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں بھی یہ واقعے ہوئے۔ کسی پیغمبر نے سحر یا جادو کے مظاہرات نہیں پیچھے چھوڑے۔ پہلی دفعہ قرآن حکیم میں موسیٰؑ کے ضمن میں اللہ نے واضح کہا کہ اصل میں جادو کا اثر خیال اور یادداشت پر ہے۔ اس چیز کو حقیقی سمجھنا جو حقیقی نہیں ہے۔ جیسے جادوگران قوم موسیٰ نے رسیاں بانٹ رکھی تھیں۔ رسیاں کیوں حرکت میں آئیں، اس کی منطق موجود تھی۔

اخبار میں خبر پڑھنے کو ملی کہ ہندوؤں نے مسلمانوں پر غالب آنے کے لیے ویدانت کے منتروں سے استفادہ کرنے کا سوچا ہے۔ ویدانت کے منتروں میں کچھ تراکیب ایسی ہیں، جنہیں ہمارے سنیاسی بھی جانتے ہیں۔ ایک سنیاسی مجھ سے ملا۔ اس نے کہا، اگر بستر پر بچے پیشاب کر دیتے ہیں اور اس کو روکنا ہو تو جنگلی کبوتر کی بیٹھیں ابال کر اس کو پلا دو، وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اب میں نے سنیاس تو لیا ہوا نہیں ہے، نہ بن باس لیا ہوا ہے۔ اس نے طریقہ مجھے بتا دیا۔ درد گردہ کا بھی طریقہ میں نے اس سے سیکھا۔ مگر وہ آدمی نزوس کا علاج نہیں کر سکا۔ اس کو انتہائی شدید تکلیف ہوتی تھی۔ وہ یورالوجی کا مریض تھا۔ چیختا چلاتا میرے پاس آیا۔ اس نے کہا، پروفیسر صاحب! اگر آپ میری یہ تکلیف کچھ ٹھیک کر دیں، تو میں آپ کو بڑے بیش قیمت نسخے بتاؤں گا۔ مجھے تو ضرورت نہیں تھی۔ سو اس نے مجھے بڑے بیش قیمت نسخے بتائے۔ ان میں سے دو میں نے آپ کی نذر بھی کر دیئے۔ چاہے آپ بیٹھیں ابالیں نہ ابالیں، میں نے ان پر عمل نہیں کیا۔

سنیاس پن کا ایک نسخہ میں ڈاکٹروں کو بہت بتاتا ہوں۔ کہتا ہوں، میں نے یہ نسخہ سنا اور یہ اتنا خطرناک مرض کا ہے، جس کا علاج کوئی نہیں ہے۔ جسے آپ رعشہ کہتے ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک بندہ صحت یاب ہوتے دیکھا۔ اس کا ہاتھ کانپتا تھا۔ پیالی تھامے نہیں تھمی جاتی تھی۔ یہ تو نے کیسے کیا؟ اس نے بتایا کہ میں نے کرات مرغا لیا۔ اب کسی کو کیا پتہ، کرات مرغا کیا ہوتا ہے؟ اب دیکھیں، اس ٹرمنالوجی میں بھی اسرار ہے۔ کرات مرغا اس کو کہتے ہیں، جس کی چونچ اور پاؤں سیاہ ہوں۔ پھر اس نے کہا، میں نے آگ کا دودھ لیا۔ اس میں کرات مرغے کے پاؤں کی ساری ہڈیاں دودھ میں بہت سارا جمع کر کے ڈال لیں۔ اس کو گرم کیا۔ اتنا گرم کرو کہ مرغے کی ہڈیاں پس جائیں۔ دودھ خشک ہو جائے اور سفوف بن جائے۔ اس سفون کا ایک چمچ صبح، ایک دوپہر اور ایک شام کو لیں۔ پرکنسن ختم ہو جائے گی۔ چونکہ میں نے اس کی پرکنسن ختم ہوتے دیکھی ہے، اس لیے میں اس پر گواہ ہوں۔ اب مجھے نہیں پتہ کہ اس کا اثر دیرپا ہے یا نہیں۔

بہت بڑے عالم اور استاد کی یہ شان نہیں ہے کہ ہوائی باتیں کرے۔ رسول اللہؐ کے باطن سے جادو گزارا گیا اور جب جادو گزارا گیا تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جادو کا اثر یہ ہے کہ آدمی بھولنا شروع ہو جاتا ہے۔ ایک خیال سے بہت زیادہ چپک جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ اپنی بیویوں کی باری بھول جاتے تھے۔ اب آپ پھر قرآن کی بات یاد کیجیے کہ خدا کہتا ہے

فیتعلمون منہما مایفرقون بین المرء والزوجہ (پ ا،س البقرہ آیت۱۰۲)ان کے مقاصد یہ ہیں کہ تعویذ حب دے دیا۔ تعویذ بغض دے دیا۔ میاں بیوی میں فرق ڈال دیئے۔ دوسروں کے کام بگاڑ دیئے۔ رسول اللہؐ پر جب جادو ہوا،تو یہ اس کا عملی مظاہرہ تھا۔ یہ دکھانے کے لیے کہ اثرات ہوتے ہیں۔ باریاں بھول گئے یا انہوں نے محسوس کیا کہ کچھ چیز یاد آ رہی ہے۔ نماز میں وقفے بڑھ گئے۔ جب حضورؐ کو نجات دی گئی،تو حضورؐ ایک ایسے عالم باعمل تھے، جن کو پتہ تھا کہ سحر کیا ہے۔ اس کے اثرات کیا ہیں اور یہ بندوں پر کس طرح عمل کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس کا علاج دے دیا یعنی سورہ الناس اور سورہ الفلق اور فرمایا کہ آسمان کے عرش کے نیچے سے مجھے دو سورتیں ایسی شاندار چمکتی ہوئی عطا ہوئیں۔ اس سے پہلے دفع سحر کے لیے حضورؐ بہت ساری آیات پڑھتے تھے، مگر جب الناس اور الفلق اتریں،تو حضورؐ ان پر اکتفا فرماتے تھے۔

پیغمبر پر اس طرح جادو نہیں ہوا۔ بلکہ وہ ایک عالم کے علم کا تجربہ ہے۔ اس تجربے کو آپ تک انہوں نے پہنچایا۔ انہوں نے کوئی بات ایسی نہیں کہی، جس کے بارے میں ان کو مکمل علم نہ تھا یا جس کے بارے میں علم نہ ہو۔ حضورؐ کی ہدایت ہے کہ یہ ضرور کہو کہ عالم وہ ہے جو یہ نہ کہے کہ مجھے ہر بات کا علم ہے۔ بلکہ وہ ہے، جو یہ کہے کہ مجھے اس بات کا علم نہیں ہے۔ خدا اس کو بہتر جانتا ہے۔

اسلام اور عورت

قرآن حکیم میں خواتین نے ایک دفعہ عرض کی، یا رسول اللہؐ! یہ کیا مصیبت ہے۔ لگتا ہے سارا قرآن مردوں کے لیے ہے۔ خطاب اور بات میں ہر حکم مردوں سے ہے۔ ہمیں تو آپ نے کسی حساب کتاب میں ہی نہیں رکھا، کہیں شمار ہی نہیں کیا۔ حضور گرامیؐ مرتبت ابھی خاموش تھے کہ اللہ نے اپنی بندیوں کی بات سن لی۔ فوراً آیات اتریں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ معاشرہ مردانہ غلبے کا ہے، تو ہم میل کو خطاب کرتے ہیں۔ وہ مختصراً اور تفصیلاً جا کر بیوی کو یہ بات بتا دے گا۔ باپ بیٹی کو اور بھائی بہن کو بتا دے گا۔ مگر یہ تمہارا گلہ بڑا ٹھیک ہے کہ ہو سکتا ہے، آئندہ آنے والی نسلوں میں یہ اجماع بن جائے کہ قرآن ہمارے لیے ہے ہی نہیں۔ خدا نے ہمیں تو خطاب ہی نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا، ایسی بات نہیں ہے۔ بلکہ پوری آیات میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا ذکر ہے۔ والقنتین والقنت والصادقین والصادقت والصابرین والصابرت اور والحافظین فروجھم والحفظات (پ۲۲، س الاحزاب، آیت ۳۵) اور آخر میں بڑے کمال کی بات کی۔

قرآن حکیم کے انداز کا آپ کو پتہ ہو، تو خدا کے ہاں پیچھے آنے والا پہلے آنے والوں سے بہتر ہوتا ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے، جو قاعدہ اور قانون ربانی میں آئی ہے۔ جیسے حضرت آدمؑ سے سلسلہ شروع ہوا اور صحف آدم سے بات شروع ہوئی۔ چلتے چلتے قرآن تک آئی۔ مگر جب قرآن آیا، تو پیچھے آنے والا سب آگے آنے والوں سے آگے بڑھ گیا۔ جب محمد رسول اللہؐ

آ ئے، تو یوں سمجھو، رسالت اپنی پناہ میں چلی گئی۔ محمد رسول اللہؐ جب تشریف لے آ ئے تو پھر ہدایت ورشد اور انسان کی بہتری کا کوئی ایسا درجہ نہ رہا جو پیچھے بچتا تھا۔ اسی لیے تمام کام کو سمیٹ کر ایک مقتدر اور اعلیٰ ترین نبوت پر اسے ختم کر دیا۔ قرآن حکیم جب پلسٹ دے رہا تھا، تو آ خر میں اس نے کہا، والذکرین اللہ کثیرا والذاکرات (پ۲۲، س الاحزاب، آیت ۳۵) ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں۔

میرے اپنے تجربے میں ایک بڑی عجیب بات آئی ہے کہ مردوں کو اگر آج بھی تھوڑا سا ذکر دیں، تو وہ کہتے ہیں، زیادہ ہے جبکہ بہت ساری خواتین ایسی آتی ہیں، جو کہتی ہیں، تھوڑا ہے۔ تھوڑا سا اور دے دیں۔ میں ان سے یہی کہتا ہوں کہ تم گھروں میں الجھی ہوئی ہو۔ بہت سارے کام کاج کرنے ہوتے ہیں۔ یہ کہاں تم ساری تسبیحات پڑھوگی؟ وہ کہتی ہیں، نہیں جی، میں تو بڑی آسانی سے پڑھ لوں گی۔ صبح اٹھتی ہوں۔ آسانی سے پڑھ لیتی ہوں۔ شام کے لیے کوئی دے دیں۔ میں تو خدا کی اس آیت کا قائل ہو گیا ہوں کہ آخر میں آنے والے ہر حال میں مردوں کے ذاکروں سے عورتوں کی ذاکرات بہتر ہوتی ہیں۔

یہ بات عملی طور پر اس وقت سامنے آئی، جی ایک وقت میں صوفیائے کرام کا آغاز ہوا، تو اس زمانے میں اس وقت پانچ بڑے عظیم ترین صوفی موجود تھے۔ حسن زبصرہ اور پھر حسن ابن علی سلاسل تصوف میں ان تینوں ناموں سے جا ملتے ہیں اور دوسرے حضرت ذوالنون مصری ہیں، جو اتنے بڑے زاہد مرتاض ہیں۔ بہت مجاہدہ و مشقت کے عادی اور قائل ہیں کہ انہوں نے زمانے بھر میں مجاہدات کی مثال قائم کر دی۔ ایک دفعہ غلطی سے اللہ کو کہہ بیٹھے کہ اللہ میاں تو جیسے چاہتا ہے، مجھے آزما لے۔ محبت میں اللہ سے کہہ تو بیٹھے کہ میں تیری خاطر ہر جبر سہنے کو تیار رہوں۔ اللہ نے کچھ بھی نہیں کیا، صرف مرض اسہال میں مبتلا کر دیا۔ چار پانچ دن گزرے کہ کہا اللہ میاں! بس بہت ہو گیا۔ میں بالکل اس آزمائش کے قابل نہیں ہوں۔

ایسے علمائے تصوف اس وقت موجود تھے۔ حضرت ذوالنون مصری کی طرح۔ حضرت خواجہ سری سقطیؒ اور خواجہ حبیب عجمی موجود تھے۔ ان چار بڑے نامی گرامی ولیوں کے ہوتے ہوئے بصرہ میں ایک عورت بھی موجود تھی۔ وہ تھیں رابعہ بصری، یہ کتب تصوف کے ریکارڈ پر ہے کہ یہ چاروں صوفیا ہدایت و رشد کے لیے رابعہ کے حضور جاتے تھے۔ انہیں اپنی خدمات پیش کرتے

تھے۔ ان سے درس تصوف لیتے تھے اور مدینہ میں حضرت رابعہ کا نام مشہور تھا کہ یہ رونے والی گڑیا ہے۔ کبھی ان کی آنکھ آنسوؤں کے بغیر نہ دیکھی گئی۔ خواجہ حسن بصری چونکہ بہت بڑے استاد تھے۔ ایک دن رابعہ سے کہا کہ رابعہ میرا بڑا دل چاہتا ہے، میں آپ سے نکاح کروں۔ آپ بھی اللہ کی طلب کرنے والی ہیں اور میں بھی۔ اچھا ہوگا ہم دونوں مل بیٹھیں گے۔ ایک ہی گھر میں ہوں گے۔ اجنبیت ختم ہو جائے گی۔ دونوں نے اللہ اللہ ہی کرنا ہے۔ رابعہ نے کہا، کیا کہہ رہے ہو؟ میرا تمہارا نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ حسنؒ نے کہا، کیوں نہیں ہوسکتا؟ اس نے کہا کہ طالب خداوند مرد ہے اور طالب دنیا عورت ہے۔ جو دونوں کو طلب کرے، وہ مخنث ہے۔ میں اور تم دونوں مرد ہیں، ہمارا نکاح کیسے ہوسکتا ہے؟ ایسے نفیس نکات تصوف والی وہ خاتون اور یہ اکیلی نہ تھی۔ اس کے ساتھ ہمارے پاس تصوف کی دنیا میں ایسی بے شمار خواتین موجود ہیں۔

میں نے کسی کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بڑا استاد نہیں پایا۔ جیسے حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ چار عورتیں بڑی معزز ہیں۔ سیدنا سارہ جیسی عورت زمین پر گزری ہی نہیں ہے، جو نسب کے لحاظ سے اتنی معزز ہو، جس کا باپ نبی، خاوند نبی، بیٹا نبی، جس کا پوتا بھی نبی ہے اور جس کا پوتے کا بیٹا نبی ہے۔ ایسے نسب والی عورت زمین پر نہیں گزری۔

پھر حضرت آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی ہے۔ انہوں نے اپنے اصول کی خاطر، محبت مرشدی اور محبت خداوند میں جو قربانی دی، حضرت موسیٰ کو سب کچھ جانتے ہوئے پالا۔ تو حضرت آسیہؑ نے اللہ کے ہاں بڑی عزت وتوفیق پائی۔ پھر سیدنا مریم ہیں، جن کو اللہ نے صدیقہ فرمایا۔ ان کا رتبہ تمام جہان کی عورتوں سے بلند فرمایا اور ان کی آغوش میں ایک معجزاتی پیغمبر رکھا۔

پھر ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ہیں۔ حضورؐ نے ان کے ہوتے ہوئے ان کے مال سے تمتع فرمایا۔ ان کے وجود سے فرمایا۔ اولاد ان سے حاصل کی اور جنت میں ان کے مکان کی ان کو خوش خبری دی۔ حدیث رسولؐ ہے کہ دنیا میں یہ چار عورتیں بڑی معزز ہیں۔ مگر اے عائشہ! تیری حیثیت ان میں ایسے افضل ہے جیسے ثرید کو باقی کھانوں میں فضیلت حاصل ہے۔

اب سوچنا پڑتا ہے کہ حضرت عائشہ کیوں اتنی معزز ہیں؟ لیکن اس سے پہلے ان پر جو ایک اعتراض پیش کیا جاتا ہے۔ معاذ اللہ! استغفر واللہ! مگر یہ نہیں کسی نے جاننے کی کوشش کی کہ آخر اس چھوٹی سی لڑکی کی اتنے بڑے آدمی کے ساتھ شادی کی ضرورت کیا تھی؟ اگر آپ اپنی مذہبی

کتابوں کو دیکھیں،تو آپ کو ایک عجیب سا جملہ نظر آتا ہے کہ حضورؐ بڑے اداس تھے۔ سیدنا ابوبکرؓ نے تالیف قلب کے لیے حضرت عائشہ کو ان سے بیاہ دیا۔ کیا تالیف قلب کے لیے کوئی اور خاتون نہیں تھی؟ صرف ایک چھوٹی سی بچی رہ گئی تھی؟ حضورؐ نے فرمایا، جبرئیل نے ایک نوزائندہ بچے کی طرح عائشہ کو ایک پالنے میں مجھے دکھایا۔ میں سوچتا تھا کہ اللہ میاں میں نے اس کا کیا کرنا ہے؟ باون سال یا پچاس سال کی عمر میں آپ ایک نوزائیدہ بچی دکھاتا ہے۔ میں نے اس کا کیا کرنا ہے؟ سوچتا رہا کہ اس میں اللہ کی کیا مرضی ہو سکتی ہے۔ اللہ کے رسول ہماری طرح اللہ پر طنز وتشنیع نہیں کر سکتے۔ فرض کریں، میں ایسی صورتحال میں ہوں، تو کہوں گا، اللہ میاں کا دماغ ٹھیک ہے کہ نہیں؟ کیوں ایسی مصیبت ڈال دی ہے؟ یہ کیا چیز پیش کر رہے ہیں؟

اس کی ایک بہت بڑی وجہ تھی۔ آج وہ وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ آپؐ کی تمام ازواج مطہرات سے جتنی احادیث مروی ہیں، ان کی تعداد صرف 17 ہے جبکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پانچ ہزار احادیث مروی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ دین کا ایک چوتھائی اس حمیرہ کے پاس ہے۔ اب آپ کو سمجھ آ گئی؟ ان عورتوں میں کسی کی یادداشت اتنی تازہ نہیں تھی کیونکہ تمام ازواج مطہرات ایک خاصی زندگی گزار چکی تھیں۔ جبکہ ام المومنین کو خدا نے صرف اسی لیے اٹھایا۔ پالا اور تازہ نوخیز ذہن دیا کہ اس نے ایک ایک لفظ، ایک ایک بات اور خیال حضرت محمدؐ کی عائلی زندگی کا محفوظ رکھا۔ وہ اس علم پر اتنی بڑی اتھارٹی ہیں۔ اللہ نے ان کو اولاد نہیں دی، بلکہ تمام مسلمان ان کی اولاد ٹھہرائے گئے۔ تمام عورتیں آج کسی مرد سے وہ سبق نہیں پڑھتیں، جو انہوں نے اپنی ماؤں کے ذریعے اور پھر اپنی ماؤں کے ذریعے بالآخر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حاصل کیا۔

وہ تمام بڑی عالمہ اور اتنی بڑی استاد ہیں کہ بائیس سال تک انہوں نے لوگوں کو احادیث کا درس دیا ہے۔ عائلی زندگی کی تمام احادیث اور تمام مسائل ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہیں۔ یہ ممکن نہیں تھا، اگر یہ یادداشت صاف ستھری سلیٹ نہ ہوتی اور تروتازہ نہ ہوتی اور انہیں اتنی شدید محبت محمد رسول اللہؐ سے نہ ہوتی۔ حضورؐ فرماتے ہیں، عائشہؓ میں اچھی طرح جان لیتا ہوں، جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو۔ پوچھا، یا رسول اللہؐ! کس طرح؟ فرمایا، عموماً تم مجھے محمد رسول اللہؐ کہتی ہو۔ جب تم ناراض ہوتی ہو، تو مجھے یا رسول اللہ نہیں کہتیں۔ یہ حدیث آپ

دیکھیں، کتنی خوبصورت ہے۔ اس کے بغیر مسلمان کو اس معتدل عائلی زندگی کا پتہ ہی نہیں لگ سکتا۔ جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ خبر دیتی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضورؐ سے کہا، آیئے، ذرا دوڑ لگائیں۔ صحن کشادہ تھا۔ کون آگے نکلتا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا، چلو ہو جائے۔ دوڑ گئی۔ حضورؐ آگے نکل گئے۔ فرمایا، میں تو عائشہ جیت گیا۔ فرمایا، حضور پھر کبھی سہی۔ کافی عرصہ یا کچھ سال گزر گئے۔ تو حضورؐ جسم سے ذرا تھوڑے سے بھاری ہو گئے۔ میں نے کہا، یا رسول اللہ! آج پھر دوڑ ہو جائے۔ فرمایا، ہاں ہو جائے۔ اس مرتبہ دوڑ گئی، تو میں آگے نکل گئی۔ میں نے کہا، حضور، دیکھا! آج میں جیت گئی۔ فرمایا، شکر ہے، آج حساب برابر ہوا۔ تم سے کب جان چھٹتی تھی۔

اب دیکھئے، یہ واقعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سوا کون سنائے گا؟ کس نے آپ سے کہا کہ عائلی زندگی میں اتنا خوبصورت توازن ہمارے پیغمبر کے درمیان موجود ہے اور زندگی کیسی خوشگوار ہے، جہاں ایسے واقعات ہوتے ہیں۔ فرمایا، میرے اور رسولؐ کے پاس ایک ہی چٹائی تھی۔ اس پر میں اور رسول اللہؐ آرام فرماتے تھے۔ جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے، تو عموماً یہ ہوتا کہ میرے پاؤں ان کے سجدے کی طرف ہوتے تھے۔ جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو میں پاؤں پھیلا لیتی اور وہ جھکتے، تو میں پاؤں سمیٹ لیتی تھی۔

براہ راست حدیث پڑھنے اور خدا اور اس کے رسولؐ کے باتیں جاننے کا جو مزہ ہے، تبھی آپ کو پتہ لگے گا کہ آپ کے رسولؐ کیسے تھے۔ کس قسم کی زندگی انہوں نے گھر کے اندر اور گھر کے باہر گزاری۔ تب آپ کو اس ہستی کا پتہ لگے گا، جس نے چھوٹی سی عمر میں اس لیے اللہ کے رسول کو عطا فرمائی کہ علم کا بیشتر حصہ آقائے رسلؐ کی پوری زندگی کا انہوں نے مجھ تک اور آپ تک پہنچانا تھا۔ اس لیے فضیلت عائشہ پر کبھی کوئی اشتباہ نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی سب سے پہلی عظیم ترین معلمہ ہے۔

آپ کے غصے کا یہ عالم تھا کہ آپ کے غصے سے سارے ڈرتے تھے۔ کمال کی بات ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کا وہ غصہ آج بھی ہر عائشہ میں چلا آیا ہے۔ کوئی عائشہ ایسی نہیں، جس کو غصے والا میں نے نہ پایا ہو۔ آج بھی اگر کسی عائشہ کو کوئی پیشہ اختیار کرنا ہو تو، وہ ٹیچری میں سب سے اچھی رہے گی۔ یہ آپ کو اس نکتے کی بات بتا رہا ہوں کہ عائشہ سے بہتر کوئی ٹیچر نہیں ہے۔ اتنی ٹینشن، اتنا غصہ اور اتنی جھاڑ پھونک کہ کسی کا لحاظ تک نہیں کیا۔ کھڑے کھڑے حضرت علیؓ

کو ڈانٹ دیا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود کو عبداللہ ابن عمر گو ڈانٹ دیا اور لوگ تسلیم کرتے تھے کہ ماں کا حق ڈانٹنے کا ہے۔ چھوٹی سی عمر میں یہ عقل و معرفت میں ہم سے آگے ہیں۔

سو ذاکرین اور ذاکرات کے اس سلسلے میں ایسی ایسی باکمال خواتین اسلام میں گزری ہیں کہ میرا نہیں خیال، عورتوں میں کسی قسم کا کمتری کا احساس موجود ہو۔ دین کے معاملے میں عورتیں آگے رہی ہیں۔ برصغیر میں عورتوں کی ذہنیت اور عادتیں ہندو کلچر نے کرپٹ کر دی ہیں۔ ایسی عادتیں مسلمان عورتوں کی نہ تھیں۔ شروع میں ہندو معاشرہ مردانہ بالادستی کا شکار تھا۔ برہمن اپنی سیادت کو قائم رکھتے ہوئے سب سے زیادہ دباؤ عورتوں پر ڈال دیتے تھے۔ چونکہ آریان بنیادی طور پر پیٹری آرچ یعنی پدرانہ نظام کے حامل تھے، جیسے صحرائی معاشرے میں، جن میں خاندان کا سربراہ باپ ہوتا ہے۔ ہندوستان کے مقامی معاشرے مادرانہ نظام کے تھے۔ جہاں زمین کی حکومت ہے، وہاں ماں کی حکومت ہے اور جہاں صحرا اور پہاڑ ہیں، وہاں باپ کی حکومت ہے۔

ہندوستان وہ علاقہ ہے جہاں مادرانہ نظام اور پدرانہ نظام آپس میں کش مکش میں آئے۔ مادرانہ نظام نے شکست کھائی۔ شکست کے بعد پالیسی یہ بنائی گئی کہ جتنی دیر تک باپ طاقتور ہے، اس کے سامنے سر جھکائے رکھنا ہے اور جب اولاد سر اٹھا لے، بڑی ہو جائے، تو باپ کو ایک طرف کر دو۔ آج بھی وہی رسم قائم ہے۔ کسی مرد کی غریب اور شریف بیوی مدتوں ظلم اور جبر سہتی رہتی ہے، مگر لحاظ تو نہیں کرتی۔ بچوں کو ساتھ ساتھ بہکاتی رہتی ہے اور بہکانے کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جب باپ بوڑھا ہوتا ہے۔ جس وقت اسے بچوں کی استعانت کی ضرورت ہے، اس وقت ماں باپ بن کے سامنے کھڑی ہوتی ہے۔ اب تم مزید کیا چاہتے ہو؟ بہت سہہ لیا، ہم نے تمہارے جبر و استبداد کو۔ اسے اپنے معاشرے اور کلچر سے نکالنے کی کوشش کرتی ہے۔ بطور ٹیچر میں جو آج ہر بوڑھے آدمی کو اس بلا کا شکار دیکھتا ہوں، تو اسے کہتا ہوں کہ اس وقت عقل کرتے نا، جب تم اس پر رعب ڈال رہے تھے۔ ان پر جبر کر رہے تھے اور انہیں حقیر سمجھ رہے تھے۔

مردانہ غلبے میں ایک بڑی غلطی عقلی بھی تھی اور وہ یہ تھی کہ مرد ان پڑھ ہو کر پھر بھی اپنے آپ کو پڑھی لکھی عورتوں سے عقلمند ترین سمجھتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک میٹرک پاس خاوند کی شادی ایک ایم اے پاس لڑکی سے ہو گئی۔ مجبوری ہے۔ معاشرے میں اس قسم کی بے ہنگم شادیاں

بہت ہوتی ہیں۔ یہ جبر اس لیے ہے کہ ہمارے ہاں چونکہ رسم ورواج کی اتنی پابندیاں ہیں کہ کوئی اور ذریعہ باقی نہیں ہے۔ خاوند اٹھتے بیٹھتے بیوی کو یہ یاد دلاتا ہے کہ یہ تم نے ایم اے کر لیا ہے، پھر بھی میں تم سے زیادہ قابل ہوں۔ اب وہ بے چاری جس نے دو چار حرف پڑھے ہیں، اس چیلنج کو قبول کر سکتی ہے۔ مگر اس کو پتہ ہے کہ یہ جاہل مطلق ڈگری کے باوجود مجھے طلاق دینے پر قادر ہے۔ اس لیے وہ خوف کے مارے بولتی ہی نہیں اور ایک ناقص شاؤنزم مرد کے دماغ میں چلا جاتا ہے۔ تو قدر ناشناسی کے عوض ہمیں ہندوؤں سے جو بہت سارا دوسرا کلچر ملا ہے، اس نے عورت میں تمام عرصے میں دفاعی رویہ پیدا کر دیا ہے۔ بیٹی ہے، تو مدافعانہ ہے۔ بیوہ ہے، تو مدافعانہ ہے۔ یہی حال ماں بیچاری کا ہے اور اس کا دفاع میں جھوٹ بڑا آ گیا ہے۔ جھوٹ اس مدافعانہ میکنزم کا ایک بنیادی حصہ بن گیا ہے۔ بہانہ سازی، جھوٹ بولنا، ذہن میں مسلط انجانے خوف کے تحت بہانے بنا لینا، غلط بات کرنا اور غلط کو صحیح ثابت کرنے کی سعی کرنے کا ایک سلسلہ ہے کہ اس کے تحت اختلاط کی طوالت ختم ہونے میں ہی نہیں آتی۔

اسلام میں ایسا بالکل نہیں تھا۔ مسلمان عورتوں کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا گیا۔ ہمارے پاس جو اصحاب، تابعین اور تبع تابعین کی تاریخ موجود ہے، اس میں کسی قسم کے شائبات نہیں پائے جاتے ورنہ اتنی جھوٹی ماں کا سچا بیٹا کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ جسے اپنی آغوش سے جھوٹ سننے کی عادت پڑ گئی ہو، اس بچے نے کہاں بڑے ہو کر سچ بولنا ہے؟ امانت کا احیا نہیں ہوا۔ اسلامی اقدار پر ہندووانہ اقدار غالب آ گئیں۔ ہندو مکروفریب کی اتنی گہری استعداد رکھتا تھا کہ تین ہزار سال سے ہندوستان میں جو مذہب بھی آیا، وہ ہندو کا شکار ہو کے رہ گیا۔ کتنی جلدی شکار ہو گیا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بدھ مت میں مہاتما بدھ نے کبھی خدا کا نام نہیں لیا۔ اس لیے نہیں لیا کہ مہاتما کے زمانے میں ہزاروں بت اور ہزاروں خدا موجود تھے۔ اس شریف آدمی نے سوچا کہ میں اگر خدا کا نام لیتا ہوں، تو ان لوگوں میں ڈکشنری تو نہیں بدل جائے گی۔ میں اسے برہما کہوں، شیوا کہوں، وشنو کہوں، حقیقت اعلیٰ کا کوئی نام دوں، تو وہ ایک دیوتا ہی رہ جائے گی اور میری جداگانہ ریسرچ یا تحقیق اور خدا کے وجود پر میرا اعتقاد کبھی لوگوں تک نہیں پہنچ پائے گا۔ اس نے بجائے خدا کا نام لینے کے عرفان وآگہی وزوان اس کیفیت کا نام رکھ دیا۔ اس نے اللہ کا نام نہیں لیا۔

بدھ مت میں شروع سے ہی دو فرقے ہو گئے۔ بلکہ مہاتما نے لازم قرار دیا کہ تلقین حیات کے لیے آٹھ بنیادی اصول ہیں۔ ان میں سے کوئی اصول ایسا نہیں، جس سے اختلاف کرتا ہو۔ جیسے راست اقدام، راست خیالی، راست بازی، ایک بات بھی ایسی نہیں ہے کہ حضورؐ کے سامنے کی جاتی، تو حضور ؐ فرماتے، یہ غلط ہے۔ مہاتما کے تمام قوانین اسلامی ہیں۔ میں تو مہاتما کو ایک پیغمبر ہی سمجھتا ہوں۔ اگرچہ ہم وضاحت سے نہیں جانتے۔ مگر خدا کا ایک قول مبارک ہے کہ ہم نے کسی امت کی طرف تباہی نہیں بھیجی، جب تک کہ اس کی طرف کوئی پیغمبر نہیں بھیج لیا۔ نہ صرف یہ بلکہ الا بلسان قومہ اسی قوم کی زبان میں۔

تو ظاہر ہے کہ موہنجو داڑو کی تباہی سے پہلے پیغمبر بھی آیا ہو گا اور وہ انہی کی زبان میں ہو گا۔ کوئی سریانی میں کوئی عبرانی میں اور کوئی عربی میں۔ کسی زبان و ڈکشنری میں کوئی لفظ ایسا ہو گا، چاہے وہ جو بھی لفظ ہو، جس کی حقیقت اور آثار کے کوئی دوسرا لفظ نہیں لگتا اور وہ صرف اور صرف ایک ذات واحد کی ترجمانی کرتا ہو، تو وہ اللہ کا نعم البدل ہو گا۔ اگر آپ پرانی تہذیبوں میں خدا کے نام سنیں، تو آپ کہیں گے کہ یہ کیا نام ہیں؟ اناہیہ، ماطنی، جوتی، سراشا یہ افریقہ کی اقوام میں اللہ کے نام ہیں۔ اگر آپ پیچھے چلتے چلے جائیں، تو آپ کو دیوا، اخدیٹا، ہندوستان میں اللہ کے نام ملتے ہیں۔ ادھر ایران میں اہرمن اور اھورامزدا، جبکہ اس کا نام یہودیوں نے یہوا وہ دے دیا۔ ان زبانوں میں یہ نام خدائے مطلق کی ہی نمائندگی کرتے ہیں۔ فارسی میں یہ خدا ہو گیا۔

اب یہ ضرور ہے کہ اللہ اسم ذات ہے اور اللہ کے بعد کسی اور اسم کی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر اللہ نے قرآن حکیم میں فرمایا، تم اسے رحمٰن کہو یا سلام کہو یا تم اسے مومن، جبار یا قہار کہو، سب اللہ ہی کے نام ہیں۔ ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنی سب اسی کے نام ہیں لہ مافی السموات و الارض وھو العزیز الحکیم (پ ۲۸، س الحشر، آیت ۲۴) وہی عزت و حکمت والا ہے۔ اس کے بے شمار نام ہیں۔ کوئی آدمی، کوئی نام اس طرح لے کہ اس نام سے کوئی اور مراد نہ ہو اللہ کے سوا، تو وہ اللہ ہی ہے۔ چاہے وہ کسی ہی زبان میں ہو، وہ اللہ ہی ہو گا۔

میں آپ کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وجہ بتا رہا تھا کہ خدا نے کیوں انہیں چنا اور کیوں زوجیت پیغمبر میں دیا؟ دفاع کرنے والے اتنی معمولی سی بات نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ

کے انتخاب کو اللہ کی نظر سے دیکھنا چاہیے نہ کہ میں اس کی وجہ دوں کہ یہ کیوں ہوا اور کیسے ہوا۔ اگر کسی انگریز کو جواب دوں اور اگر وہ رسول اللہ کو پیغمبر ہی نہیں مانتا، تو ام المومنین حضرت عائشہؓ کیا توقیر کرے گا؟ وہ اللہ اور رسول کو مانتا ہو، تو تب جا کے وہ اس نکتے کا قائل ہوگا۔ ورنہ ان کے بے شمار اعتراضات ختم ہونے میں ہی نہیں آتے۔

انڈیا میں پدرانہ اور مادرانہ کلچر کے درمیان بدترین دو چار باتیں ہیں، جو ہمارے زنانہ کلچر میں آئی ہیں۔ ان میں سب سے بڑا مدافعانہ میکنزم جھوٹ میں آیا ہے۔ آج تک آپ نے کسی اخبار میں کسی عورت کی تعریف میں یہ پڑھا ہو کہ ماشاءاللہ ہمیشہ سچ بولنے والی ہے، کتنا عجیب سا لگتا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ ایک مسلمان عورت کی عزت وحرمت اس بات میں ہو کہ وہ دانستہ کسی سے جھوٹ نہ بولے۔ ایک مسلمان معاشرے میں یہ بات کیوں ہو کہ ہمارے لیے سچ بولنا محال ہے؟ یہ سوال میں اپنے آپ اور دوسروں سے بھی کرتا ہوں کہ ہم کیوں نہ اسلام کی ایک سادہ قدر کو بھی اہتمام سے عمل میں نہیں لا سکتے؟ ایک شخص، جس سے رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ جھوٹ نہ بولنا۔ وہ گیا اور کچھ عرصے بعد آیا کہ حضورؐ آپ نے کیا مصیبت ڈال دی ہے؟ مجھ میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ ایک جھوٹ نہ بولنا اتنا مشکل ہے کہ اس نے مجھے تمام برائیوں کو گرفتار کرنا آسان کر دیا ہے۔

آیئے میں آپ کو حضورؐ کی دو چار دعائیں سناؤں۔ ایک دعا کے پہلے حصے میں ہی اتنا علم ہے کہ بندہ حیران ہو جاتا ہے حضورؐ نے یہ پیٹرن آف تھاٹ کہاں سے لیا۔ فرمایا اللھم انی اعوذبک من دعا لایسمع اے اللہ اس دعا سے پرہیز مانگتا ہوں، جو تو سنے نہ۔ دیکھئے قصہ ہی ختم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ میری زبان سے صرف وہ دعا نکال، جو تو قبول کرے۔

ایک اور دعا سنئے۔ میں نے اس سے بہتر دعا اپنی ذات کے تکبرات کے لیے کبھی دیکھی نہیں ہے۔ فرمایا اللھم اجعلنی شکورا۔ اے اللہ مجھے اپنی یاد والا بنا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا فاذکرونی اذکرکم (پ۲، س البقرہ، آیت ۱۵۲) تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا والشکروا لی اور یہ شکر ہے کہ تم مجھے یاد کرتے رہو، میں تمہیں یاد کرتا رہوں۔ فرمایا اللھم اجعلنی شکورا واجعلنی صبورا اور مجھے صبر والا بنا۔

یہاں میں صبر کا ایک تھوڑا سا پہلو بتا دوں۔ عموماً ہم لوگ سارے ہی کہتے ہیں کہ ہم

صبر کرتے ہیں۔ بڑے صابر ہیں۔ حضورگرامی مرتبتؐ ایک خاتون کے پاس سے گزرے، بڑی رو رہی تھی، چیخ چلا رہی تھی۔ کوئی قریب کا رخصت ہوگیا تھا۔ حضور پاکؐ نے فرمایا، صبر کر۔ اس نے کہا یا رسول اللہؐ! بھلا ایسے عالم میں بھی کہیں صبر ہوتا ہے؟ حضورؐ یہ کہہ کے چلے گئے۔ اب اس کو کیا سمجھاتے؟ تین دن کے بعد جب وہ خوب رو چکی، آنسو خشک ہو گئے۔ رہ نہیں پائی۔ کوئی دل سے آواز بھی نہیں نکلتی تھی۔ حضورؐ کے پاس آئی۔ کہا، یا رسول اللہؐ! میں نے صبر کرلیا۔ فرمایا، اب بھی کوئی صبر ہوتا ہے۔

صبر اور علم اکٹھے ہوتے ہیں۔ جس کا علم بڑھتا ہے، اس کو صبر زیادہ ملتا ہے۔ ایک جاہل آدمی ذرا سی بیماری پر تڑپنا پھڑکنا شروع کردیا۔ حضرت موسیٰ بہت بے چینی کا مظاہرہ کررہے تھے۔ گھبرائے ہوئے تھے تو حضرت خضر نے کہا کیف صبــــرک؟ نیک بخت! تجھے کیسے صبر آئے مالم تحب ...... تجھے علم جو نہیں ہے۔ علم ہوگا تو تجھے سمجھ آئے گی۔ صبر اور علم کی کیفیت ایک ہے۔

حضورؐ جب صبر کی دعا مانگتے ہیں، تو دراصل علم کی دعا بھی مانگتے ہیں اللھم اجعلنی شکوراً وجعلنی صبوراً کہ شکر عطا فرما، صبر عطا فرما و جعلنی فی عینی صغیراً اے اللہ! مجھے میری نگاہ میں ہمیشہ چھوٹا رکھ و فی عیـنی الناس کبیرا اور لوگوں کی نگاہ میں مجھے بڑا کر۔ اگر یہ توازن ہوگا، تو آپ قابل عزت سمجھے جائیں گے۔ جب آپ اپنی نگاہ میں چھوٹے رہیں گے، تو پھر خدا آپ کو دوسروں کی نگاہ میں بڑا کرے گا۔

اللہ کی ان دعاؤں کو ضرور دیکھا کریں، مطالعہ کیا کریں۔ یہ معانی خیال اور انکشاف کی ایک بہت بڑی دنیا ہے۔ یہ دنیا آپ کا نصیب، میراث اور آپ کے لیے عطا و بخشش ہے۔ اس سے ضرور آپ فائدہ اٹھایا کریں۔

میاں بیوی اور والدین

آپ کے اپنے انتخاب کے مطابق جب آپ کو حوالے کر دیا جاتا ہے، تو میں ذہنی اور سماجی طور پر میاں بیوی کو ایک پارٹی سمجھتا ہوں۔ اللہ نے بھی اسے ایک ہی پارٹی کہا ہے ھن لباس لکم وانتم لباس لھن (پ۲، س البقرہ، آیت ۱۸۷) اگر آپ اس آیت کے لغوی پہلو پر غور کریں، تو خدا کہتا ہے کہ میاں بیوی کی دو رائے نہیں ہونی چاہئیں۔ ایک رائے ہونی چاہیے کیونکہ

ایک لباس ہے۔ایک اندازِ فکر ہے۔ایک گھر اور ایک سوچ ہے۔ میں اکثر لوگوں کو کہتا ہوں کہ تم اپنے ماں باپ کے رہے، نہ تم اپنی ماں باپ کی رہیں۔اب ایک پالیسی بنائیں، جس سے دونوں کے ماں باپ خوش رہیں۔لیکن آپ ہمیشہ مسائل کھڑے کر لیتے ہیں۔ جب ایک گھر میں ایک پارٹی ہوتے ہوئے دوسری پارٹیوں سے تعلقات رکھتے ہیں۔ بیوی اگر خاوند کے گھر میں بھی اپنی وابستگیوں کی ترجیح اپنے والدین کے خاندان کو رکھے گی اور خاوند اگر اپنی بیوی کے مقابلے میں دیگر ترجیحات کو اختیار کرے گا، تو وہ خاندان ہمیشہ برباد ہو گا۔وہ گھر ٹوٹا رہے گا۔

اس کے برعکس یہ چاہیے کہ میاں بیوی اتنے قریب اور اتنے مخلصانہ ہو کر ایک دوسرے کے لیے سوچیں۔ایک دوسرے کو بتائیں کہ دیکھو بھئی! تمہاری ماں میں یہ ہے اور میری ماں میں یہ ہے۔ بیوی کو بتانا چاہیے کہ اماں بڑی ضدی ہیں۔آپ ازراہِ کرم ان کی تھوڑی سی عزت زیادہ کرو۔خاوند کو اپنی بیوی کو بتانا چاہیے کہ دیکھو، مجھے تم سے تو کوئی گلہ نہیں۔مگر پالیسی یہ رکھتے ہیں کہ بی بی اماں تھوڑی سڑیل سی ہیں اور تھوڑی سی چبھتی ہوئی بات کرنے والی ہیں۔اگر دو چار طنز کر جائیں، تو چپ کر جانا۔اگر وہ اس طرح ایک دوسرے سے افہام و تفہیم قائم کر لیں، تو کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔قرآن حکیم نے ان پارٹیوں کو گنا ہی نہیں ہے۔وہ تو ایک ہی پارٹی کو گنتا ہے ھن لباس لکم و انتم لباس لھن (پ۲،س البقرہ، آیت۱۸۷) کہ بیویاں تمہارے لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو اور اس لباس میں ماں باپ تو گھس ہی نہیں سکتے۔

نکاح و طلاق، سوشل کنٹریکٹ

طلاق اور شادی کو قرآن ایک سوشل کنٹریکٹ کی حیثیت دیتا ہے۔ یہ سوشل کنٹریکٹ ساری دنیا میں پایا جاتا ہے۔فرض کریں، آپ نکاح پڑھتے ہیں۔باہر سے ایک ایسا جوڑا آ جاتا ہے، جو کافر ہے، ہندو ہے اور وہ آپس میں شادی شدہ ہیں، تو مذہب انہیں بھی شادی شدہ مانے گا۔ یہ نہیں ہے کہ ان کا اگر خدا کے نام پر نکاح نہیں ہوا تو ان کو غیر شادی شدہ کہے گا۔ کیونکہ کسی بھی سوسائٹی، معاشرے اور مذہب میں سوشل کنٹریکٹ ہیں۔اس کی شرائط متعین ہیں۔ان کی شرائط کا ان کے مذہب کے مطابق احترام کرنا پڑتا ہے۔آج کل کے لوگ بڑی مشکل سے کرتے ہیں۔

طلاق کس حالت میں ہونی یا نہیں ہونی چاہیے، یہ ہر کیس میں مختلف ہے۔ زیادہ تر

فقہا یہ کہتے ہیں کہ مشرک اور بدزبان عورت کو طلاق ہوسکتی ہے۔ جو عورت کا فحش گنا گیا ہے، اس میں دو چیزیں آتی ہیں۔ سختی پسند فقہا، جیسے امام احمد بن حنبل کے بقول، جو اپنے خاوند کو گالی دے، اس پر طلاق کا حق واجب ہو جاتا ہے۔ گالیاں فحش میں آتی ہیں اور فحش، زنا اور خاوند کو گالی دینا یہ ہم مرتبہ جرم سمجھے جاتے ہیں۔

عائلی زندگی کا حسن اور توازن

کراچی کی ایک ذہین عورت نے مجھ سے پوچھا کہ خدا کے نزدیک کون بہتر ہے، کون بدتر ہے؟ عورتیں بہتر ہیں یا مرد بہتر ہیں؟ میں نے کہا، مجھے تو نہیں پتہ کہ کون بہتر ہے۔ مگر ایک بات کا مجھے پتہ ہے کہ اگر مرد وہ کرے، جو اللہ نے اسے عورت کے بارے میں حکم دیا ہے اور عورت وہ کرے، یعنی اللہ کے احکام بجالائے، جو مرد کے بارے میں اسے اللہ نے حکم دیئے تو کسی گھر میں کوئی فساد نہیں ہوگا۔ یہ سارے جھگڑے اور فساد اس انحراف کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ جتنے ہم خدا کے احکام سے دور ہوتے ہیں، اتنے بڑے جھگڑے ہمارے گھروں میں ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے عائلی زندگی میں بہت سارے احکام دیئے ہیں اور رسول اللہؐ کی اپنی زندگی میں بھی آئے ہیں۔ حضورؐ کی بیویاں بھی کچھ ایسی تھیں۔ دراصل وہ طریق یہ تھا کہ شادیاں بھی ہوگئیں۔ حضورؐ کے نکاح میں خواتین بھی آئیں۔ فوری طور پر ان کی داخلی حد کی خصوصیات تھیں، وہ نہیں گئیں۔ یہ زیادہ تر حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے درمیان تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی چونکہ عمر تھوڑی تھی۔ اس لیے مقدار حسد کی کچھ زیادہ تھی۔ یہاں ان کی تقصیر شان نہیں ہوتی، بلکہ وہ ان کی سچائی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ اپنی کسی کیفیت کو چھپاتی نہیں ہیں۔

وہ آپ کو بتاتی ہیں کہ میں کوئی غیر معمولی نہیں ہوں۔ کوئی آسمان سے اتری ہوئی نہیں ہوں۔ تمہیں عورتوں میں سے ایک عورت ہوں۔ میں نے بھی رسولؐ سے سیکھا ہے، آپ بھی سیکھ سکتے ہیں۔ حسد ایک عمومی کیفیت ہے، جو ہر سینہ انسان میں تھوڑی بہت ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ آدھی رات کو اٹھ کر چلے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ حضورؐ میری باری چھوڑ کر کسی دوسری بیوی کے پاس تو نہیں چلے؟ میں بھی پیچھے پیچھے چل پڑی۔ حضورؐ بڑا لمبا سفر کرتے ہوئے قبرستان میں پہنچے۔ میں بھی وہاں پہنچ گئی۔ حضورؐ نے مجھے دیکھ لیا۔ آگے حدیث

بارش کے معنوں میں چلی جاتی ہے۔

حضورؐ کی عائلی زندگی اتنی خوبصورت اور شاندار ہے۔ کاش اس کا عشرِ عشیر ہی ہم مسلمانوں کے گھرانوں میں نصیب ہو جائے۔ جھگڑے تو بہت دور کی بات ہے، ایسا اعتماد اور خوبصورتی نہ مشرق میں ہے، نہ مغرب میں۔ یہ صرف ایک مسلمان گھرانے میں ہو سکتی ہے۔

عورتوں اور مردوں کا کردار

2یا3 فیصد وہ خواتین، جو یورپ میں آباد ہیں، وہ تقریباً 2 کروڑ کے لگ بھگ ہوں گی۔ ہم ان کی انفرادیت یا ان کے برسرِ روزگار آنے کی بنا پر مجموعی طور پر ساڑھے تین ارب عورتوں کے کردار کا تعین نہیں کر سکتے۔ سوائے عام عورتوں میں سے بہت تھوڑی تعداد کے، اب بھی تمام دنیا میں عورتیں بچوں کے لیے گھروں میں ہوں۔ چھوٹے چھوٹے اپنے اردگرد کی جگہوں میں کام کرتی ہیں اور مرد ہی کمانے والے اور ان کی نگہداشت کرنے والے ہیں۔ شاید آدم وحوا کے زمانے سے عورتوں اور مردوں میں ایک معاہدہ چلا آ رہا ہے کہ بہرحال بچوں کو پالنا اور پرورش دینے کے لیے ایک جگہ استحکام اور یقین ضروری ہے اور اسی معاہدے پر آج کل کام ہو رہا ہے۔ اگر دو چار دس عورتیں یا ایک دو کروڑ عورتیں ساڑھے تین ارب میں سے مساوات کا تقاضا کریں یا اپنے آپ کو برسرِ اقتدار اور برسرِ اختیار گئیں، تو اس سے عمومیت تبدیل نہیں ہوتی۔ افریقہ، ایشیا اور دوسری دوسری جگہوں پر اس سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے کہ مرد کے غلبے کا مطلب عورتوں کو محکوم اور ہاتھ کی میل سمجھا جائے۔

ہمارے ہاں مرد اور عورت کی تقسیم اس طرح نہیں ہوتی، جس طرح آپ لوگ گنتے ہیں۔ آپ خارجی جسمانی اثرات پر مرد اور عورت کو گنتے ہیں۔ میرے پاس ایک جوڑا آ گیا ہے تو میں اس کی اندرونی فعالیت پر مرد اور عورت کا انحصار کرتا ہوں۔ میں سینکڑوں ہزاروں عورتوں کو دیکھ چکا ہوں، جو اپنے مردوں سے کہیں زیادہ محفوظ اور طاقتور رہیں اور وہ تمام شرائط منواتی ہیں۔ مرد بیچارے ان کے لیے لے پالک اور پالتو سے گنتے ہیں۔ کئی مرتبہ خواتین سے میں نے درخواست کی کہ وہ اپنے مردوں سے اتنا برا سلوک نہ کیا کریں۔

اسی طرح بعض مرد ہیں، جن کے اندر نسوانیت کا غلبہ ہے اور بعض عورتوں میں

مردانیت غالب عنصر کے طور پر موجود ہے، جوان کی جنسیت کی نوعیت کا تعین کرتا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ داخلی اور خارجی اعتبار سے مختلف ہیں۔ یہ تعلیم کا بحران ہے۔ جونہی تعلیم کم ہوتی ہے، چیزیں محدود اور جذبات تنگ ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اب آپ دیوبندی اور بریلوی ہیں۔ یہ اور وہ ہیں۔ جب تعلیم بڑھے گی، تو آپ مسلمان بن جائیں گے۔ جونہی آپ کا معیار عقل و نقطۂ نظر بڑھے گا، تو آپ کو جو خوشی مسلمان کہلوانے سے ہوگی، وہ دیوبندی یا بریلوی کہلوانے سے نہیں ہوگی۔ میں کتنا دیوانہ ہوں کہ پڑھ لکھ کر ایک کائناتی اور بہت بڑے سکول مکہ اور مدینہ کو چھوڑ کر اپنے آپ کو انڈیا کے چھوٹے سے اسکول میں بند کر دوں۔ بریلوی یا دیوبند کے اسکول تک محدود کر لوں۔ یہ صرف تعلیمی بحران ہے۔ جب شناخت اور علم بڑھتا ہے۔ فراخی خیال و مزاج آتی ہے تو پھر شاید یہ نہیں رہتا۔

تعددِ ازواج کا مسئلہ

جب اللہ کریم دیکھتے ہیں کہ یہ نظام میرا نہیں ہے۔ کسی مرد یا عورت کا نہیں ہے۔ اللہ نظام بناتا ہے اور دیتا ہے۔ کچھ باتیں اللہ کے نظام میں میرے خلاف چلی جائیں گی۔ اگر میں غصیلا، واہیات اور بدتمیز ہوں۔ اپنی بیوی کو روزانہ دو چار سنا جاتا ہوں۔ اس پر ہاتھ اٹھاتا ہوں یا اس سے جھگڑا کرتا ہوں۔ مگر ادھر خدا مجھے منع کرتا ہے۔ وہ مجھے اس کی کبھی اجازت نہیں دیتا۔ وہ بدکلامی کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ وہ سختی کرتا ہے کہ تم اپنی بیویوں سے محبت اور انس کا سلوک روا رکھو۔

پھر رسولؐ کی زندگی دیکھتے ہیں۔ مرد اصولاً وہ قانون چھپا جائے گا، جو اس کے خلاف جاتا ہے۔ وہ اپنی بیوی کو وہ تمام قانون پڑھائے گا، جو اللہ نے اس کے حق میں لکھے ہیں۔ وہ عورت کو دکھائے گا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر درجہ دیا ہے اور تم مجھے بڑا مانتی ہی نہیں ہو۔ مگر وہ قانون، جو اللہ نے اس کو عورت کے بارے میں دیئے ہیں، وہ اسے کبھی نہیں سنائے گا۔

اب یہی عورتوں کا حال سن لیں کہ وہ اتنی قبضے کی خواہاں اور سخت موڈ کی ہیں کہ اگر ان سے کہو کہ آپ اللہ کو مانتی ہو کہ نہیں مانتی؟ تو وہ کہے گی کہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا تم زیادہ اللہ کو مانتے ہو؟ مگر جہاں چار کا مسئلہ آئے گا، فوراً گڑبڑ ہو جائے گا۔ سارا مزاج الٹ جائے گا۔ پھر

اتنے عذر آئیں گے، اتنے حادثے پیش آئیں گے۔ اتنے ڈپریشن اور جھگڑے ہوں گے۔ بات یہ ہے کہ عورت مرد کو تین ماہ سے زیادہ دستیاب نہیں ہوتی۔ جیسے مرضی ہے حساب کر لیں۔ اللہ نے صحیح اندازہ رکھا ہوا ہے۔ یہ کتنی بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ ایک مسلمان عورت یہ چاہے گی کہ اس کا خاوند ہر قسم کے گناہ میں ملوث رہے۔ جھوٹ بولے۔ بدکاری کرے، مگر دوسری شادی نہ کرے۔ یہ نہیں اجازت ہو سکتی۔ اگر آپ غور کریں، تو یہ سخت ترین مسلط اور ملکیت کے موڈ ہیں اور یہ انڈیا میں ستی ورتا اور پتی ورتا کی وجہ سے آئے ہیں۔ یہ اسلام میں متعارف نہیں ہیں۔

مثال کے طور پر اگر آدمی افورڈ کر سکے۔ صرف رسول اللہ کا اسوہ حسنہ ہی نہیں، اگر اصحاب رسول کے طرز عمل کو دیکھیں، تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے شادیوں کی حد بندی کی ہے۔ ان کی حوصلہ شکنی نہیں کی۔ حضرت سلیمان کی ننانوے بیویاں تھیں۔ پرانے زمانے میں جو معاشرہ تھا، اس میں کسی پدرانہ سوسائٹی میں ایک لیڈر یا بادشاہ یا کسی گھرانے کے بڑے کی اہمیت جو تھی، اس کی بیویوں سے نکلتی تھی۔ جیسے باقی چیزوں سے نکلتی ہے اسی طرح جس آدمی کی جتنی زیادہ بیویاں ہوتی ہیں، وہ اتنا ہی زیادہ معزز خیال کیا جاتا ہے۔ یہ دستور زمانہ تھا۔ کیوں بھلا؟

اس کے پس منظر میں بڑی عجیب سی بات ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ کوئی نیا بندہ، کوئی نوجوان اور غیر تجربہ کار دو یا چار بیویوں میں انصاف کر ہی نہیں سکتا۔ جس قدر کوئی نوجوان، ناانصافی، زیادتی اور بے اعتدالی کا بندوبست کر سکتا تھا، اسی قدر وہ بہت سی عورتوں کا بھی انتظام کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس آدمی کی عزت کا نشان ہر قبیلے میں اس کی زیادہ بیویوں کا ہونا سمجھا جاتا تھا۔ اس کی عزت سمجھی جاتی تھی۔ پھر عورتوں میں بھی ان دنوں یہی خیال تھا۔ کیوں لڑائیاں زیادہ تر مردوں کی ہوتی تھیں، عورتوں کی تو نہیں ہوتی تھیں۔ عموماً ہر زمانے میں عورتیں بچ جاتی تھیں اور مرد مقتول ہو جاتے تھے۔ اگر مرد اس زمانے میں اس کا خیال نہ کرتے، تو عصمت فروشی معاشرے کا مروج فیشن ہوتی۔

مثال دوسری جنگ عظیم کے بعد کی ہے۔ آپ جتنی بدتمیزی، بے حیائی اور یورپ میں جو جنسی آزادی دیکھ رہے ہیں، یہ دوسری جنگ عظیم کے بعد ایک کروڑ عورت کے بیوہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ ان کے پاس مرد نہیں تھے۔ رومن کیتھولک مذہب دوسری شادی کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک جرمن عورت نے از خود کہا کہ آپ کے پیغمبر ایک دانا شخص تھے۔ اگر ہمیں اجازت ہوتی، تو

جرمنی میں ہر عورت دوسری یا تیسری بیوی بننے کے لیے تیار تھی۔ مجھے رومن کیتھولک ازم نے روک رکھا ہے۔ وہ اس کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس لیے بجائے مذہبی پیٹرن میں ذمہ داری سے کسی کے شریک حال ہونے کے وہ تمام عورتیں کرپشن کو نکل گئیں۔ جنسی آزادی عام ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ اس سے آگے لوگ بڑھ گئے۔ اس وقت عورت ان کے لیے مرد کی لذت وجود کا ایک ذریعہ بن کر رہ گئی ہے۔ جب یہ لذت انتہا کو پہنچے گی اور کثرت سے دستیاب ہوگی، تو لوگ ان چیزوں کو بڑھ جائیں گے، جیسے اب یورپ میں ہوتا ہے۔

میں آخری دن جب امریکہ سے چل رہا تھا، تو ہم جنس پرستوں کا کم ازکم ایک لاکھ کا جلوس نکلا ہوا تھا، جو وہ حق ملکیت مانگ رہے تھے اور حکومت نے انہیں دے دیا۔ عورت کو اس حوالے سے سوچنا چاہیے۔ میں آپ کو تنبیہ کے طور پر بتا رہا ہوں کہ اس وقت بھی پاکستان میں ایک کروڑ عورت غیر شادی شدہ ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ اس سے وہ مردوں کو نقصان پہنچا سکیں گی؟ اس سے وہ صرف عورتوں کو ہی نقصان پہنچے گا۔ یہ مسئلہ بقا ہے۔ اسی کی وجہ سے معاشرے میں توڑ پھوڑ ہوتی ہے۔ اگر آپ صحیح مسلمان نہیں ہیں اور آپ خود کے ساتھ اپنے احساس ذمہ داری کو شیئر نہیں کر رہیں، تاکہ معاشرے کو ڈیل کیا جا سکے، تو دیکھ لیجیے کہ دس یا پندرہ سال کے بعد جو سیلاب ہمارے مضمن اور سادہ گھروں پر چڑھ کے آرہا ہے، جواب بھی آرہا ہے، مگر دس سال کے بعد وہ اتنا کھلا ہوگا کہ کوئی بھی شادی شدہ عورت اپنے گھر میں محفوظ نہیں ہوگی۔ آپ کو اس بارے میں محتاط ہونا ہوگا۔ یہ ایک سماجی مسئلہ ہے۔

اس کا فیصلہ کرنا کسی فقیہہ کا کام ہے کہ غیر مسلم عورت خدائے واحد کی پرستش کرتی ہے یا مشرک کی۔ آج کل کے عقائد میں تو رومن کیتھولک بھی مشرک ہیں، جن کا عقیدہ روح مقدس، بیٹا اور باپ ہے۔ ان پر شرک کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لیے رومن کیتھولک کے ساتھ بھی شادی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ قرآن حکیم میں اللہ نے وضاحت کے ساتھ عقیدہ کی ڈگری بتائی ہے۔ ولا تنکحوا المشرکت حتی یومن کہ مشرکات کے ساتھ نکاح نہ کرو، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ولامتہ مومنتہ خیر من مشرکتہ ولو اعجبتکم (پ۲، س البقرہ، آیت ۲۲۱) ایک غلام مسلمان عورت ایک آزاد مشرکہ سے بہتر ہے، اگر تم غور کرو۔ یہ صرف مردوں کے لیے ہی نہیں ہے، بلکہ عورتوں کو بھی براہ راست حکم دیا کہ ولا تنکحو المشرکین حتی یومنو ا(پ۲، س

البقرہ، آیت ۲۲۱) مت شادی کرو، مشرک مردوں کے ساتھ، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔

بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ جب میں باہر گیا، تو مجھ سے دس مسلمان عورتوں نے پوچھا کہ ہمارے تعلقات کئی عیسائیوں کے ساتھ ہیں۔ ہم ان سے شادی کریں یا نہ کریں؟ اور یہ میرے لیے بہت خوفناک بات تھی کہ کس طرح اپنے مذہب سے عدم آگہی لوگوں کو مذہب سے دور لے جاتی ہے۔ خدا مسلمان عورتوں کو سختی سے کہتا ہے کہ ولا تنکحوا المشرکین حتی یو من و ابدا مومنون خیر مشرکا ولو اعجبتکم ایک غلام مسلمان بھی ایک آزاد اور رئیس ترین مشرک سے بہتر ہے، اگر تم غور کرو ورنہ جہنم اور آگ ہے۔

حجاب اور بے حجابی

حجاب صرف شناخت کے لیے ہے۔ پہلی جنگوں میں عورتیں ساتھ جاتی تھیں۔ جنگ یرموک میں حضرت خالد بن ولید جب آٹھ تلواریں توڑ کے پیچھے پلٹے اور مسلمان لشکر دباؤ میں تھا، تو ابوسفیان کی بیوی ہندہ اسے ملیں۔ اس نے ہاتھ میں خیمے کی چوب اٹھائی ہوئی تھی۔ اس نے کہا، خالد! تو کیا جرنیل ہے کہ تیری فوج بھاگ رہی ہے؟ خالدؓ کو اس وقت غصہ تو بہت تھا۔ خون آنکھوں میں اترا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا، اے دشمن خدا اور رسولؐ! پیچھے ہٹ۔ ان کو بعد میں ماروں گا، پہلے تیری گردن اڑاؤں گا۔ اس وقت بے حجاب چہرے دیکھے جاتے تھے۔ بے حجابی میں اور چہرہ دیکھنے میں بڑا فرق ہے۔

مسئلہ یہ ہوا کہ بنو قریظہ سے گزرتی ہوئی ایک مسلمان عورت جب خرید وفروخت کے لیے ایک یہودی کے پاس گئی، تو اس نے اسے بے حجاب کر دیا۔ مسلمان عورت نے شور مچایا۔ پاس سے ایک مسلمان گزر رہا تھا۔ اس نے اس یہودی کو قتل کر دیا۔ گرتے گرتے اس یہودی نے اپنی قوم کو پکارا۔ اور ان سب نے مل کر مسلمان کو شہید کر دیا۔ مسئلہ حضورؐ کے سامنے پیش ہوا۔ حضورؐ جب آئے، تو یہودیوں نے ایک اعتراض کیا کہ ہمیں کیا پتہ تھا کہ یہ مسلمان عورت ہے۔

اسی طرح جب حضور گرامیؐ کے دور میں ٹائلٹ وغیرہ تو نہیں ہوتے تھے۔ خواتین صحرا میں یا دور دراز جاتی تھیں۔ امہات المومنینؓ بھی جاتی تھیں۔ ان میں حضرت سودہؓ کا قد ذرا لمبا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ خاص کر امہات المومنین کا جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے پکارا۔

کہا کہ سودہؓ میں نے آپ کو پہچان لیا۔ حضرت ام المومنین سودہؓ نے آ کر آنحضورؐ سے شکایت کی کہ مجھے اس طرح عمرؓ نے کہا ہے۔ حضورؐ خاموش رہے۔ اس پر یہ پردے کی آیات اتریں۔ حجاب کی آیات پھر اس کے بعد اتریں۔

حجاب میں اتنا ہی لازم ہے، جتنا کہ اللہ نے کہا ہے۔ اس میں بھی عارضی اور وقت کے مطابق ردوبدل ہو سکتا ہے۔ مگر یہ اتنی بڑی شناخت ہے کہ میں جب ورجینیا میں گیا تو مجھ سے ایک لیڈی ڈاکٹر نے پوچھا کہ یہاں میری سوسائٹی بہت اچھی ہے۔ بڑے نیک اور نائس لوگ ہیں۔ میں نے اگر سر نہ بھی ڈھانپا ہوا ہو، تو کیا اس میں مسئلہ پیش آ سکتا ہے؟ میں نے کہا، بی بی! تو نے پوچھنا ہی نہیں تھا۔ تمہاری بے خبری تمہارے لیے باعثِ رحمت ہوتی۔ مگر اگر پوچھ لیا ہے تو میں آپ کو بتاؤں۔ اگر دور سے چلتا ہوا آ رہا ہوں اور تم بھی باقی عورتوں میں موجود ہو، تو میں تمہیں کبھی مسلمان عورت نہیں سمجھوں گا۔ آپ کو دوسری عورتوں کی طرح لوں گا۔ نائس، معقول اور ہر حوالے سے قابلِ احترام عورت۔ مگر مسلمان عورت نہیں سمجھوں گا۔ ہاں اگر تم دوپٹہ اوڑھا ہوا ہو، سکارف پہنا ہوا ہو۔ تمہارا گریبان ڈھانپا ہوا ہو، تو میں دور سے، چاہے تمہاری شکل چھپی یا نہ چھپی ہوئی ہو، تمہیں سمجھوں گا کہ یہ مسلمان عورت ہے۔

پالش والے ناخنوں کا وضو

اگر ناخنوں پر رنگ لگانا منع ہے، تو بالوں پر مہندی بھی منع ہوتی اور پھر آپ مہندی پہلے اتارتے، پھر مسح کرتے۔ یہ وہ باتیں ہیں، جو مسلمان میں اپنے مذہب کا تنافر تو پیدا کر سکتی ہیں، اسے اس کے قریب نہیں کر سکتیں۔ آپ غور کریں کہ جن پاؤں میں آپ نے وضو کے لیے جوتے پہنے ہوتے ہیں، اللہ حضر میں اڑتالیس گھنٹے اور سفر میں تین دن ان پر مسح کرواتا ہے۔ اس کو ناخنوں سے کیا دلچسپی ہے۔ اتنی آسانیاں پروردگارِ عالم نے آپ کو دے رکھی ہیں کہ اگر آپ کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی ہے، تو اللہ کیا کہے گا کہ پٹی کھول کر، زخم صاف کر کے دوبارہ اس پر پٹی کرو؟ خدا کے بارے میں یہ بدگمانیاں پیدا کرنا کسی بہت چھوٹے سر والے کا کام ہو سکتا ہے۔ اللہ میاں یہ نہیں کہے گا کہ ناخن لگے ہیں، تو وضو نہ کرو۔ آپ کہیں بھی قرآن و حدیث میں ناخنوں کا وضو بتا دیں؟ ہاتھوں کا تو لکھا ہوا ہے۔ مگر ناخن کا وضو کہاں لکھا ہوا ہے کہ جی آپ کے ناخن آپ کے ہاتھ کا حصہ

نہیں ہیں۔ یہ سب کو پتہ ہے کہ یہ گوشت ہے اور یہ سختی ہے۔ دونوں میں بہت فرق ہے۔ مجھے بتائیں کہ کہاں قرآن و حدیث میں لکھا ہوا ہے کہ ہاتھوں کے ساتھ ناخنوں کا وضو بڑا ضروری ہے۔

اللہ بڑا حقیقت پسند ہے کہ جب ایڑی کی بات ہوئی اور کسی شخص نے وضو کرتے ہوئے ایڑھی کو چھوڑ دیا تو رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ایڑی میں آگ ہے۔ اگر ایڑی پاؤں کی نہ دھوؤ گے، تو اس میں آگ ہے۔ ناخنوں کا تو ذکر ہی کوئی نہیں اور یہ اچھی طرح یاد رکھیں کہ جس چیز کا ذکر نہ ہو، اس کا ذکر لایا نہ کریں۔ مصیبت پڑ جاتی ہے۔

جنت میں بیوی مثل حور

میں نے بدترین جگہ پر تین سال گزارے۔ گرمی اور حبس بہت تھا۔ مچھر اور مکھیوں کی بہتات تھی۔ رات کو آنکھ لگے نہ صبح آنکھ لگے۔ بیٹھا ہوا ایک دن سوچ رہا تھا۔ میں نے اللہ میاں سے کوئی گلہ ولہ نہیں کیا۔ بس ایک بات کہی کہ اللہ میاں! یہ دنیا آرزو اور خواہشات کی جگہ ہے۔ اس دنیا میں ہر وقت کوئی نہ کوئی طلب رہتی ہے۔ اگر کوئی شخص بدترین حالات میں، جیسے وارد ہورہے ہیں، تجھ سے راضی ہو اور یہ کہے کہ چلو تو نے اس حال میں جیسے بھی مجھے رکھا ہے، ٹھیک رکھا ہے۔ اسے جنت کا فریب تو کیسے دے سکتا ہے؟ میں نے اسے یہ کہا کہ اگر اس دنیا میں جہاں اتنے حالات تلخ ہیں اور انسان اتنا الجھا ہوا اور بے بسی کے عالم میں بھی تجھے ہی اپریشی ایٹ کرے اور تجھے ہی داد دے کہ تو نے جس حال میں رکھا ہے، ٹھیک رکھا ہے، تو تو جنت میں اسے کیا خوشی دے سکتا ہے؟

جنت تو ایک ایسی جگہ ہے جہاں آرزو نہیں ہوگی، خیال نہیں ہوگا۔ اگر جنت میں خوشی بے حد نہیں ہوگی یا آرزو نہیں ہوگی یا غم نہیں ہوگا یا حسن نہیں ہوگا، تو بندے کو اور کسی چیز کی کتنی آرزو ہوگی؟ دوسری بات یہ ہے کہ ایک ہی عورت کے بھی تو ستر چہرے ہو سکتے ہیں۔ یہ ستر بڑی اہم چیز ہے۔ میں آپ کو بڑی عجیب وغریب بات بتانے لگا ہوں۔ جیسے ایک عورت ایک مرد کا چہرہ دیکھتی ہے یا مرد ایک عورت کا چہرہ دیکھتا ہے، تو وہ اپنے اپنے خیال میں خوبصورتی کی بلندترین ٹیکنیکل قسمیں چننا شروع کر دیں، تو میرے خیال میں روایت اس پر جاتی ہے کہ پوری دنیا میں صرف ستر

اقسام کے چہرے کی خوبصورتی نکلتی ہے۔

اب آپ خود غور کریں۔ جو اللہ ستر حوریں دے سکتا ہے، کیا وہ اسی اچھی بیوی کی ستر شکلیں نہیں بنا سکتا؟ ایک دن اس نے آرزو کی، وہ جو میں نے مادھوری ڈکشت دیکھی تھی، وہ مجھے اچھی لگی تھی۔ اگلے دن بیوی مادھوری ڈکشت بن کے آ گئی۔ اس سے اگلے دن وہ آرزو کر رہا ہے یا اللہ! کلاڈیا کارڈینل بڑی پسند آ گئی تھی، تو وہ کلاڈیا کارڈینل بن گئی۔ تو یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ستر حوریں ہوں گی ستر شکلیں اسی بیوی کی ہوں گی؟

باقی رہی بیوی کی بات، تو میں آپ کو یہ نئی بات بتا رہا ہوں کہ بیوی کے پاس چوائس ہوگا کہ یا مرد بن جائے یا اچھی بیوی کی طرح رہے۔ اس کے پاس بھی چوائس ہوگا۔ یہ جو جتنا بھی نظام ہے، وہ تو اس دنیا تک محدود ہے۔ کیا پتہ جو جنسی یا جسمانی تسکین یا انسان کا جو طریق محبت یہاں ہے، یہ لازماً جنت میں نہیں ہو سکتا۔ اس میں کوئی بناوٹ ہوگی، کوئی اور بہتر طریق ہوگا۔ جو میاں بیوی یہاں ایک پروسیجر سے گزرتے ہیں، ہو سکتا ہے جنت میں ایک دوسرے کو دیکھنے سے ان کی تسکین ہو جائے مگر جنت کی سب سے خوشی اور لذت خدا کو دیکھنا ہے۔ جمعے کے دن پروردگار عالم اپنے چاہنے والوں کو اپنی صورت زیبا دکھائیں گے۔

مستقبل قرآن وحدیث کی روشنی میں

یہ موضوع کسی قسم کی پیشین گوئی پر مشتمل نہیں ہے، نہ کسی طریقے سے کسی مسلم یا غیر مسلم ماہر فلکیات یا کسی سائیکک کے وجود سے مشابہ ہے۔ اس سے یہ تعلق نہیں رکھتا، بلکہ اس عنوان سے جو مطالعہ اور تاریخ عالم کا میرے پیش نظر رہا، جس طرح انسانوں اور ان کی تہذیبوں نے عروج پایا، جس طرح انسانوں نے اپنے آپ کو معاشروں میں ڈھالا اور ڈھالنے کے بعد بڑی بڑی حکومتیں قائم کیں۔ پھر ان حکومتوں کو زوال ہوا۔ اس طرح انسانی تاریخ ہمیں از خود ایک ایسا جائزہ عطا کرتی ہے کہ بڑے سے بڑے جاہ وجلال کے مالک دارا وسکندر ریہ تہہ زمین میں نہ صرف ہمیں نشانِ عبرت کی طرح ملتے ہیں، بلکہ ان کی تہذیبیں آج ہمارے لیے ایک کلاسیکل نمونہ بن جاتی ہیں۔ اس سے ہم بڑی آسانی سے اپنے نتائج مرتب کر لیتے ہیں۔

تاریخ دنیا میں کوئی بڑا یا چھوٹا نہیں۔ جب سے حیات انسانی نے ترقی شروع کی، حالات وواقعات کبھی نہیں ہوتے۔ قرآن حکیم میں پروردگار عالم نے فرمایا، وما من دابته فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیه الا امم امثالکم (پ ۷، س الانعام، آیت ۳۸) کہ زمین پر ایسی کوئی حیات نہیں ہے، نہ فضاؤں میں ایسا کوئی پرندہ اڑتا ہے، جو تمہاری طرح امتیں نہیں ہیں۔ ہمارے خیالات اور واقعات بھی امتوں کی طرح ہیں۔ کوئی خیال خیال سے اور کوئی واقعہ اپنی میراث سے جدا نہیں ہوتا۔ خیال وواقعات بھی اسی طرح خاندان، نسل اور انداز رکھتے ہیں۔ ان کے بھی ماں باپ ہیں۔ اولادیں اور نسلیں ہیں۔

تھوڑی سی توجہ اور تاریخ کے طویل مطالعہ سے آج کا کوئی بھی واقعہ حیران کن نظر نہیں آئے گا۔ کیونکہ اسی کی نسل کے کئی بزرگ واقعے بہت پہلے بھی ہو چکے ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہیں کہ ہم پورے کے پورے خیالات کے سیٹ کو خیر کا نام دیتے ہیں اور دوسرے خیالات کے سیٹ کو شر کا نام دیتے ہیں۔ ہم نے ایک عام سی بنیادی تقسیم یہ کی ہے کہ بجائے تفصیلات میں جانے کے عموماً اسے مقابلہ خیر وشر قرار دیتے ہیں۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ خیر کی قوتیں، واقعات اور معاملات ایسے تھے، جنہوں نے دنیا کو آگے بڑھاتے ہوئے ہمیں اس منزل فکر اور تمدن تک پہنچایا ہے اور شر وہ تمام واقعات ہیں، جو انسانوں کے اس تمدن اور تہذیب کو ناقص کرتے ہیں اور جو بالآخر انسانوں کی ترقی اور اس کی خدا تک رسائی کے لیے خطرے کا سبب بنتے ہیں۔

انسان کی سب سے پہلی مہذب سوسائٹی Agena سوسائٹی تھی۔ Greek سوسائٹی تھی۔ Create اور Athens میں یہ دونوں سوسائٹیاں پلیں اور انہوں نے عروج پایا۔ مگر ان کی عمر زیادہ نہیں رہی۔ اس کے بعد بھی آنے والی سوسائٹیوں میں Samarians, Fonations کلدانین، Medians، اخامنشی اور ساسانی ہیں۔ ان تمام خاندانوں کی زیادہ سے زیادہ مدت حیات سو سے لے کر تین سو برس تک بنتی ہے۔ بڑی مشکل سے کوئی سوسائٹی اس عرصے سے آگے چلتی دکھائی دی ہے۔

مگر جب سوسائٹیوں کو آپ بغور دیکھیں، تو ان کی تباہی کی دو بنیادی وجوہ تھیں۔ ایک داخلی اور دوسری خارجی۔ داخلی وجوہ سے مراد یہ ہے کہ جب بھی کوئی معاشرہ اپنے اندر استحکام اور بنیادی ذریعہ زندگی نہیں رکھتا، تو تمام تر جو ہماری پرانی سوسائٹیاں گزری ہیں، وہ حیرت کی حد تک زیادہ تر آگ سے تباہ ہوئی ہیں یا پھر بیرونی جارحیت کے گھاٹ اتری ہیں۔ بیرونی حملوں کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ کسی سوسائٹی کے اندران بلٹ سورسز نہیں تھے۔ تمام وہ انسانی سوسائٹیاں، جنہوں نے عظمت حاصل کرنا چاہی۔ خواہ وہ سکندر یونانی یا بخت نصر کے لوگ تھے، ان لوگوں نے اپنی سوسائٹیوں کو پھیلایا، تو ان کی وسعتیں، ان کے آگے بڑھتے ہوئے لشکر اور ان کے اخراجات حدود سے اتنے آگے نکل گئے کہ بالآخر ان کی پوری کی پوری سلطنتوں پر دباؤ پڑا اور اسی سال یا کوئی سوسائٹی تین سو برس سے آگے نہیں بڑھی۔ دور حاضر میں کمیونسٹ تہذیب کا آپ کو یہی نقشہ نظر آتا ہے کہ وہ اپنے اندر قائم نہیں رہ سکے۔ انہوں نے اپنے اندر اپنے ان بلٹ سورسز کو استعمال نہیں

کیا۔ جب انہوں نے توسیع اختیار کی، تو وہ ۷۰ سال بھی اپنی زندگی کو قائم نہ رکھ سکے۔

اس میں ایک استثنٰی مذہبی معاشروں کی آ گئی۔ مذہب کی سوسائٹیاں زیادہ پائیدار نکلیں۔ پہلی سوسائٹیوں میں اگرچہ فلسفہ تھا۔ جیسے پہلی یونانی سوسائٹی علم، فلسفہ اور فکر و دانش کی امام سمجھی جاتی تھی اور آج بھی ارسطو اور افلاطون کے نام عقل و دانش کی معرفت کے بغیر نہیں لیے جاتے۔ مگر جب مذہب آیا، اخلاقی قوانین کو برتری حاصل ہوئی اور کانسٹنٹین کے زمانے سے لے کر آگے تک ایک ایسی مضبوط عیسائی سوسائٹی تشکیل پائی کہ جس میں بادشاہ تو بدلتے رہے، مگر طویل عرصے تک ان کی حکومتیں زمانے پر قائم رہیں۔

آزادیوں کے بل پاس ہوتے ہوئے بیچ میں ایک بہت بڑی رومن سوسائٹی آئی، جو بعد میں عیسائی سوسائٹی ہو گئی۔ مگر میں آپ کو اس کے اخلاقی ابتلاء کا صرف ایک جملہ سنا دیتا ہوں۔ جب سب سے پہلے آزادیوں کے بل رومن سینٹ میں پیش کئے گئے، تو ان کے سب سے بڑے مفکر سسرو نے کہا کہ اے لوگو! میں تمہیں یہ خبر دیتا ہوں کہ تمہاری یہ عظیم رومن سوسائٹی پچاس برس میں تقسیم ہو جائے گی۔ وہ عجیب اس کی پیشین گوئی نکلی کہ پچاس برس میں رومن ایمپائر ایسٹرایمپائر اور ویسٹرن ایمپائر میں تقسیم ہو گئی۔ ان کے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ اوپر تلے روم کے سات بادشاہ ایسے تھے، جن کے ماں باپ ثابت نہیں تھے۔ یہ اخلاقی ابتلاء عین اس وقت تھی، جب ایسٹرن ایمپائر اپنے عروج پر تھی۔ صحرائے عرب سے خوشبودار ہوا چلی۔ پیغمبرؐ نے اپنے علم حقانیت کو بلند کیا۔ خدا کی رحمت انسانوں کے حصے میں آئی اور ایک بہت بڑی مسلم سلطنت کا وجود قیام عمل میں آیا۔

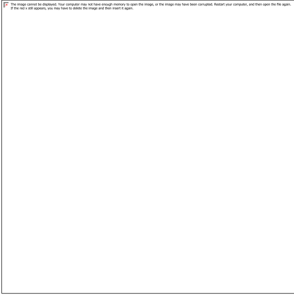
مسلم سلطنت کی تمام ابتدائی جدوجہد اور تمام جنگیں دفاعی تھیں۔ کسی بھی مقام پر کوئی مسلمان جارح نہیں ہوا۔ بلکہ مدینے کے حصار توڑنے کے لیے مرتدین پر جب سیدنا صدیق اکبرؓ نے حملے شروع کئے اور اس کے بعد ہر موقع پر جب بھی جزیرہ نمائے عرب میں ان کو اپنی زندگی مسلسل خطرے میں نظر آئی، تو اس کے ساتھ ساتھ پھر دفاعی اقدامات آگے بڑھتے گئے۔ حتیٰ کہ تبوک کی جنگ میں یہ دفاعی اقدامات رومن سرحدوں پر پہنچ گئے۔ مگر بحیثیت ایک اصول کے اس وقت کی دو سب سے بڑی قوتیں یعنی روما اور ایران اپنے سامنے ان اعراب کو کیسے برداشت کر سکتی تھیں، جن کے بارے میں مغیرہ بن شعبہ کو رستم ایران نے کہا کہ تم وہ لوگ ہو، جو سوسمار (گوہ)

کھاتے تھے اور تم وہ لوگ ہو، جن کو دو وقت کا کھانا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ تم کو پیسے چاہئیں؟ دولت اور مال و اسباب چاہیے، تو ہم سے لے لو اور ہمیں ہماری سلطنتوں کو تاراج کرنے کی ہمت نہ کرو۔ حضرت مغیرہؓ نے کہا، جیسے تم کہتے ہو، ہم ویسے ہی تھے۔ ہم ایسے ہی پست اور گئے گزرے تھے۔ مگر پھر اللہ نے ہم پر رحم فرمایا، ایک نبی مبعوث ہوئے۔ ہمیں خدا کا احترام آیا۔ انسان کی محبت، انصاف اور جراُت اخلاق آیا۔ پھر ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم تم لوگوں کو اپنے اوپر حکومت نہیں کرنے دیں گے۔

مسلمان اور عیسائی معاشرے کی جنگ اتنی شدید تر ہوتی گئی کہ بالآخر یرموک اور اجنادین کے معرکوں کے بعد مسلمانوں نے عیسائی پوری سوسائٹی کو اپنے عرب علاقے سے نکال باہر کیا۔ چنانچہ ایسٹرن ایمپائر کے سارے عیسائی کبھی بھی ان زرخیز علاقوں کی یاد نہیں بھولے۔ یروشلم، انطاکیہ اور حمس کو فراموش نہ کر سکے۔ ان کو ہمیشہ یہ یاد ستاتی رہی کہ ہم دوبارہ واپس پلٹیں اور اپنے ان علاقوں پر قبضہ کریں۔ اس کے لیے چرچ، ان کے پیٹر دی راہب جس کو کہتے ہیں، تاریخ میں اس کا نام مشہور ہے نے ایک مسلسل کروسیڈ کو جاری رکھا اور مسلمانوں سے ان کے علاقے واپس لینے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ ۱۰۹۹ء میں انہوں نے یروشلم کو واپس لے لیا۔

اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے پروردگار عالم نے مسلمانوں میں صلاح الدین ایوبی جیسا بندہ پیدا کیا۔ اور باوجود ابتلاء اور نفاق کے دور کے، مسلمانوں نے صلاح الدین کی قیادت میں یروشلم کو نہ صرف واپس لیا، بلکہ اس کے تمام علاقوں سے عیسائی خانقاہیت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ یہ ایک موروثی کمپلیکس کی طرح مغربی سوسائٹی میں اب تک موجود ہے۔ اسی طرح جس طرح یہود کو آج بھی یثرب کی یاد آتی ہے، اس کے ضمیر میں یثرب سے نکلنا ابھی تک گم نہیں ہوا۔ بنو قریظہ کو جب خیبر سے نکالا گیا، تو وہ اس حسرت اور اس دعوے کے ساتھ گئے کہ ہم ایک دن ضرور ارض موعود کو پلٹیں گے۔

وہ اس کو ارض موعود کیوں کہتے ہیں؟ اگر آپ قرآن حکیم پڑھیں، تو آپ کو احساس ہوگا کہ خداوند کریم نے ایک بہت خوبصورت آیت ہمیں عطا فرمائی۔ اس میں یہ تھا کہ اے پیغمبر! ابھی تو آیا بھی نہ تھا اور یہ تیرے وسیلے سے ہم سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور ہم ان کی دعائیں قبول کیا کرتے تھے۔ جب تو آ گیا ہے، تو یہ تیرا انکار کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ یہود بنیادی طور پر



دوسری طرف بدقسمتی سے مسلمانوں کو ان کی فتوحات کے غرور نے علم سے غافل کر دیا۔ علم کی اس غفلت کی وجہ سے مسلمان اپنی کارکردگی اور اپنی کامیابی سے آگے نہ جا سکے۔ مگر ایک نئے تجسس دماغ، جو یورپ میں پیدا ہوا، نے بڑی تیزی سے اپنے آپ کو مہذب کرنا اور سائنسی مہارت کی تحصیل حاصل کرنا شروع کی۔ بڑی سرعت کے ساتھ ایک بحری طاقت بنتے ہوئے انگلینڈ نے ترقی کا آغاز کیا اور ایک نئی جدید تر تہذیب کو فروغ حاصل ہوا۔ یہ جدید تر تہذیب بھی توسیع پسندی کی قائل ہو گئی۔

جیسے کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ تمام وہ تہذیبیں، جن کے پاس ان بلٹ سورسز نہیں ہیں، وہ جب آؤٹ بلٹ اور توسیع میں جاتی ہیں، تو کچھ عرصہ ان کو صرف اس لیے ترقی اور عروج حاصل ہوتا ہے کہ وہ دوسری اقوام کے وسائل پر پھلتی پھولتی ہیں۔ جب وہ دوسری اقوام کے وسائل پر پلتی اور بڑھتی ہیں، تو کچھ عرصہ یا کوئی ایک آدھ صدی کے لیے ان کی ترقی بڑی بے مثال اور ان کی شان وشوکت مستحکم ہو جاتی ہے۔ مگر جب ردعمل کی تحریکیں شروع ہو جائیں اور وہ اقوام جن پر ان کا غلبہ ہوتا ہے، از سرِ نو اپنے اقتدار کے حصول کے لیے بے چین ہو جائیں اور کوشش اور جدوجہد شروع کر دیں، تو وہ جو ان کی آؤٹ بلٹ ہے، وہ ٹوٹنا شروع ہو جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ یہ بڑی ایمپائرز سکڑنا شروع ہو جاتی ہیں۔

یہی حال حکومت برطانیہ کا ہے۔ جب استعماری طاقت کمزور نے سے اس کے قبضے سے ملک آزاد ہونے شروع ہو گئے۔ ایک وسعت جو پہلے ان کو حاصل تھی، نہ رہی۔ آسائشات جاتی رہیں، تو انہوں نے اپنے ان بلٹ نظام کو دیکھا۔ انہیں پتہ چلا کہ ان بلٹ نظام میں کوئی ایسی وسائل کی طاقت فراہم نہیں تھی، جو انہیں دور تک لے جا سکتی۔ ایک موقع پر فرانس اور امریکہ اکٹھے آزاد ہوئے اور ایک نئی حریت فکر، ایک نئی جدوجہد اور ایک تازہ نمو دقوم ہوئی۔ شروع شروع میں آزادی کے خیال سے امریکی قوم بڑی متحرک اور فعال تھی۔ ہر جگہ انقلاب انسانیت اور آزادیت کے تصورات کی حامل تھی۔ ہر جگہ یہ اپنے آپ کو مظلوم انسانوں کا چمپئن سمجھتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ شاید اصلی فطرت امریکیائی باہر آنی شروع ہو گئی۔

اگر آپ ان کی پالیسیوں پر غور کریں کہ دنیا کے ۴۱ فیصد وسائل صرف امریکہ کے پاس ہیں اور یہ وسائل ایک طویل المدت منصوبہ بندی کے تحت محفوظ پڑے ہوئے ہیں۔ امریکہ پوری

کوشش کررہا ہےاور شاید اس کو تاریخ کے مطالعے سے علم ہے کہ جب ہم دنیا کے باقی وسائل ختم کر لیں گے، تو پھر صرف ہمارے وسائل بچیں گےاور پھر ہم انہیں استعمال کرنا شروع کردیں گے۔مگر جو سٹائل حکومت اور انداز حکومت انہوں نے اختیار کیااور جس کثرت سے انہوں نے سرمائے کا بہاؤ شروع کیا۔ان پر ٹیکسیشن بننا شروع ہوگئیں۔ان کی معیشت پر اس کا دباؤ پڑنا شروع ہوگیا اور باوجود اس کے کہ وہ اپنے آپ کو دنیا کی سب سے بڑی معیشت کہہ رہے تھےاور کہلوا تے تھے، ان کو یہ احساس ہونا شروع ہوگیا کہ اگر ہم نئے ذخائر معدنیات اور وسائل تک نہیں پہنچیں گے، تو شاید ہم آئندہ کچھ عرصہ کے بعد اپنے معیار زندگی کو برقرار نہ رکھ سکیں۔

اس تناظر میں جب ہم مسلمانوں کو دیکھتے ہیں، تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اس عرصے میں مسلسل عیش وعشرت کی طرف رغبت کی۔اس سیال سونے کو، جس کی برکت سے دنیا میں ہر چیز متحرک ہےاور جس کی بنیادی قوت مسلمان کے پاس تھی، انہوں نے کبھی بھی اپنی تعمیر اور ان بلٹ کے لیے استعمال نہیں کیا۔ان کمزور تعصبات والے مسلمانوں کو جب اس قدر کثرت مال ملا، تو ان کے تمام رجحانات عیش وعشرت کی طرف ہونے شروع ہو گئے۔ان کے بیچ میں ایک ملک، جو اعلیٰ ترین مہارت اور ذہانتیں رکھتا ہے، وہ مملکت پاکستان ہے۔

پاکستان کا ملک بالکل اسی طرح ہے جیسے Thoroguh bred ہارس ہوتا ہے۔دنیا کے بہترین دماغ اس کھتالی میں پھلے ہیں۔اسی لیے آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمارا نمبر دو دماغ بڑا تیز ہے۔دنیا کی ہر چیز کی نقل کر سکتے ہیں۔ہر فراڈ اور مکروفریب کو بڑی آسانی سے اپنا لیتے ہیں۔ یہ اس کے اعلیٰ ترین دماغ ہونے کی نشانی ہے۔بدقسمتی سے قائداعظم کے بعد ہمارے سیاستدانوں نے اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں کیا۔ایک عظیم تر ملک کے عظیم تر اذہان بےبسی اور بےچارگی کا شکار ہوتے گئے۔اس کے نتیجے میں ہمیں بہت سارے سماجی، معاشی اور اخلاقی بحران دیکھنے پڑے۔مگر ایک کام بڑا عجیب وغریب ہوا کہ اس بھوک وافلاس کے باوجود ہمارے سائنسدان کہیں چھپ چھپا کے اپنے کام میں لگے رہے۔انہوں نے عسرت وافلاس، پانی اور گندم کے بحران، انفراسٹرکچر کے توڑ پھوڑ اور معاشرتی زندگی میں درپیش ہمہ قسم بحرانوں کے باوجود، جو ہمیں درپیش ہیں، ہمیں خدا کے فضل سے ایک قابل احترام حیثیت دے دی۔یہ حیثیت ایک دنیا کی نظر میں بھی ہےاور ان ملکوں کی نظر میں بھی، جن کا خیال یہ تھا کہ ان کی توسیع کا خیال کسی طرح مجروح

نہیں ہونا چاہیے۔

جیسے میں نے پہلے کہا کہ اس جنگ میں، جو یورپ اور مشرق اور مغرب کے درمیان لڑی گئی، مغرب کو ہمیشہ ایک خطرہ رہا۔ ویسٹ میں ہمیشہ جتنی حکومتیں بھی قائم ہوئیں، وہ تھوڑے عرصے کی حکومتیں تھیں۔ مشرق میں جتنی حکومتیں بھی قائم ہوئیں، ان کے پیچھے بنیادی نظریہ ایک ہونے کی وجہ سے ایک طویل عرصہ حکومت رہی۔ اسلام اپنی پیدائش کے بعد سے لے کر ۱۶ویں اور ۱۷ویں صدی تک مسلسل حکومت کرتا چلا آیا تھا۔ بندے بدل جاتے تھے مگر نظریہ وہی رہتا تھا اور ویسٹ کو یہ آگہی تھی کہ ہم اس نظریے کے خلاف جنگ نہیں لڑ سکتے۔ چنانچہ بنیادی موروثی کمپلیکس، جو مغرب میں آیا، دو تھے۔ ایک تو اپنا عرصہ حکومت کو طول دینے کا ہر حربہ استعمال کرنا اور دوسرا اسلام کو ہر طریقے سے جدید ترین ٹیکنالوجی اور عروج طاقت سے روکے رکھنا تاکہ جو مختصر عرصہ انہیں اپنے عروج کا ملا ہے، وہ کہیں پھر زوال کی زد میں نہ آ جائے۔

آج سے پہلے جب بھی کوئی سوسائٹی عروج میں آتی ہے، طاقت پکڑتی ہے، وہ اپنے آپ کو ازخود اپنی عظمت کے ساتھ ہپناٹائز کرتی ہے۔ یہ تمام سوسائٹیوں کا خاصا رہا ہے۔ جیسے جب رومن تھے، وہ کبھی بھی اپنے آپ کو انسان نہیں کہتے تھے۔ وہ رومنز گاڈ کہلاتے تھے۔ حتیٰ کہ جولیس سیزر نے اپنے لیے انسانیت کا نہیں، بلکہ خدائے روم کا لقب چنا۔ جو بھی سوسائٹی اپنی انتہا کی طاقت کو پہنچتی ہے، وہ تکبرانسانیت میں سب سے پہلے ملوث ہو جاتی ہے۔ جیسے ہمارا ذہ ہی آدمی ذرا سا پاک صاف ہو جائے اور جو اکیڈیمک والا ہے، وہ ہر دوسرے بندے کو گنہگار سمجھتے ہوئے اس کی زجر وتوبیخ شروع کر دیتا ہے۔ اس پر لعنت وملامت شروع کر دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں متقی ہو گیا ہوں اور میرا دوسرا بھائی گنہگار ہو گیا ہے۔ میرا حق بنتا ہے کہ میں اس کو کوڑے اور درے ماروں۔ اس کو نالائق سمجھوں۔ اس کو طعنے دوں اور اس کی زندگی اجیرن کر دوں تاکہ جو تھوڑا بہت اسلام اس میں باقی ہے، وہ بھی نکل جائے۔

اسی طرح متکبر قومیں ان قوموں کو، جن کے ابھی تک مراتب بلند نہیں ہوئے ہوتے یا جو ٹیکنالوجی میں تھوڑی سی پست ہوتی ہیں، اپنے سے حقیر سمجھتے ہوئے مسلسل کوشش کرتی ہیں کہ یہ اس ٹیکنالوجی یا اس طاقت تک نہ پہنچ جائیں، جو کبھی ان کو چیلنج کر سکیں۔ امریکہ اور یورپ اپنی ٹیکنالوجی کو ایک عرصہ خفیہ رکھتے ہوئے کوشش کرتے رہے کہ یہ کسی مسلمان ملک تک نہ پہنچے مگر

مکروا و مکر اللہ و االلہ خیر الماکرین (پ۳،س آل عمران،آیت ۵۴) تقدیر اپنی جگہ ایک اٹل حقیقت کی طرح کام کرتی رہی اور بالآخر ان کی بہت سی خفیہ معلومات اور ٹیکنالوجی مسلمان ملکوں کے پاس بھی پہنچ گئی۔ آج انہیں سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان اسی ٹیکنالوجی کی بنا پر ترقی کرتا ہوا امریکہ یا یورپ اور ان کی موجودہ تہذیب کے لیے چیلنج نہ بن جائے۔

اسلام کو ایک عالمی حکومت پر شرعاً، اخلاقاً اور فقہی اعتبار سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر اقوام عالم مل کر اپنے میں سے کسی کو دنیا کا صدر چن لیں اور وہ دنیا کو امن اور تہذیب اور سکون کا پیغام دے، تو میرا نہیں خیال کہ کسی مسلمان اور صاحب اسلام کو اس بات پر اعتراض ہو مگر یہ خطرہ اس لیے نہیں مول لیا جا سکتا کہ آج کے تصادم میں وہ قومیں جو اپنی تہذیب اور ٹیکنالوجی پر ناز کرتی ہیں، وہ مسلمان کو مہذب سمجھنے سے قاصر ہیں۔ افغانستان کے ساتھ تصادم میں بار بار ایک بات جو دہرائی گئی کہ ہم مہذب اقوام کو جانگلی مسلمان سے خطرہ لاحق ہے۔

مگر اس تہذیب کی بنیاد انہوں نے کن اصولوں پر رکھی ہوئی ہے، آج تک یہ پتہ نہیں چلا۔ کس اخلاقی اصول پر مغربی تہذیب کی بنیاد ہے؟ اگر شہروں کی صفائی پر بنیاد ہے، تو وہ مسلمان کی کمزوری، خامی اور حماقت کہی جا سکتی ہے کیونکہ اسلام کی اس سے بڑی سٹیٹ منٹ اور کیا ہوگی، جو اللہ کے رسولؐ دے بیٹھے ہیں کہ صفائی نصف ایمان ہے۔ ایمانداری کا جو تحفظ قرآن یا رسولؐ کرتے ہیں، اس سے بہتر تحفظ قطعاً کسی اور معاشرے میں موجود نہیں ہے۔ چنانچہ ہماری خامیوں کے اعتبار سے وہ مغربی تہذیب کے ساتھ تصادم کی بنیاد نہیں ہیں بلکہ ہماری تہذیب میں سب سے بڑا ابتلا اور بحران اپنی ہی اقدار سے دور ہونا ہے۔ یہ ہمارا سب سے بڑا بحران ہے۔

ہمیں دیانت اور امانت کا سبق پڑھنے اور اپنی ذہانتوں کے موزوں استعمال کے لیے کسی ہارورڈ، کیمبرج اور آکسفورڈ میں نہیں جانا پڑتا۔ ہماری اپنی درسگاہ کے دروازے ہم پر بند ہو چکے ہیں۔ تلاشِ علم ختم ہو چکی۔ محبت رسولؐ صرف نعت گوئی تک رہ گئی اور ہمارے اخلاقی نظام میں رسولؐ کے اسوہ کے ساتھ مطابقت نہیں رہی۔ ہماری ترجیحات گڈمڈ ہو گئی ہیں اور وہ اسلام، جو بنیادی طور پر اللہ کا مذہب اور اللہ کے لیے آیا تھا، جو اللہ کی شناخت اور اس کی محبت کے لیے تھا، وہ مسلمانوں سے ہماری بنیادی ترجیح ہی ختم ہو گئی۔ ہم ایک ایسے خانقاہی نظام اور ایسی رسمی عبادات

میں پڑ گئے جس کے بعد ہمارا براہ راست تعلق خدا سے ٹوٹ گیا۔ اخلاص نام کی کوئی شے مسلمان کے دل میں اللہ کے لیے نہیں رہی ہے اگر مسلمان کی واپسی ہوگی تو ادھر ہی ہوگی کہیں اور نہیں۔

کیا آپ کو وعدے نہیں چاہئیں؟ کیا چیز ہے جو رسول پاکؐ بیان نہیں کر چکے؟ جو جناب رسالت مآبؐ نے اپنی زندگی میں بیان نہیں کی؟ قیامت تک واقعات بیان کر چکے۔ میں ان کو پیش گوئی نہیں سمجھتا۔ یہ پیش گوئیاں نہیں ہیں۔ مگر آپ کے لیے ایک خطرے کی بات ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا' نوح نے سب سے پہلے دجال کی خبر دی۔ پھر ہر پیغمبر نے اپنی امت کو دجال سے خبردار کیا۔ میں سب سے زیادہ تمہیں اس کی خبر دے رہا ہوں۔ اب اس امت کو دیکھئے' جس نے کبھی دجال کی کوئی حدیث ہی نہیں پڑھی تو اس کو اس خبر سے کیا فائدہ پہنچے گا جو رسول اللہ بہت پہلے دے چکے ہیں؟ جناب رسالت مآبؐ نے زمانوں کے بارے میں کیا خوبصورت محاورہ ارشاد فرمایا کہ دجال کے زمانے میں زمانے قریب آ جائیں گے' بہت قریب ہو جائیں گے۔ اور فرمایا کہ قیامت اس لباس کی طرح قریب آ جائے گی جو صرف ایک دھاگے سے لٹکا ہوا ہے یعنی اس کا اتنا قرب خروج دجال کے ساتھ ہو جائے گا۔ فرمایا کہ پیدائش آدم اور اس زمین کی تخلیق سے لے کر قیامت تک کوئی فتنہ دجال سے بڑا فتنہ نہیں ہے اور تخلیق زمین سے لے کر بربادئ زمین تک کوئی فتنہ دجال سے بڑا نہیں۔

مگر یہ کیوں فتنہ ہے؟ ایک بڑی خوبصورت حدیث میں رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ایک مومن جب دجال کے پاس جائے گا تو وہ سمجھے گا' میں ایمان والا ہوں مگر شام تک اس کو شک پڑ جائے گا کہ میں صحیح بھی ہوں کہ نہیں۔ یہ کس چیز کی طرف اشارہ ہے؟ شک وشبہ کی ایک فضا قائم ہو جائے گی۔ اتنا طاقت ور ترغیبات کا معاشرہ مغرب تخلیق کرے گا۔ اتنا طاقت ور کانسپٹ دے گا کہ ایک بڑے سے بڑا صاحب ایمان بھی جب ان کے معاشروں میں جائے گا اور ان کے نظام کو دیکھے گا تو وہ شبہ میں پڑ جائے گا کہ آیا ہم ٹھیک ہیں یا وہ ٹھیک ہیں؟ ہم غلط ہیں کہ یہ غلط ہیں؟ ان لوگوں پر نظر ڈالیں جو یہاں سے مغرب کو گئے ہیں۔ اس سوسائٹی میں کچھ عرصہ قیام کیا۔ واپس آ کر کئی سادہ دل بزرگوں سے سنا کہ امریکہ بہت بڑا ہے۔ امریکہ خدا ہے۔ اپنی بڑائی اور برتری کے تکبرات میں وہی شعور' جو رومن میں پیدا ہوا تھا' ہر امریکن میں صبح وشام پیدا کیا جا رہا ہے۔ انہیں سبق پڑھایا جا رہا ہے کہ تم بندگان خدا نہیں ہو بلکہ دیوتان زمین ہو۔ تم بڑے لوگ ہو۔ ایران

ہو یا کوریا' ان کو امریکہ کے ابدی نظام انصاف کا سامنا ہے۔ یہ ابدی انصاف کیا ہے؟ جو یورپ کلچر دے رہا ہے' کیا یہ ہے؟ بہت پہلے اقبال نے ایک بڑی خوبصورت سی بات کہی تھی کہ

صلۂ فرنگ سے آیا ہے ایشیا کے لیے
مے قمار و ہجوم زنان بازاری

یہ وہ صلہ ہے' جو بہت پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ وہ مغربی کلچر ہے جو ہماری رگ رگ میں سمائے جانے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے مگر ہمارے پاس اس کا سامنا کرنے کو کیا ہے؟ بدقسمتی سے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ انٹلیکچوئل اور ذہن رسا کی سطح پر مسلمانوں میں کوئی ایسی تحریک نہیں ہے جو جوابی وژن کی طاقت پیدا کرے جو کم از کم اپنے فلسفہ خیال اور اپنے نظریے کو سمجھے اور یہ نہ سمجھے کہ مسلمان صرف عبادات کے لیے پیدا ہوا ہے جو یہ نہ سمجھے کہ وہ صرف چند عملی اقدامات کی پیروی کا نام ہے بلکہ یہ کائنات کے اعلیٰ ترین مابعدالطبیعاتی فلسفے کا نام ہے۔

سوال یہ ہے کہ کس مذہب میں خدا ملتا ہے؟ کس فلسفہ حیات میں خدا کے ساتھ ایک براہ راست اپروچ ملتی ہے۔ سوائے اسلام کے کسی اور نظریے سے خدا نہیں ملتا اور خدا ہی مابعدالطبیعات کی جان ہے۔ خدا ہی مابعدالطبیعات ہے۔ اگر ایک مذہب صرف اسلام سے خدا ملتا ہے اور باقی جگہوں پر انہوں نے روحانیت اور تصوف کو خدا سے تعلق کا نام دے رکھا ہے' تو آج تک زمانے میں وہ چیز پیدا کیوں نہیں ہو سکی جو مسلمان میں پیدا ہو سکتی ہے۔ مختصراً وہ حدیث ہے کہ فراست مومن سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ جب ایک عیسائی لڑکے نے مجھ سے پوچھا کہ عیسائیت اور اسلام میں کیا فرق ہے؟ آپ کی چند عبادات اور قسم کی ہیں' ہماری چند اس قسم کی ہیں۔ تو اتنا بڑا کیا فرق ہے کہ آپ ہمیں اپنے برابر کا سمجھتے نہیں ہیں؟ آپ کیوں مغرور ہیں؟ کس رسائی پر کس پہنچ پر آپ کا دعویٰ ہے اور کس جرم کی وجہ سے آپ ہمیں ذلیل وخوار کرتے ہیں؟

میں نے کہا میرے عزیز! بات تو آپ کی درست ہے۔ جو عبادات آپ کرتے ہیں وہ بھی اللہ کے لیے بجا ہونی چاہئیں اور جو ہم کرتے ہیں' وہ بھی اسی کے لیے ہونی چاہئیں۔ تم اپنے طریقے سے عبادات کر لیتے ہو' ہم اپنے طریقے سے پانچ وقت کی نماز پڑھ لیتے ہیں مگر دراصل بات یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں خدا کی آرزو پیدا ہوتی ہے' وہ اللہ کو چاہتا ہے جب وہ رستہ تلاش کرتا اور خدا کی راہ ڈھونڈتا ہے تو دنیا کا کوئی نظریہ اسے خدا تک نہیں پہنچا سکتا۔ ان الـدیـن

عندالله الاسلام (پ ۳'س آل عمران' آیت ۱۹) اللہ کے نزدیک خود اس کا رستہ' تعین کردہ دین وہ نہیں ہے جسے آپ پریکٹس کر کے فارغ ہو جائیں گے بلکہ وہ نظریہ دین اور وہ آئیڈیا' جو آپ کو اللہ تک پہنچائے گا۔ وہ صرف ایک ہے اور وہ اسلام ہے۔

مزید اس پر فرمایا' دین میں اکراہ نہیں ہے لااکراہ فی الدین (پ ۳'س البقرۃ' آیت ۲۵۶) جو چاہو چنو' جس رستے پر جاؤ جا سکتے ہو۔ خدا کو آپ سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اللہ آپ پر کوئی جبر وتشدد نہیں کرتا۔ اس نے تو عقل دی ہی صرف اس لیے ہے کہ آپ اپنا رستہ چن سکو۔ چاہے اللہ کو مانو' چاہے نہ مانو مگر اسلام مجبوری ہے ہر اس شخص کی' جسے خدا چاہیے۔ آپ تبت کے لامہ ہو جائیں یا افریقہ کے شامان یا لارڈ پادری بن جائیں' آپ کو سب کچھ مل سکتا ہے' عزت و حرمت مل سکتی ہے۔ مادام ٹریسا کی سی قبولیت مل سکتی ہے مگر خدا نہیں مل سکتا۔ زمین پر کوئی شخص کسی دوسرے معاشرے سے خدا کی شناخت کلیم کر رہا ہو' سوائے مسلمانوں کے۔ اولیاء اللہ تعالیٰ کی ایک لمبی لائن ایسے لوگوں کی موجود ہے جو خدا سے نہ صرف تعلق رکھتے ہیں' بلکہ ان پر خدا کا نور چھلکتا ہے۔ وہ اس فراست مومن کے مالک ہوتے ہیں' جو صرف اور صرف اللہ کے حضور سے اشو ہوتی ہے۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلا یقبل منہ (پ ۳'س آل عمران' آیت ۸۵) اللہ نے بالکل صاف لہجے میں کہا کہ میں اسلام کے رستے کے سوا کسی اور رستے کو قبول نہیں کروں گا۔ اسلام کے سوا مجھے کوئی اپروچ پسند نہیں ہے۔ اگر ایک مابعدالطبیعاتی سچائی اور حقیقت یعنی خدا کو صرف ایک اپروچ پسند ہے تو اس سے بڑا مابعدالطبیعاتی مذہب کون سا ہو سکتا ہے؟

مگر کیا پھر اگر رسل اور برگساں کو پڑھتے ہوئے آپ کو اعلیٰ معیار' ایک جدت خیال اور انسٹرومنٹ چاہیے' جس سے آپ کائنات کو فہم و فراست کی ادراک میں لے سکتے ہیں تو پھر کیا خدا کو جاننے سمجھنے کے لیے آپ کو تعلیمی کاوشیں نہیں چاہئیں؟ ضرور چاہئیں۔ یہی وہ فرق ہے جو آج مسلمان میں نہیں ہے۔ تعلیمی بحران' اپنے مذہب میں غور و خوض نہ کرنے اور دنیاوی علوم میں دسترس ہونے کے باوجود قرآن حکیم کو سمجھنے میں معذوری کی وجہ سے مسلمان پر ہے۔ اگر افغانستان میں معجزہ اور کرامت نہیں ہوئی تو اس کی وجہ خدا اور اسلام نہیں ہے۔ اس کی وجہ اللہ کی طرف توجہ کا نہ ہونا ہے۔

اب میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر جھوٹ

ہو لاؤ وہ جہنم میں داخل ہو گیا۔ اخبار یں تو آپ پڑھتے رہے۔ مسلسل ملا عمر کے ساتھ ایک خواب کی تعبیر آتی رہی کہ انہوں نے چار پانچ مرتبہ حضور گرامی مرتبت کو دیکھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اٹھ جہاد کر' جنگ کر۔ تو افغانستان کو اکٹھا کرے گا' فتحیاب ہو گا۔ کیا اس خواب کی تعبیر یہی نکلتی تھی؟ جب فارن دجال کا میڈیا آپ کو پیغمبر کا چوغہ دکھاتا ہے تو اس کا مقصد یہ بالکل نہیں ہوتا کہ وہ آپ کو پیغمبر کا لبادہ دکھائے۔ اس کی بنیادی سائیکی یہ کہتی ہے کہ تمہارے پیغمبر کے لبادے نے بھی تمہاری مدد نہیں کی۔ تم پیغمبر کے خواب دیکھتے رہو۔ فتح ہم معروضی لوگوں کو حاصل ہو گی۔ یہ کتنے بڑے جھوٹ تھے' جو اللہ کے رسول پر باندھے گئے۔

رسول اللہؐ کے دو سچے خواب' جو تاریخ میں درج ہوئے' میں ان کی آپ کو چھوٹی سی بات سناتا ہوں۔ یہ دونوں فیصلہ کن انسٹی ٹیوشنز ہیں' جو تاریخ میں ہوئے۔ معرکہ عین جالوت سے ایک سال قبل ہلاکو خان کا پوتا قزل بوغا ایک لاکھ شاہسواروں کے ساتھ دمشق کی فصیل کے نیچے آ کر رکا۔ شہر میں کوئی فوج نہیں تھی۔ دروازے بند تھے۔ عورتیں آہ و بکا کر رہی تھیں اور کوئی سامان حرب نہ تھا مگر شہر میں ایک شخص محمد بن ادریس الشافعی الجزری موجود تھے۔ وہ بڑی مشہور حدیث کی ایک کتاب ''حصن حصین'' لکھ رہے تھے۔

''حصن حصین'' کا مختصر تعارف یہ ہے کہ اس میں دعا کو مضبوط قلعہ فرمایا گیا ہے۔ شافعی مختلف احادیث سے رسول اللہ کی تمام دعائیں اکٹھی کر کے یہ کتاب تیار کر رہے تھے۔ اس رات اسے مکمل کرنے کے بعد دعا میں حضور کو نذر کی اور کہا یا رسول اللہؐ بہت بڑے خطرے میں امت مبتلا ہے۔ اگر یہ کل دمشق میں داخل ہو گئے تو پورے عرب میں پھر انہیں کوئی روکنے والا نہ ہو گا۔ بہت قتل و غارت ہو گی۔ اے شاہ امم! اپنی امت کو اس خطرے سے بچا لیجیے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ رات میں نے رسول اللہ کو خواب میں دیکھا۔ مجھے اپنے بائیں ہاتھ میں لیا۔ اس کا مطلب کسی کو عرب کے دستور میں حفاظت میں لینے کو کہتے ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ مجھے حضورؐ نے بائیں ہاتھ لیا اور فرمایا' گھبراؤ نہیں۔ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔

دو واقعات تاریخ میں ایسے رہے ہیں' جن کی وجہ آج تک سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ تاریخ کے اسرار ہیں۔ ایک کی وجہ تو آپ کو ابھی بتا دی۔ ایک اور واقعہ بڑا عجیب و غریب گزرا ہے۔ خداوند کریم کہتے ہیں اذا اسئلک عبادی انی فانی قریب' یہ پوچھتے ہیں کہ اللہ میاں! تو دعا

سنتے وقت کہاں ہوتا ہے؟ فرمایا' کہ دو میں بہت قریب ہوتا ہوں۔ تمہارا صبر ہی اتنا ہے کہ تم میری قربت کو بھی بہت بڑا فاصلہ سمجھتے ہو۔ روم کے دروازے پر وقت کا سب سے بڑا سفاک حکمران آ کر رکا۔ وقت کا سب سے بڑا سفاک حکمران اٹلہ دی ہن۔ ہن ادھر انڈیا میں بھی آئے اور اُدھر یورپ میں بھی گئے۔ ادھر آنے والے تو رامان اور مہر گل تھے اور اُدھر جانے والا اٹلہ تھا' جس کے نام کی وحشت آج بھی یورپ میں قائم ہے۔ وہ تہہ و بالا کرتا ہوا روم کے دروازے پر پہنچا۔ روم کے اندر بھی فوج نہیں تھی۔ یہ اسلام سے کچھ دیر پہلے کا واقعہ ہے اور عیسائیت اس وقت صحیح مذہب تھا۔ وہ سارے کے سارے اپنے گرجا میں بیویوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر جمع ہو گئے اور خدا سے آہ وزاری کرنا شروع ہو گئے۔ اے پروردگار! اس آفت زمانہ سے صرف تو ہی بچا سکتا ہے۔ بعینہٖ یہی واقعہ دمشق میں پیش آیا۔ صبح کے وقت دونوں فورسز کیسے پلٹ گئیں کدھر گئیں؟ کیونکہ صبح جب شہر والوں نے اٹھ کر دیکھا تو ایک بھی دشمن کا سپاہی سامنے نہیں تھا۔ روم کے دروازے پر' نہ دمشق کے دروازے پر کوئی نظر آیا۔ اگر رسول اللہؐ کسی خواب میں نظر آئیں گے پھر تو ایسے ہو گا۔

ایک چھوٹا سا واقعہ اور سن لیجیے۔ سید علی بن عثمان ہجویریؒ ابھی ہندوستان میں وارد نہیں ہوئے تھے۔ وہ تحصیل علم میں کہیں سے کہیں گھوم رہے تھے۔ ایک دفعہ وہ دمشق کی جامع مسجد میں نماز ادا کر رہے تھے۔ فرمایا کہ میں نے دیکھا' باب شرق سے رسولؐ اللہ داخل ہوئے۔ انہوں نے ایک نحیف اور نزار آدمی کو آغوش میں اٹھایا ہوا ہے۔ فرمایا' مجھے بڑا رشک آیا کہ یہ کون ہے' جسے رسول اللہؐ نے اٹھایا ہوا ہے۔ میں دوڑ کر قدم بوس رسولؐ ہوا۔ حضورؐ نے میرے خطرۂ قلب پر آگہی پائی اور کہا علی بن عثمان! ذرا غور سے سنیے گا۔ یہ تیرا اور تیرے لوگوں کا امام ابو حنیفہؒ ہے۔ اس وقت تک تبلیغ دین کا وہ فشار شروع ہوا تھا' نہ اس وقت تک سید ہجویر ولایت عظمیٰ اور قطب الاقطاب کے منصب پر فائز ہوئے تھے مگر آج بھی اس خواب کی سچائی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ماورالنہر سے لے کر راس کماری تک کچھ تعداد کو چھوڑ کر تمام ہندوستان کی فقہ حنفی ہے۔ اس خواب کی سچائی دیکھیے کہ اس میں دو باتیں رسول اللہؐ نے ارشاد فرمائیں۔ فرمایا' اے علی بن عثمان! ہندوستان تجھے بخشا اور اے علی بن عثمان! ان لوگوں کا غزنی سے لے کر راس کماری تک کی فقہ حنفیہ ہو گی۔ حتیٰ کہ آج بھی اس حقیقت کا انکار ممکن نہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ افغانستان میں کون سے خواب دیکھے جا رہے تھے؟ جو رسول اللہؐ پر صاحب صدق وصفا پر بہتان باندھتا ہے اس کو تو آگ میں داخل ہی ہونا ہے۔ اگر باوجود اس کے کہ ہمارے دل ان کلمہ گو لوگوں کے ساتھ دھڑکتے تھے اور آج بھی اس صدمے سے شاید ہمارے دل چاک ہیں۔ خوف ابتلا اور اس رنج سے کہ مسلمانوں کو عراق کے بعد یہ دوسرا بڑا صدمہ پہنچا ہے۔

یہ کچھ احادیث دجال کی پہچان پر ہیں بڑی عجیب وغریب ہیں۔ لوگ کہتے ہیں دجال کون ہے؟ زمانہ کون سا ہے؟ کیا عصر بنتا ہے؟ کون سی قوتیں اسے بناتی ہیں؟ سب سے پہلے میں آپ کو دو ڈھائی ہزار سال پہلے حضرت دانیال کے چند لفظ بتانا چاہتا ہوں۔ حضرت دانیال نے خواب دیکھا کہ چار سینگوں کے درمیان ایک چھوٹا سینگ نکلا ہے اور دیکھتے دیکھتے وہ سینگ بہت بڑھ گیا ہے۔ وہ بڑے پریشان ہوئے پھر دیکھا اس پر ایک سر نمودار ہوا اور وہ بڑے غرور اور گھمنڈ کی باتیں کرتا ہے۔ دانیال بڑے پریشان ہوئے۔ جبرئیل امین سے کہا میرا دل بڑا متغیر ہے۔ مجھے یہ بتاؤ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ حضرت جبرئیل نے کہا دانیال! یہ تیرے عہد کا خواب نہیں ہے۔ ایک دن اور دوسرا دن اور آدھا دن۔ یعنی تیرے ڈھائی ہزار سال بعد یہ واقعات پیش آئیں گے۔ یہ ایک بہت جابرانہ حکومت بنے گی اور انہوں نے بڑی عجیب وغریب نشانی بتائی کہ وہ اجرام فلکی کو پامال کریں گے۔ ان کے قدم اجرام فلکی پر جائیں گے۔ دائمی قربانی کو بند کر دیں گے۔ اس قوت کی پہچان بتائی جا رہی ہے کہ خداوند کے قدوسوں کو قتل کریں گے۔ دائمی قربانی صرف ایک ہے۔ حج کے وقت کی قربانی۔ یہ بند کر دی جائے گی۔ حضرت نے پوچھا کہ جبرئیل امین! ہم اس کو کیسے پہچانیں گے؟ فرمایا' مملکت رس بحیرہ بالٹک اور پانیوں کے گرد آباد قوموں میں دجال کی مخلوق ہوں گی۔

حضرت دانیال کے اس واقعہ کو۔ کاشفہ دانیال کہتے ہیں۔ حیرت انگیز طور پر پورے پورے اس خطرے کی نشاندہی کرتا ہے کہ خانہ کعبہ پر بنو اسرائیل کے ذریعے چڑھائی ہوگی۔ یہ خداوند گھمنڈ کی باتیں کرے گا۔ قدوسوں کو رسوا کرے گا اور اپنے آپ کو خدا کا ہم عصر جانے لگا۔ اصلی بزرگ و برتر خدا کو حقیر سمجھے گا۔ پھر اس کو طاقت دی جائے گی۔ حیرت کی بات ہے کہ حضرت دانیال نے اس کا وقت بھی بتایا۔ تین سو پینتیس دن خروج کے بعد اس کی طاقت رہے گی اور یہ سال

سال کے قریب بنتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حواری جمع تھے۔ حواریوں نے عرض کی یا نبی اللہؑ! ہمارے دل بے چین اور مضطرب ہیں۔ آج آسمانوں سے کھانا اترے تو دل کو تسلی ہو۔ یہ معجزہ ہمارے حق میں ہو۔ ہمارے دل تسلی پائیں۔ تاکہ ہم اس قابل ہوں کہ خدائے قدوس بزرگ و برتر کی تعریف کریں۔ حضرت عیسیٰؑ نے ایک دعا فرمائی۔ قرآن میں درج ہے کہ اے پروردگار! آسمانوں سے ان کے لیے عرفان نعمت اتار جوان کے اگلوں کو بھی پہنچے اور ان کے پچھلوں کو پہنچے تو بے حساب رزق دینے والا ہے۔ اللہ نے کہا' ٹھیک ہے دیتا ہوں' تمہاری تسلی ہو جائے گی مگر ساتھ ایک بات میں بھی کہتا ہوں کہ پھر تمہاری اس قوم سے ایسے بدکار ذہن اٹھیں گے' جو میرے ساتھ شریک بنائیں گے اور توحید کو پامال کریں گے۔ پھر اتنا یاد رکھنا کہ میں ان اقوام کو' ان لوگوں کو سزا کچھ ان کے ہاتھوں بھی دوں گا۔ جنگ عظیم اول' دوم اور سوم جس کے بعد ایک ایسی جنگ عظیم ہے' جس کا سراغ رسول اللہؐ نے ہمیں دیا ہے۔

اب ذرا قرآن کی طرف آئیے۔ بار بار آپ نے سنا ہو گا کہ جس کو دجال کا خطرہ ہو' وہ سورۂ کہف کی پہلی دس آیات ضرور پڑھے۔ سوال یہ ہے کہ سورۂ کہف کی یہ دس آیات کہتی کیا ہیں؟ ان کا ترجمہ ہے۔

> ''سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔ تاکہ وہ لوگوں کو خدا کے سخت عذاب سے خبردار کردے اور ایمان لاکر نیک عمل کرنے والوں کو خوشخبری دے کہ ان کے لیے اچھا اجر ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان لوگوں کو ڈرا دے' جو کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ اس بات کا نہ انہیں کوئی علم ہے نہ ان کے باپ دادا کو تھا۔ بڑی بات ہے' جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ وہ محض جھوٹ بکتے ہیں۔'' اس کے بعد نماز والوں کی بات ہے۔

یہ دس آیات دجال کے تحفظ کے لیے ہیں۔ فرمایا' جس کو کوئی شک ہو گا یا اسے کوئی بحران پیش ہو گا' جب وہ ان دس آیات کو پڑھے گا' تو دجال سے محفوظ ہو جائے گا۔ دیکھئے' اللہ کیا کہہ رہا ہے کہ ان لوگوں کو ڈرائیں' جو تثلیث پر یقین رکھتے ہیں۔ جو اللہ کا بیٹا اور اس کی بیوی بناتے

ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دجال کی تشکیل کر رہے ہیں۔ اور فرمایا' اس بارے میں وہ کچھ علم رکھتے ہیں نہ ان کے باپ دادا۔ کتنا بڑا بول اور کتنی غلط بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے' ان کے پیچھے' اگر وہ ایمان نہ لائیں گے تو؟ ایک علامت یہ ہوئی کہ وہ اللہ کا بیٹا اور اولاد بتاتے ہیں۔

دوسری علامت' بے شک ہم نے زمین کا سنگھار کیا' جو کچھ اس پر ہے' انہیں آزمائیں کہ ان میں کس کے کام بہتر ہیں؟ اگر ان کو دولت دنیا دی ہے۔ سکائی سکریپر اور وال سٹریٹ دی ہے تو اس لیے بالکل نہیں دی کہ وہ غرور گھمنڈ اور تکبرات کی زندگی بسر کریں بلکہ ہم نے یہ آسائشیں' یہ خوبصورتی ان کو آزمانے کے لیے دی ہے لیبلوکم ایکم احسن عمل (پ ۹' س الملک' آیت ۲) ہم یہ دیکھیں کہ وہ کیا اچھے عمل کرتے ہیں۔ کیا آسائش میں خدا کو بھول تو نہیں جاتے؟

ذرا سزا کے اور قریب آ جایئے۔ تو ایک اگلی جنگ کے بعد جو حیرت ہوا ہے وہ اللہ نے بالکل وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ بے شک جو کچھ ہے' اس پر ایک دن ہمیں اسے میدان سفید کر کے چھوڑ دینا ہے۔ تہذیب کی تمام علامات کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ کوئی چمک' کوئی خوبصورتی اور کوئی شناخت نہیں رہے گی۔ جو کچھ بھی یہ اونچائیاں بنی ہوئی ہیں' ڈھیر کر دی جائیں گی۔ زمین کو زمین سے برابر کر دیا جائے گا۔ پھر اس میں بھی نشانی ہے کہ پہاڑ کی کھوہ میں جو رہتے تھے' ہم نے انہیں تین سو برس سلایا۔

ان آیات میں تین چیزوں کا ذکر ہے کہ دجال کی علامت کے طور پر خدا کا بیٹا بناتے ہیں۔ معیشت پر اتراتے ہیں۔ انہیں اپنی بلند و بالا چیزوں پر تفاخر ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ ہدایت طلب نہیں کرتے بلکہ اپنے بنائے ہوئے قانون پر ناز کرتے ہیں۔ وہ خدا کے بنائے ہوئے قانون کو فرسودہ سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ دجال کی بنیادی خصوصیات کی حامل یہ عیسائی قومیں ہیں۔ جیسے کہ حضرت دانیال نے کہا تھا' جو اس وقت پانیوں کے گرد آباد ہیں۔ سو حضرت دانیال اور قرآن کی دونوں باتیں ملائی جائیں' تو بڑی وضاحت سے پتہ لگتا ہے کہ اس وقت زمانے میں جو آخری عنصر تخلیق ہو رہا ہے' جسے آپ اینٹی کرائسٹ کہہ لیں' وہ ایک اتنی بڑی قوت ہے' جو اپنی تہذیب کا زوال نہیں دیکھ سکتی اور اس زوال کو روکنے کے لیے وہ ہر کوشش اور تردد میں برسرپیکار ہے۔

1945ء میں ''گیٹ'' کا ٹریفک اور ٹیرف کا معاہدہ ہو۔ یورا گوئے میں یہ ''گیٹ'' دوبارہ مرتب ہوا اور ٹیرف اور ٹیکسوں کے قوانین کے بارے میں فیصلہ ہوا کہ 2005ء کے بعد کوئی ٹیکس اور کوئی ٹیرف نہیں رہے گا کسی قسم کی بندش نہیں رہے گی۔ یہ جب ختم ہو جائے گا تو وسائل آزاد ہو جائیں گے چنانچہ امریکہ اور یورپ کو اچھی طرح علم ہے کہ پابندیوں سے آزاد تجارت کے آغاز سے پہلے پہلے اگر ہم نے ٹرانس ایشیا اور شرق وسطیٰ کے وسائل پر قبضہ نہ کیا تو ہم اس مقابلے میں مارے جائیں گے۔ یورپی اقوام آزاد ہوں گی۔ مسلم ممالک کو اپنا خام مال بیچنے کی پوری آزادگی ہوگی۔ اس سے شرقی اقوام کو اجارہ داریاں حاصل ہونی شروع ہو جائیں گی۔ اس کے تحفظات کے طور پر امریکہ اور باقی لوگ بہت سخت جدوجہد کر رہے ہیں کہ 2005ء سے پہلے پہلے وہ ان تمام ایشیائی اقوام کے وسائل تک پہنچ جائیں' جن میں ممکنہ طور پر خام مال موجود ہے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ 2005ء کے بعد ایسی ایک بے پناہ دوڑ شروع ہو جائے جس میں کوئی ملک دیکھتے دیکھتے سال میں غریب تر ہونا شروع ہو جائے اور یورپ کا تمام معاشرہ اور یہ تمام عروج قصہ پارینہ بن کر نہ رہ جائے۔ یہ ایک اور بڑی وجہ ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ 2005ء تک ایک بڑی جنگ کے ذریعے ایشیائی اقوام کو مکمل مغلوب کر لیا جائے۔

جہاں پریشانی ہے' وہاں اللہ کے رسولؐ نے ہمیں اچھی خبریں بھی دی ہیں۔ ایک دو خبریں بڑی دلچسپ ہیں جو آج کی ترقی کی دوڑ کے بارے میں ہیں۔ جینٹک سائنس کا جو نقشہ رسول اللہؐ نے پیش کیا ہے' وہ ابھی تک نہیں پہنچا۔ جو ترقی اور عروج علوم حاضرہ کو حاصل ہونے والا ہے' وہ بھی ابھی تک نہیں پہنچا۔ دجال کہاں تک جائے گا۔ اس کی رسول اللہؐ نے بڑی خوبصورتی سے نشاندہی فرمائی ہے۔ پھر قرآن حکیم کی تکمیل مطالب تک دنیا نے جانا ہے۔ کچھ باتیں قرآن کی پوری ہو چکیں' جبکہ کچھ باتیں ابھی رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر اگر عیسیٰؑ نے کوڑھی اور برص والے کو ٹھیک کیا ہے' اس کا ثبوت انسانی فراست اور محنت میں دیا جائے گا۔ یہ لوگ بھی اس بات پر قادر ہوں گے کہ کوڑھی اور برص والے مریض کو درست کریں۔ اگر کسی پیغمبر نے چیونٹی یا پرندوں سے بات کی تو یقین جانئے' آج کا انسان بھی کرے گا اور یہ بات بھی ثابت ہوگی۔ فرمان رسولؐ کے مطابق قیامت نہیں آئے گی' جب تک انسان درندوں سے کلام نہیں کر لے گا۔ جب تک انسان کے جوتے کا تسمہ اس کو اس کے حال کی خبر نہیں دے گا۔ قیامت نہیں آئے گا۔ جب تک کہ

عورت کی ران خبر نہ دے گی کہ اس کے ساتھ کیا زیادتی ہوئی یا کیا ہوا؟

ابھی جنیٹک سائنس میں جانوروں کی زبان بھی ڈی کوڈ ہو رہی ہے اور ڈی این اے ٹیسٹ موجود ہیں جو کسی بھی قسم کے المیہ کی خبر دے سکتے ہیں۔ جوتے کے تسمے سے مراد ایک اتنا حساس ترین جاسوسی سسٹم ہے کہ ایک انسان کی کوئی چیز اس کے بدن سے آپ کو مل جائے گی تو آپ کو اس کا پورے کا پورا سراغ اور اس کی ہر چیز معلوم ہو جائے گی۔ یہ حدیث جنیٹک سائنس کے پورے کے پورے جدید تھیسز کو پیش کرتی ہے جن میں سے ایک بات یعنی ڈی این اے ٹیسٹ میں نے کہا' وہ تو ہو چکا ہے۔ ابھی تازہ ترین یہ ہے کہ جانوروں کی زبان ڈی کوڈ ہو رہی ہے اور ان شاء اللہ تعالٰی العزیز وہ بھی اللہ کے رسولؐ کی بات ضرور پوری ہوگی۔ حضرت سلیمان کا ہدہد سے بات کرنا کسی کو عجیب نہیں لگے گا۔ پھر تخت کا کنورٹ ہونا بھی کسی کو عجیب نہیں لگے گا۔ بات اب اتنی آگے بڑھ چکی ہے کہ وہ ایک چھوٹی سی دھات کو ڈی فیوز کر کے دوبارہ اصل شکل میں لے آئے ہیں۔ ابھی انسانوں پر انہوں نے اس کے بے پناہ اخراجات اور انسانی زندگی کو لاحق خطرات کے باعث تجربہ نہیں کیا مگر جو تجربات اس وقت ہو رہے ہیں' وہ قرآن کی ہر اس بات کو ثابت کریں گے جو پیغمبروں کے ذریعے ہوئی۔ جیسے میں نے آپ کو سورۂ کہف کی آخری آیات سنائیں۔

فرق صرف اتنا ہے کہ خدا یہ کہتا ہے اے بندے! جس چیز تک تو تین ہزار سال کی محنت شاقہ کے ساتھ پہنچے گا' میں اسے اپنے بندے کو ایسے ہی عطا کر دیتا ہوں۔ جیسے کہ میں نے سلیمان کے پاس بیٹھے ہوئے آصف بن برخیا کو کتاب کا علم عطا کیا۔ اگر تم خدا کی طرف چلو' تو تب معجزہ ہوگا۔ یہ توکل' یہ انداز' یہ عبادت کے رنگ ہوں گے' تو ہوگا مگر خدا سے اتنی دوری' اتنی پستی کی باتوں سے کوئی اوسط نہیں رہ جاتی کہ انسان اپنے لیے خدا کی طرف سے کوئی خیر و برکت کی توقع کر سکے۔

واقعات کی ظہور پذیری کی ترتیب ملاحظہ کریں کہ جنگ عظیم' فتح قسطنطنیہ اور خروج دجال چھ سال میں ہے اور دجال ساتویں سال نکلے گا۔ اب یہاں سب سے بڑی علامت ہے۔ اصل میں علامت کو ایڈجسٹ کرنا سب سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا' فتح قسطنطنیہ کی فتح کی جو جنگ عظیم ہے' وہ ایشیائے کوچک کے میدانوں میں لڑی جائے گی۔ اس وقت آج کی طرح کی تخصیص نہیں تھی اور صرف بڑے بڑے شہروں کے نام لوگوں کو آتے تھے' اس لیے جیسے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مسلمان مدینہ منورہ میں محصور ہو جائیں گے۔ اسرائیل کی فتوحات آگے بڑھیں

گی ۔ کعبہ تک پہنچیں گی ۔ دائمی قربانی موقوف ہوگی مگر وہ مدینہ کے اندر داخل نہ ہوسکیں گے ۔ مدینہ کی حفاظت اللہ خود کرے گا' ملائکہ کریں گے ۔ رستے میں خسف واقعہ ہوگا اور دشمن افواج کا رخ شام کی طرف موڑ دیا جائے گا جہاں حضرت مہدیؑ ان کا قتل عام کریں گے ۔

حضورؐ ہر زمانے کی بڑی عقل ہیں ۔ فرمایا قسم ہے اس ذات کی' جس کے قبضے میں میری جان ہے ۔ دنیا ختم نہیں ہوگی' یہاں تک کہ لوگوں پر ایسے دن نہ آ جائیں کہ قاتل نہیں جانے کہ اس نے کیوں قتل کیا اور مقتول کو معلوم نہیں ہوگا کہ اسے کیوں قتل کیا گیا ۔ عرض کی گئی' ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا' قتل عام کے باعث قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہوں گے ۔ اچھی خبریں ساتھ ساتھ ہیں ۔ فرمایا' میری امت کا ایک گروہ قیامت تک غلبے کے ساتھ حق کی خاطر لڑتا رہے گا ۔ حتیٰ کہ عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے ۔ ان کا امیر کہے گا کہ آیئے ہمیں نماز پڑھایئے ۔ وہ فرمائیں گے نہیں ۔ تم ہی آپس میں ایک دوسرے کے امام ہو ۔ یہ اللہ نے اس امت کو عزت بخشی ہے ۔ یہ ساری صحیحین کی حدیثیں ہیں ۔

البتہ ایک حدیث بڑی دلچسپ ہے جو بیہقی نے ''کتاب البعث والمنشور'' میں نقل کی ہے ۔ حدیث کہتی ہے کہ دجال ایک سفید گدھے پر نکلے گا' جس کے دونوں کانوں کے درمیان ستر ہاتھ کا فاصلہ ہوگا ۔ یہ وہ گدھا ہے جس کے بارے میں ایک اور حدیث کہتی ہے کہ وہ زمین پر بھی چلے گا اور ہوا میں بھی اڑے گا ۔ یہ علامت ہے ۔ اگر شکل وصورت دیکھیں تو میرے خیال میں فائٹر جہاز جیسا بدشکل گدھا کوئی نہیں ہوتا ۔ اس کے کان بھی اتنے لمبے ہوتے ہیں اور رنگت بھی اس کی سٹیل گرے ہوتی ہے ۔ یہ اشارہ ہے کہ دجال کی قوت زیادہ تر اس کی ایئر فورس میں ہوگی ۔

فرمایا دجال مشرق کی جانب سے مدینہ منورہ داخل ہونے کے ارادے سے آئے گا' یہاں تک کہ احد کے پیچھے اترے گا ۔ پھر فرشتے اس کا منہ شام کی طرف پھیر دیں گے اور وہیں ہلاک ہوگا ۔ یہ متفق علیہ حدیث ہے ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی ۔ یہاں تک کہ دو عظیم لشکروں کی آپس میں جنگ نہ ہو جائے اور ان کا دعویٰ ایک جیسا ہوگا ۔ یہاں تک کہ تیس کے قریب دجال ور کذاب آئیں گے ۔ یہ دجال اصلی اور آخری ہوگا ۔

یہاں بہت بڑے خطرے کی بات' جو آپ کو سنانی ہے' یہ ہے کہ فرمایا' تین نشانیاں جب نکل آئیں تو کسی جان کو اس کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا جبکہ وہ پہلے ایمان نہ لیا ہو یا اپنے

ایمان کے ساتھ نیکی نہ کمائی ہو۔ ان تین نشانیوں میں سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور دجال اور دابتہ الارض کا نکلنا ہے۔ دجال اور قیامت میں بہت بڑا بعد ہے اس لیے ہمارے زمانے تک ہمارے ایمان کو جو سب سے بڑا خطرہ ہے وہ دجال کی معاشرت اور انداز پر یقین کرنا ہے۔ حدیث میں دجال کے ساتھیوں کا بھی ذکر ہے۔ یہ مسلم کی حدیث ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا' اصفہان کے ستر ہزار یہودی دجال کی پیروی کریں گے اور ان پر کالی سیاہ مخملی ریشمی چادریں ہوں گی۔ خیال یہ کہتا ہے کہ یہ ایک لفظ مسلم میں لفظ یہودی موجود ہے مگر عین ممکن ہے کہ ایسے لوگ موجود ہوں' جو یہودی ہوں اور ایران میں رہتے ہوں اور یہ جنگ عظیم ہو' تو وہ اس کا ساتھ دیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا' قیامت قائم نہیں ہوگی' جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جائے گا اور دوسری روایت ہے کہ ایسے کسی شخص پر قیامت قائم نہیں ہوگی' جو اللہ اللہ کہے گا۔ آپؐ نے فرمایا' چھ چیزوں سے پہلے اعمال کی جلدی کرو۔ زمین پر ایک دھوئیں نے آنا ہے' دجال' دابتہ الارض' سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' عام فتنہ اور خاص فتنہ' عام فتنہ وہ ہے جو فیشن کے طور پر سارے زمانے میں جائے گا۔ جبکہ خاص فتنہ وہ ہے جو خفیہ طور پر آپ کی ذاتی شخصیت میں آ جائے گا۔ یہ دونوں فتنے ہیں۔

مگر اس میں ایک خوشخبری کی بات سنئے۔ میں آپ کو بری اور اچھی خبریں ساتھ ساتھ سنا رہا ہوں تاکہ آپ ایک متوازن ذہن کے ساتھ ان چیزوں پر غور کریں۔ فرمایا' قتل عام کے زمانے میں عبادت کرنا' میری طرف ہجرت کرنے جیسا ہے۔ حضرت اسماء بنت زیدؓ نے فرمایا کہ نبی کریمؐ میرے غریب خانے پر جلوہ افروز تھے۔ آپ نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا' دجال کے آنے سے پہلے تین سال ہیں۔ پہلا سال آسمان تہائی بارش روک لے گا اور زمین تہائی نباتات روک لے گی۔ دوسرے سال آسمان دو تہائی بارش روک لے گا اور زمین دو تہائی نباتات روک لے گی۔ تیسرے سال آسمان ساری بارش روک لے گا اور زمین پر ساری نباتات اور جانور مرنے شروع ہو جائیں گے۔ اس وقت دجال کہے گا تمہارے جانوروں' تمہارے مال و اسباب اور تمہارے بھائیوں کی زندگی میرے پاس ہے۔ میں تمہارے بھائی زندہ کروں گا اور شیطان ان کے بھائیوں کی صورت بنے گا۔ ان کی کمانڈ بنے گا۔ حضرت اسماءؓ خاتون تھیں' فرمایا رسول اللہؐ ہم

آٹا گوندھتے ہیں' اس وقت جب' ہمیں بھوک لگتی ہے۔ یعنی ہم بھوک روکے رکھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ جب مجبوری ہو تو ہم روٹیاں پکائیں۔ اتنی زیادہ گرسنگی اور اتنی کمی کے وقت اس وقت مسلمانوں میں کیا حال ہوگا؟ فرمایا' وہی کفایت کرے گا جو آسمان والوں کو تسبیح و تقدیس کے ذریعے کفایت کرتا ہے۔

عمرو بن حرث نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت کی کہ ہم سے گفتگو کرتے ہوئے رسول اللہؐ نے فرمایا' دجال مشرق کی جانب سے سرزمین خراسان سے نکلے گا۔ خراسان افغانستان اور اس پورے علاقے کو کہتے ہیں۔ اس کی پیروی ایسے لوگ کریں گے جن کے چہرے کٹی ہوئی ڈھالوں جیسے ہوں گے۔ آپ نے شمالی اتحاد کے چہرے تو دیکھے ہوں گے۔ چپٹے' ناکیں چپٹی سی ناک۔

اس کا دوسرا حصہ یہود کی طرف آتا ہے۔ یہود جس نے یہوا خدائے یہود کو چھوڑ کر ایک نئے خدا کی پرستش شروع کی۔ اب اس کا خدا یہود نہیں۔ اسماعیل اور ابراہیم کا خدا نہیں ہے۔ اب اس کا خدا امریکہ ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا' قیامت قائم نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ مسلمان یہودیوں سے جنگ نہ کرلیں۔ مسلمان انہیں قتل کریں گے۔ یہاں تک کہ یہودی جس پتھر یا درخت کے پیچھے چھپا ہوگا' وہ درخت اور پتھر کہے گا' اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! میرے پیچھے یہودی ہے' اس کو قتل کردو۔ سوائے غرقد کے درخت کے' کیونکہ وہ یہودیوں کا ہوتا ہے۔

پندرہ سو سال پہلے حضورؐ نے چار باتیں کہیں۔ تین پوری ہو چکی ہیں' چوتھی رہتی ہے۔ فرمایا' حضرت نافع بن عتبہؓ سے روایت ہے۔ مسلم کی حدیث ہے کہ تم جزیرہ عرب سے جہاد کرو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دے گا۔ پھر ایران سے جہاد کرو گے تو اللہ تمہیں فتح دے گا۔ پھر روم سے جہاد کرو گے تو اللہ تمہیں فتح دے گا۔ پھر تم دجال سے جنگ کرو گے اور اللہ تمہیں فتح دے گا۔ فرمایا' خدا کی قسم! ابن مریم تم میں ضرور نازل ہوں گے۔ جب دکھ اور اتنا عذاب بڑھے گا۔ بین الکائناتی ٹریجڈی کی حد تک بات پہنچے گی' تو پھر ضرور ابن مریم اتریں گے۔ آپ سرکار فرمارہے ہیں کہ ابن مریم تم میں ضرور نازل ہوں گے۔ حاکم عادل کی صورت میں اور وہ ضرور صلیب کو توڑیں گے۔ ضرور خنزیر کو قتل کریں گے اور جوان اونٹنیوں کو کھلا چھوڑ دیں گے۔ محنت کا کوئی کام نہیں لیں گے۔

پھر آپس میں دشمنی، بغض اور حسد ختم ہو جائے گا۔

مشکل بات یہ ہے لیکن حضورؐ کہتے ہیں تو سچ ہے کہ دشمنی بغض اور حسد ختم ہو جائے گا۔ فرمایا، کیا حال ہوگا تم لوگوں کا اس وقت، جب عیسیٰ ابن مریم تم میں اتریں گے اور امام تم میں سے اپنا ہوگا۔ اور فرمایا، مجھے امید ہے کہ میری امت اپنے رب کی بارگاہ میں اس بات سے عاجز نہیں ہوگی کہ اسے نصف دن کی مہلت اور مل جائے۔ حضرت سعدؓ نے گزارش کی نصف یوم کتنا ہے فرمایا، پانچ سو برس۔

جب حضرت عیسیٰ نزول فرمائیں گے تو ہر اچھا عیسائی، ہر اچھا مسلمان اور ہر اچھا یہودی حضرت عیسیٰ کو دیکھے گا، مانے گا اور تمام مذاہب اللہ اور رسول اللہؐ پر یقین لائیں گے۔ نزول عیسیٰ اور ہدی پر یقین لائیں گے اور تمام جھوٹے خدا، جھڑواں بہنوں اور بھائیوں کے مالک، بڑے بڑے بحری بیڑوں کے مالک رسوائی کے عالم میں جائیں گے۔

بظاہر ابھی کچھ نصیب میں رسوائی اسلام ہے۔ کچھ جنگوں میں شکست ہے کیونکہ ان ہنگاموں کے باوجود ابھی مسلمان کا ضمیر خالصتاً خدا کی توجہات کے لیے آمادہ نہیں ہو پا رہا مگر مجھے پورا پورا یقین ہے اور میں آپ کو اس بات کی بھی خبر دیتا چلوں کہ پاکستان وہ ملک ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، مجھے ہند سے خوشبو آتی ہے۔ یہ خوشبو مال یا عبادات ظاہرہ کی نہیں ہے۔ خوشبو پھول میں ایک مخفی احساس کی طرح ہوتی ہے۔ یہ آپ کے ان افکار اور جذبوں کی ہے۔ آپ کی اس محبت کی ہے جو رسول اللہؐ کے لیے آپ رکھتے ہیں۔ ہم وہ فاقہ کش ہیں، جو اسم گرامی محمدؐ پر جاں سپرد کرتے ہیں۔ اگر ہم بزدل ہی کیوں نہ ہوں، ہم اب بھی دو بنیادی پرستانہ آئیڈیاز کے مالک ہیں اور دنیا کی کوئی قوت پاکستان کے مسلمانوں سے یہ دو چیزیں نہیں چھین سکتی۔ ایک الوہیت یکتائی واحدنیت پروردگار اور دوسرا محبت رسولؐ پر ایمان ہے۔ اسی لیے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ہند کے لوگ مجھ سے محبت رکھتے ہیں۔ ہم جن مسلمانوں کو عرب ملکوں میں جانتے ہیں، وہ کبھی نیشنلسٹ اور کبھی کمیونسٹ ہو جاتے ہیں مگر یہاں کے مسلمانوں کی اکثر دھڑکنیں اپنے رسولؐ کے لیے دھڑکتی ہیں۔ یہ وہ دل ہے جو اسلام کے ہر نقصان پر رنجیدہ اور اسلام کی ہر فتح پر تفاخر کا اظہار کرتا ہے۔

اب حالات اپنا فائنل راؤنڈ لینے میں زیادہ وقت نہیں لیں گے۔ میرا اندازہ ہے اگرچہ میں وقت مقرر نہیں کر سکتا، مگر میرا دل یہ کہتا ہے کہ اس تمام تغیر اور تمام واقعات و حادثات کے

وقوع کوصرف سات سال کا عرصہ باقی ہے۔ واقعات بڑی جلدی جلدی ظہور پذیر ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اس سات سال کے عرصے میں وہ ڈرامہ' جوحضرت دانیال کوخواب میں دکھایا گیا اور اسکائیل نبی کو جس کی خبر دی گئی' وہ ان شاءاللہ بہت جلد اس آیت قرآن تک پہنچنے والا ہے کہ هو الذي ارسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله (پ ۲۸' س الصف' آیت ۹)

اسلام کی قبائلی تعبیر

ایک وقتی' مختصر اور مشتعل معاشرہ کسی بھی صورت میں اسلام کی نمائندگی نہیں کرسکتا۔ میں افغانی معاشرے کو اسلامی معاشرہ کیسے کہہ سکتا ہوں۔ وہاں اس قسم کی حکومت کو میں کیسے اسلامی کہہ سکتا ہوں؟ مگر میرا دل بہر حال ان کے کلمہ گو ہونے کی وجہ سے دکھتا ہے۔ ایک کیے سنے مسلمان ملک کی تباہی ہمارے دل پر بہت گراں گزرتی ہے۔ اگر چہ میں ان کو اسلامی کلچر' مذہب' رویہ اور تہذیب کا کبھی بھی نمائندہ نہیں سمجھ سکتا' جن میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ کی آٹھ حدیثیں ہیں مسلم کی اوپر تلے کہ اعتدال اختیار کرو اور اگر مکمل اعتدال نہ ہوسکے تو اس کے قریب ترین رہو۔

افغانستان میں جس قسم کا کانسپٹ مذہب کا جاری تھا' وہ محض اسلام کی قبائلی تعبیر تھی۔ اپنے مقاصد کو سوٹ کرتے ہوئے مذہبی قوانین کو ہم اختیار نہیں کرتے۔ مجھے افسوس ہے کہ آج ایک مسلمان مغرب میں جاتا ہے اور ان کے کلچر سے اتنا متاثر ہوتا ہے کہ جب تک جوانی نہیں گزر جاتی' اس کا اخلاق پلٹنے کو نام نہیں لیتا۔ ایک ہمارا وہ وقت تھا کہ جب مسلمان کسی بیرون ملک جاتا تھا' اصحاب کے دور میں تو ایک ملک کو مسلمان کر کے پیچھے ہٹتا تھا۔ کیا آپ کے پاس کوئی ایسی شہادت ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک انڈونیشیا میں کوئی فوج اتری تھی؟ کوئی جنگ ہوئی' جس میں کوئی مسلمان اترے تھے' اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی ہمارے کلچر میں اتنی خوبصورتی تھی' مسلمان کے انداز میں اتنا حسن اور ایسی جلوہ گری تھی کہ مضبوط سے مضبوط کلچر بھی اس سے متاثر ہوجاتا تھا۔

آج ہم در یوزہ گر مغرب اور فقیران مروت مغرب ہیں۔ ہم اپنی کشکول لیے ان سے کلچر اور اخلاق کی بھیک مانگتے ہیں۔ یہ سرے سے اسلام نہیں۔ مسلمانوں کے پاس صرف ایک

اعتقاد رہ گیا ہے۔ اگر ان سے پوچھ لیا جائے کہ اللہ کتنے ہیں تو جھٹ سے جواب دیتے ہیں ایک اور اس کو بھی ہم نہیں جانتے۔ آپ افغانستان کی بات کرتے ہیں، میں ساری دنیا کی بات کرتا ہوں۔ اقبال نے کہا تھا کہ ہر بحران اور مصیبت میں اسلام نے مسلمانوں کی مدد کی۔ مسلمانوں نے کبھی اسلام کی مدد نہیں کی۔

پھر یہ وہی نظریہ ہے جو بارہ اور چودہ سو سال سے مسلسل متحرک اور ایک فعال نظریہ رہا ہے۔ یہ نظریہ ایک ملک کی جنگ دوسرے ملک سے نہیں کراتا۔ یہ وہ نظریہ ہے جو چودہ سو سال سے ہر دوسرے نظریہ پر غالب رہا اس لیے کہ خداوند کریم نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں میرے رسول میرے مومنین اور میری کتاب تمام ان لوگوں پر غالب رہیں گے جو اس کے خلاف جنگ کریں گے مگر جب کتاب نہ رہے گی، مومنین نہ رہیں گے، حرمت رسولؐ اور محبت پروردگار نہ رہے گی تو افغانستان کیا پاکستان کیا، سب ایک چٹیل بیابان ہیں، جہاں انسان نہیں بلکہ تھور کی فصل اگتی ہے۔

میں نے یہ لیکچر بالخصوص آلودہ خاطروں اور ان اداس لوگوں کے لیے دیا ہے جن کے دل ناامیدی، یاس اور اس قسم کے ہزاروں وسواس کی زد میں ہیں۔ جو یہ سوچتے تھے کہ کیا پتہ پھر کبھی اسلام سربرآوردہ ہو کہ نہ ہو۔ اسلام ہر حال میں سربرآوردہ ہو گا، چاہے مسلمان کتنی ہی پستی میں کیوں نہ گر جائیں، اس لیے کہ خدا کو اسلام کو فتح دینے کے لیے کسی مسلمان گروہ اور جماعت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ ایک شخص موسیٰ کی مدد سے تین سو سالہ رعمسیس دوم کی حکومت جابرانہ کو پلٹ سکتا ہے تو وہ کیا آپ کو فتح و نصرت عطا نہیں کر سکتا؟ اس کے لیے کیا مشکل ہے؟

مگر اپنی طرف سے کچھ کیے بغیر آپ آسمانوں سے معجزات کی توقع رکھیں، مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اللہ نے کہا، میرے بارے میں سستی نہ کرنا، غم نہ کرنا، تمہیں کچھ مشکلات ضرور آئیں گی مگر تم ہی غالب رہو گے۔ ان کنتم مومنین، اگر تم مومن ہو۔ مسئلہ تو سیدھا سا ہے کہ ہم مومن نہیں ہیں۔ چاہے افغانستان میں ہوں یا پاکستان میں اور چاہے عربستان کے ریگزاروں میں ہوں۔ ہم نے اپنی چراگاہوں کو سنوارا نہیں ہے۔ ہم نے دنیاوی معیشت کو استوار نہیں کرنا۔ بلکہ ہم نے اپنے بنیادی خدا کے کلچر کو درست کرنا ہے۔ ہم نے اپنے اللہ سے انس، محبت اور اخلاص کی رسم ڈالنی ہے۔ پھر دیکھو وہ آپ کی طرف کیسے پلٹتا ہے۔ وہ کہتا ہے، تم ایک قدم آؤ گے، میں دس آؤں گا۔ تم تیز چلو گے، میں بھاگتا ہوا آؤں گا۔ یہ وعدہ پروردگار ہے اور خدا سے سچا قول کس کا ہو

سکتا ہے۔مخالف دنیا ایک فارِقانہ تحقیق سے بیٹھی ہوئی ہے۔ میں نے آپ سے پہلے کہہ دیا کہ ان کو دو کمپلیکس ہیں۔ مذہب اور دوسرا مانیٹری کمپلیکس۔ان کی ان بالٹ اکانومی کے کوئی ذرائع نہیں ہیں۔انہیں آپ سے وسائل کی ضرورت ہے۔ چاہے مروت سے لیں' چاہے جنگ سے لیں۔

گاہ بحیلہ می بردگاہ بزوری کشد

آپ پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے وہ ہر طریقہ استعمال کریں گے۔

دوسرا ان کا مدتوں کا صدیوں کا وہ کمپلیکس ہے جب 1099ء میں یروشلم کو فتح کرنے کے بعد جنگ منصورہ میں ان کے متعدد بادشاہ یورپ سلطان رکن الدین بیبرس کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور یہ آخری جنگ صلیب تھی۔ کیا اس کے بعد ان کو افسوس اور صدمہ ان کے خوابوں اور کتابوں اور ان کے ایک ایک حرف میں صلیب کی صورت میں جھلکتا نظر نہیں آتا؟ کیا اداسی امڈتی نظر نہیں آتی؟ کیا مسلمانوں سے ان کا رویہ آپ کو بتاتا نہیں ہے کہ انہوں نے کبھی آپ کو فرسٹ ٹریڈ سٹیزن شمار نہیں کیا۔ یہ وہ لوگ نہیں ہیں جن کے اپنے کمپلیکسز کی یہ انتہا تھی کہ قرطبہ میں جب 80 ہزار حمام تھے اور ہر جگہ اسٹریٹ لائٹ موجود تھی' اس وقت فرانس کے شانزالیزے میں گھٹنے گھٹنے پانی کھڑا ہوتا تھا اور اعلیٰ ترین خواتین فرانس بھی آدھی ٹانگوں تک پائینچے اتار کر اپنے گھروں کو جاتی تھیں۔ یہ وہ کلچر تھا۔ وہ ہمیں کلچر سکھا رہے ہیں۔ یہ وہی قوم ہے کہ شارلیمین کے دربار میں جب بغداد کے خلیفہ کا تحفہ ایک گھڑی پہنچی' تو سارا دربار اس لیے اٹھ کے بھاگ گیا کہ یہ جادو کا کرشمہ لگتا تھا۔

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم دفاع نہیں کر رہے۔ ہمیں ان کے خلاف کوئی ڈیفنس نہیں دینا۔ ہمیں بس اپنی روایت' اپنی محبت' اخلاق اور اپنے دستور کے مطابق اپنے آپ کو تیار کرنا ہے۔ان کی ترقی ہمیں مسحور نہیں کرتی بلکہ اپنی غربت اور اپنا زوال ہمیں رسوا کر رہا ہے۔جس چیز کی آج ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے ساتھ کیا تعلق قائم کریں اور اپنے مذہب کے حوالے سے کسی تعصب' ضد اور تنگ نظری سے ماورا اعتدال' مروت اور محبت کا رشتہ بحال کریں۔ یہی وہ لوگ ہیں' جو مہدی کے ساتھ ہوں گے۔ ہزاروں لوگوں کے دعویٰ مہدویت کو میں نے سپورٹ نہیں کیا مگر اس شخص کو میں کیسے روک سکتا ہوں' جیسے رسولؐ نے اس دنیا میں اذن باریابی دے دی ہو یا جسے خدا نے اس زمین میں اسلام کے احیاء اور تجدید کے لیے پیدا کیا ہو۔ اسے میں اور آپ کیسے روک

سکتے ہیں؟

باقی رہی جھوٹوں کی بات' تو ہم میں سے اس وقت بھی کوئی مرزائی نہیں ہے۔ جھوٹوں کے گروہ کا اللہ کے فضل وکرم سے امت مسلمہ میں سلنٹ زیادہ دیر چلا ہی نہیں ہے۔

ملا عمر کا خواب اور افغانستان

''ملا عمر کے جھوٹے خواب کی وجہ سے افغانستان میں تباہی آئی'' میں نے یہ تو نہیں کہا۔ میں نے یہ کہا تھا کہ ملا عمر کے نام کے ساتھ منسوب مسلسل اخباروں میں اس خواب کو ایڈورٹائز کیا گیا۔ اس کے علاوہ لبادۂ رسول کو مسلسل دکھایا گیا۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو ہمارے دشمنوں نے ملا عمر کی تحقیر کے طور پر نہیں معاذاللہ! استغفراللہ! توہین پیغمبر کے ضمن میں مسلسل دکھائیں۔ اگر مجھے غم کرنا ہو تو آپ مجھے بتائیں کہ میں ملا کا غم کروں یا توہین رسالت کا؟ اس خبر میں ساتھ یہ لفظ شامل کیے گئے کہ ملا عمر کو حکم ہوا کہ افغانستان میں جہاد کرے۔ امن اور حکومت قائم کرے اور دشمنوں سے لڑے۔ یہ خواب ایسے وقت میں آیا' جب یہ کام ہو چکا تھا اور وہ امریکہ سے لڑ رہا تھا۔ یہ خواب اس تائید میں آیا کہ ملا نہ صرف جہاد میں امریکہ کو شکست دیں گے' بلکہ فاتح ہوں گے مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ اس کی بنائی حکومت بھی خس وخاشاک کی طرح بہہ گئی۔ اب اس میں کوئی بھی مسلمان میرے سوا اس خواب کو کس ضمن میں رکھے گا؟ آپ کتنی تائید اس کی کریں گے اور کتنی تصدیق چاہیں گے؟

اسی سوال کا جزوی حصہ ہے کہ قرآن وحدیث کی رو سے یہ کیسے پتہ چلا کہ یہ جھوٹ ہے؟ یعنی خواب جھوٹ ہے۔ کتنی سادہ لوحی کی بات ہے۔ میں نے آپ کو دو خواب سنائے اور ان کی تعبیر آپ کو بتائی کہ اگلے دن نکلی۔ یہ خواب اپنی تعبیر کے بالکل برعکس ثابت ہوا۔ یعنی کیا عجب بات ہے کہ رسول اللہؐ بشارت فتح' اتحاد اور اتفاق دے رہے ہوں اور واقعہ یہ پیش آیا ہو کہ حکومت رہے نہ ملک رہے' نہ استحکام رہے بلکہ ہر چیز زار وزار ہو جائے۔ ایک انگریزی اخبار نے بڑا عجیب وغریب ٹائٹل لگایا تھا کہ ''تاریخ کے واحد امیر المومنین ہیں' جو مفرور ہیں۔ یہ میں نے نہیں کہا' یہ ایک مغربی تاریخ دان نے مسلم امہ پر طنز کرتے ہوئے کہا۔ آپ ان باتوں کو برداشت کر سکتے ہیں مگر جس کو خدا اور رسولؐ سے انس اور محبت ہے' جس کو امت اسلام کا مستقبل عزیز ہے' جن کے دل و

دماغ میں اسلام کی توقیر اور عزت ہے وہ یہ سوال کرنا چاہیں گے کہ ایسا کیوں ہوا؟ انہوں نے رسول اللہؐ کے خواب کو کیوں استعمال کیا؟

اب اسی سوال کا تیسرا حصہ سنیئے کہ اگر ملا عمر کے خواب کی بدولت افغانستان کی تباہی ہوگئی تو طاہرالقادری صاحب کو نوخواب بیان کیے آٹھ سے دس سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ پھر پاکستان کی تباہی کیوں نہیں ہوئی اور اگر آپ کے بقول آنی ہے تو کب آئے گی؟ آپ عدالت کے فیصلے کے علاوہ قرآن وحدیث سے جواب دیں؟

اب اس کا میں کیا جواب دوں سرکار؟ اگر طاہرالقادری امہ کے کسی معقول حصے کی نمائندگی نہیں کرتے نہ وہ امہ کے کسی بڑے حصے پر حق رکھتے ہیں' تو اس میں امہ بے چاری کا کیا قصور ہے؟ اگر اس میں سے کوئی آدمی دیوانگی شعور کے عالم میں نئے نئے دعوے کرے تو اس میں میرا اور آپ کا کیا قصور ہے؟ مگر افغانستان میں صورت حال یہ ہے کہ ان کا رہنما' ان کا حکمران اور قیادت کرنے والا اور سب جس کو فالو کر رہے تھے' یا اس کا دعویٰ تھا' اس لیے وہاں تو آفت کا آنا نہ آنا جائز تھا مگر ہمارے ہاں حضرت علامہ کی وہ حیثیت نہیں ہے کہ ہم ان کی خاطر خواہ مخواہ کولہو میں پس جائیں۔

ملا عمر' جواب در جواب

ہمارے معزز دوست کو جو بات سمجھ میں نہیں آرہی کہ ہم نے صرف ان کو اسلامی حکومت کے حوالے سے اپنا نمائندہ ماننے سے انکار کیا' اس لیے اگر وہ افغانستان میں بحیثیت افغان مسلمان لیڈر کے لڑ رہے ہیں اور لڑ رہے تھے تو ہمیں اس پر کوئی قطعاً کلام نہیں ہے۔ آغاز میں امیر المومنین کے ٹائٹل نے مجھے بہت دکھ دیا تھا' اس لیے کہ امیر المومنین کے ٹائٹل کا کوئی مسلم اس وقت دعویٰ کر سکتا تھا نہ اس وقت اس ٹائٹل کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ مسلم ہم ضرور اپنے آپ کو کہہ سکتے ہیں' مگر مومن ہم اپنے آپ کو کلیم اس لیے نہیں کر سکتے کہ یہ باطنی پرکھ ہے' جو صرف اور صرف اللہ کے پاس محفوظ ہے۔ اس دور میں جب ایک سادہ سا حل موجود ہو تو پرانے لوگوں کی طرح انہوں نے امیر المومنین کے ٹائٹل استعمال کر کے پہلی فقہی غلطی کی ہے' جو ان کی مذہبی امور کے متعلق فہم کے فقدان کو ظاہر کرتی ہے۔

دوسرا بہت سارے قوانین انہوں نے پہلے ہاتھ ہی ایسے بنا دیئے جس سے بجائے اسلام سے محبت پیدا ہونے کے ایسے لگتا تھا' جیسے اسلام ان پڑھ بچوں کے ہاتھ میں الجھ گیا ہے۔ مثال کے طور پر پگڑی کا کوئی مسئلہ قرآن میں نہیں ہے۔ میرے معزز دوست نے بھی اس وقت پگڑی نہیں پہنی ہوئی۔ جب انہوں نے پگڑی کو مذہب کا لازمی عنصر قرار دیا اور جس شخص نے بھولے سے بھی پگڑی اتاری' اسے میاں خوجی کی طرح چپت پڑ گئی۔ اسی طرح جو ٹیمیں ادھر فٹ بال کھیلنے گئی تھیں' وہ بے چارے نیکر پہن کر فٹ بال کھیل رہے تھے۔ ان کے سر منڈوا دیئے۔ جوتیاں ماریں اور ان کی اتنی ذلت کی کہ آئندہ وہ کبھی فٹ بال کھیلنے کا نام نہیں لیں گے۔

سو مسلسل ایسی احمقانہ روایات کی بنیاد پڑ گئی۔ اگر ہم اس طرز عمل کو اسلام مانیں' تو پھر ملا واقعی امیر المومنین ہیں مگر ان کا اسلامی فہم اتنا کم تھا کہ جب عورتوں کو پردے کا حکم دیا تو بوڑھی عورتوں کو جن کو نظر بھی نہیں آتا تھا' بازاروں میں دھکے کھانے کے لیے چھوڑ دیا اور قرآن کے اس حکم کو نظر انداز کیا کہ عورتیں بوڑھی ہو جائیں تو ان کو چھوڑ دو جیسے چاہیں گزر کریں۔ اسلام تو ہر چیز میں ہر جگہ کو ایک وقفہ دیتا ہے۔ اس کا ایک عہد رکھتا ہے۔ ہم نے یہ دیکھا کہ وہ ایک قبائلی مذہب کی نمائندگی کر رہے تھے مثلاً پگڑی قبائلی رواج ہے' اسلامی رواج نہیں ہے۔ اسی طرح شخص کا پاؤں کھولنا یا نہ کھولنا اس کے گھٹنے سے اوپر مرد کا ستر تو صرف ران ہے۔ ایک بہت بڑے امام حضرت معاذ بن جبل نے اس طرح سنن ابی داؤد کے مطابق نماز پڑھائی اور اس طرح کہ مسلم کے مطابق ان کا ستر بھی عریاں ہوتا تھا۔ پندرہ پندرہ گز کی شلوار قمیصوں سے تو مذہب قائم نہیں ہوتا۔

اگر ان کو اپنا مذہب بنانا تھا' قائم کرنا تھا' تو اسے مذہب کے حوالے سے نہ کرتے۔ اپنے آپ کو امیر المومنین کے حوالے سے متعارف نہ کرواتے۔ پھر ذرا سا دباؤ آیا' تو انہوں نے فوراً پیغمبر کو ملوث کر لیا۔ پیغمبر کو نہ صرف شامل کیا' بلکہ ملکی اور غیر ملکی میڈیا' بلکہ پاکستانی میڈیا میں انٹرویوز اور بات چیت ہو رہی ہے۔ بیان دیئے جا رہے ہیں کہ ملا کو ایک عام آدمی نہیں بنایا جا رہا بلکہ انہیں ایک انتہائی وجود کے طور پر پیش کیا جا رہا تھا۔ ملا دلیر ہے' شجاع ہے۔ اس نے جو کچھ بھی کیا یا امریکیوں کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیکے۔ ایک قبائلی سردار کے طور پر سراہتے ہیں' لیکن بطور ایک اسلامی حکمران نہیں۔

اسامہ، افغانستان، امریکہ

(ڈاکٹر عبدالجلیل خواجہ) ہمیں میڈیا سے پتہ چلا کہ اسامہ بن لادن کا کسی زمانے میں جب افغانستان میں روس کے خلاف جہاد ہو رہا تھا، اس سارے جہاد کو منظم کرنے میں بڑا کردار تھا۔ اسے اپنے خاندان سے جو بزنس ایمپائر ورثے میں ملی، اس کی مزید توسیع کے لیے امریکی سی آئی اے نے معاونت کی جس سے اسے بہت سے نفع بخش کاروباروں میں سرمایہ کاری کرنے میں مدد ملی۔ سو اس کا مانیٹری سیٹ اپ اتنا وسعت اختیار کر گیا کہ امریکیوں کو بھی اس کا علم نہیں ہے۔ کہاں کہاں اس کی سرمایہ کاری ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکیوں نے اس کی تمام تجارتی سرگرمیوں کی سہولتیں فراہم کیں اور پروموٹ کیا لیکن یہ کہنا کہ وہ اس وقت امریکی ایجنٹ ہے، مشکل ہے۔

لوگوں کے تجزیے کے مطابق اس جہاد کے دوران اس نے اتنی قربانی دی ہے۔ وہ اپنی آرام دہ زندگی چھوڑ کر جہاد میں شریک ہوا، تو اس کے پس منظر میں یہ ہے کہ امریکیوں نے وعدے کیے تھے کہ وہ افغانستان کو آباد کرنے میں مدد دیں گے یا فلسطین کا جو بنیادی ایشو ہے، اس کو حل کرنے میں مددگار ثابت ہوں گے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا تو اسامہ نے انتقام لیا اور یہ کہا کہ امریکہ نے بدعہدی کی۔ چنانچہ اس نے جہاد کا رخ امریکہ کی طرف موڑ دیا لیکن یہ کہنا کہ اسامہ امریکہ کا ایجنٹ ہے، میرے ذاتی خیال میں اس کی فتح یا اس کی شکست کو ہمیں اپنے ذمے نہیں لینا چاہیے۔ ہم جان چھڑانا چاہتے ہیں یہ کہہ کے کہ اسامہ تو امریکہ کا ایجنٹ تھا۔ سو جو کچھ ہوا، اس کا ذمہ دار اسامہ ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ ثابت کرنا نظری نہ عملی کسی طور پر ممکن نہیں ہے۔

دو مسلمان فریقوں میں جہاد

اگر افغانستان میں کفر سے لڑ رہے ہوتے، تو پھر ہم کہہ سکتے تھے کہ ان کی ریاست نے ایک پیغام جاری کیا مگر چونکہ طالبان نے جنگ کے ذریعے نہیں، بلکہ پیسے کے ذریعے شکست کھائی اور بڑے بڑے طالبان کے قریبی لیڈر بھی ڈالرز کے دھوئیں میں اڑ گئے تو اس سے دو باتوں کا احساس ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ طالبان اس سطح کے اپنے عوام میں مقبول نہ تھے جیسے کہ وہ شروع میں

دکھائی دیتے تھے۔ دوسرا ان کے حریف بہت تھے اور قبائلی معاشرے پر استوار جو قبائلی علاقے تھے انہوں نے اپنے اپنے فوائد کو فوراً ہی طالبان کی حکومت سے علیحدہ کر لیا اور وہ دوسری جگہوں سے فوائد لینے کے چکر میں پڑ گئے۔

میں آپ سے جوابی سوال کرنا چاہتا ہوں' جو بڑا دلچسپ ہے کہ جناب محمد عمر نے اپنا ٹائٹل امیر المومنین رکھا تھا۔ جب مومنین کو دیکھا تو وہ ڈالر کے پرستار نکلے۔ میں یہ سوال کر سکتا ہوں کہ یہ کون سے مومن تھے اور کن لوگوں نے بلندیٔ اسلام کے لیے بہ روایت صحابہؓ جدوجہد کی اور کتنا آسان ہوا ایک غیر قوم کے لیے اتنی دور سے آ کر ان مسلمانوں میں افتراق اور انتشار کا بیج بونا اور ان کو ذلت و رسوائی سے ہمکنار کرنا۔ آخر کیوں؟

رسولؐ کا خواب اور حنفی مذہب

سوال یہ نہیں تھا جیسے میں نے اس سے پہلے جو خواب بتایا' وہ شافعی عالم کے لیے تھا۔ شیخ محمد بن عبدالرحمٰن الجزری شافعی عالم تھے۔ مگر حضورؐ کے اس خواب کے مطابق یہ ایک پیش گوئی بن جاتی ہے کہ برصغیر میں حنفی فقہ کو عروج ہوا۔ پھیلا اور بڑھا۔ میں صرف آپ کو یہ بتا رہا تھا کہ صداقت دیکھیے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کی ایک صفت ہے کہ وہ بہت ہی زیادہ ذہین فقیہہ تھے۔ وہ اتنے بڑے محدث یا مفسر نہ ہوں' مگر ان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انسانی مسائل پر انتہائی گہری نظر رکھتے ہوئے انہوں نے ایک انوکھی مربوط اور مضبوط فقہ مدون کی ہے جو بڑھتے ہوئے اسلامی معاشرے کے لوگوں کے مسائل کو کور کرتی ہے۔ اس لیے قدرتی طور پر اگر رسول اللہ کو اپنے اس غلام سے زیادہ انس ہو تو عجیب نہیں لگتا۔

دجال اور مہدی کا وقت

دجال کا وقت آیا نہیں' بلکہ دجال اپنے وجود کو مشخص کر چکا ہے۔ حضرت دانیال سے لے کر جو واضح پیش گوئیاں ہمیں ملی ہیں' اس کے مطابق یہ ایک سسٹم بھی ہے اور ایک فرد بھی ہے۔ بحیثیت ایک سسٹم اس کی نشاندہی ہو چکی ہے۔ دجال نے 40 برس تک زندہ رہنا ہے اور اس سے لڑنا ممکن نہیں ہے۔ اس کا ایک نشان یہ ملتا ہے کہ وہ اصفہان سے خروج کرے گا۔ یہی لگتا ہے کہ اگلی

بڑی جنگ کا خروج ایران پر حملہ سے ہوگا۔ اس سے مزید وضاحتیں ہمارے سامنے آئیں گی۔

لوگ حضرت امام مہدی کے تصور کو بڑی حیرت سے دیکھتے ہیں اور بڑا استعجاب تو قع اور تلاش رکھتے ہیں۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ امام مہدی اتنی بڑی دنیا میں اتنی بڑی مخلوقات اور متضاد نظریات کے لوگوں میں شاید اپنا تشخص نہ پاسکیں۔ میرے خیال کے مطابق دجال کے خروج اور مہدی کے ورود کی واضح ترین علامتوں میں سے ایک تیسری عالمی جنگ ہے جو اس کا ایک مظہر ہوگی۔ تیسری عالمی جنگ میں بہت ساری زندگیاں اور چیزیں تباہ ہو جائیں گی۔ اس کے بعد بچے کھچے لوگوں میں مہدی کا نزول یا ورود ایک بڑی ہی ممکنہ بات لگتی ہے۔ اس وقت ہر آدمی اپنے مربی اور محسن کو ڈھونڈ رہا ہوگا تو مہدی کا ڈھونڈنا مشکل نہیں ہوگا۔

مگر اس وقت چھ ارب لوگوں میں اگر مہدی نمودار ہوں تو مسلمانوں میں اتنی گہری تقسیم کے باعث ممکن ہے انہیں تسلیم نہ کیا جائے۔ یہ تبھی ممکن ہے کہ ایک بڑی جنگ اور تباہی کے بعد کچھ لوگ بچ جائیں اور وہ مسلمان اور عیسائی بھی ہوں۔ کسی نہ کسی پناہ دینے والے یا کسی کراماتی انسان کی تلاش میں ہوں اور اسے وقت میں امام مہدیؑ کی پہچان مشکل نہ رہے۔

آپ نے سورۂ بقرہ میں مصور فی الارحام کا ذکر کیا ہے تو دجال اگر خدا کی طرح کے کام انجام نہ دے گا تو وہ دجال کہلوانے کا مستحق نہیں ہوگا۔ جیسے دجال کے بارے میں ایک حدیث ہے کہ ایک گدھے پر سوار ہوگا جو زمین پر چلے گا اور آسمانوں میں اڑے گا بھی اور اس کے کان چالیس چالیس ہاتھ لمبے ہوں گے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد اتنی تیزی انسانی ایجادات میں آئی ہے اور انسان اس قدر تیز رفتاری سے سائنسی میدان میں ترقی کر رہا ہے کہ یہ فنا ایک غیر معمولی نظام کی نشاندہی کر رہی ہے۔ بہت سارے لوگ امریکہ کو واقعی خدا سمجھتے ہیں۔ ان کے دعوے کو دیکھیں تو وہ کہتے ہیں کہ وہ دنیا کی ایک عظیم ترین قوم ہے۔ آپ ایک بڑی قوم کے ایک عظیم فرد کی طرح اس کے شہری بن رہے ہیں۔ اس پر آپ کو فخر و مباہات ہونی چاہیے۔

ایک دوسری حدیث ہے کہ دجال کے ساتھ زیادہ تر بغیر شناخت کے بچے ہوں گے۔ یعنی وہ لوگ ہوں گے جن کے ماں باپ کا پتہ نہیں ہوگا۔ امریکہ میں اکثر نوجوان کہتے ہیں کہ انہیں اپنے والدین کا علم نہیں ہے۔ پھر دجال کے ساتھ زیادہ عورتیں ہوں گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ

حرص میں عورتیں مردوں سے نسبتاً زیادہ تیز ہیں۔ ایک حدیث کے مطابق زمانے کے موڈ اور مزاج میں خواتین بدلتے رجحانات کو جلد اختیار کرتی ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ تمام آثار ایک جدید ترین میکنیکل' سائینٹفک معاشرے کے ہیں' جو اس وقت یورپ میں جاری ہے اور تمام اطلاعات اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ وہ وقت آنے والا نہیں بلکہ آ چکا ہے۔ اب کچھ دو چار اصلاحات تین سے پانچ برس میں قائم ہوں گی۔ مجھے امریکہ میں بہت سے امریکی نوجوان ملے جو اپنے ملک کو اس خوف سے چھوڑنا چاہتے تھے کہ ان کو ایک تیسری جنگ عظیم شروع ہونے کا خوف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنہیں ہم بہت زیادہ ترقی یافتہ سمجھتے ہیں' وہ بھی Occult کے اتنے ہی قائل ہو سکتے ہیں' جتنے کہ ہم ہیں۔

دوسری جنگ عظیم میں گوبلز نے جرمنوں کی طرف سے نوسٹرڈیمس کی وہ پیش گوئیاں لاتعداد چھپوا کر جہازوں کے ذریعے یورپی ممالک میں پھیلائیں' جن میں یہ درج تھا کہ ایک بہت خوفناک انسان جنگ اٹھائے گا اور وہ یورپی ممالک کو تباہ کر دے گا۔ امریکیوں نے دیکھا کہ نوسٹرڈیمس کی کتاب میں ایک نئے ملک کا ذکر بھی ہے' جو ہٹلر کو شکست دے گا اور وہ رد مسیح کو فنا کرے گا' تو انہوں نے جواباً یہ پیش گوئی صدر روزویلٹ کے حکم سے چھپوا کر جہازوں سے پھینکنی شروع کر دی۔ پروپیگنڈہ وار میں نوسٹرڈیمس دونوں طرف سے استعمال ہوا۔ اب بھی امریکی عوام متوقع ہیں کہ کوئی بڑی تباہی آنے والی ہے۔ اس تباہی سے پہلے پہلے ہم کسی محفوظ جگہ میں چلے جائیں۔

تباہی' خوف اور دہشت کا تصور ہر حال میں یورپی دنیا میں موجود ہے۔ ان کی سب سے بڑی نفسیاتی بے چینی تیسری جنگ عظیم کے حوالے سے ہے۔ خوف خوف کا باعث بنتا ہے۔ ان کے بہترین تجزیہ نگاروں کا تجزیہ ہے کہ اگر دنیا میں کوئی چیز امریکی بالادستی' عالمی امن اور ان کی پرآسائش زندگیوں کو معرض خطرے میں ڈال سکتی ہے' تو وہ اسلام ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک اس سے پہلے کہ مسلمان کوئی کارروائی کریں' تم پہل کر جاؤ۔

چنانچہ ہر تیسرے چوتھے ہفتے ''جنگجو اسلام'' پر ان کے میگزینوں ''نیوز ویک'' اور ''ٹائم'' میں ضرور کچھ نہ کچھ چھپتا ہے۔ اس میں وہ اس خطرے کو مسلسل نمایاں کر رہے ہیں کہ ایک اور صلیبی جنگ وقوع پذیر ہو سکتی ہے۔ مسلمان یکجا ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ان کو کسی بھی قیمت پر

طاقت کے حصول سے روکا جائے۔ ایک بڑی دلیل پاکستان کے خلاف یہی ہے۔ اسی طرح کی بڑی دلیل ایران کے خلاف بھی ہے' جو انٹرنیشنل میزائل بنانے کی راہ پر ہے۔ روس ایران کی بم بنانے میں مدد کر رہا ہے۔ فوری طور پر دجال کی توجہ عراق پر ہے۔ اس کے بعد ایران پر حملے سے چیزیں تیزی سے اور وسیع پیمانے پر پیش رفت کریں گی۔ اس سے مکمل تباہی کی ابتداء ہو جائے گی۔ اس لیے اب دجال کوئی تصوراتی شے نہیں رہی۔ یہ مما لک کا گروپ ہے۔ یہ تھاٹ کا سسٹم ہے اور اس کے ساتھ ایک بڑا انسانی فرد کسی وقت بھی اس قیامت کا باعث بن سکتا ہے۔

دجال کا ساتھ دینے والے

میرا خیال یہ ہے کہ سوال ہمارے پس منظر میں جا نہیں پاتا۔ جب تک ہم یہ نہ دیکھیں کہ جن لوگوں نے ساتھ دیا ہے' ان کی مجبوریاں کیا تھیں؟ صورت حال کو دیکھنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات سینئر حاکم ایک تباہی اور اپنی قوم کی ذلت دیکھتا ہے' وہ اس سے گریز کرنے کے لیے کچھ ایسے قدم اٹھاتا ہے جو بظاہر ہمیں اچھے نہیں لگتے ہیں۔ اس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ ضرور نقل کردوں کہ ہر وہ کوشش' جو اسلام کو مزید کمزور اور اسے مزید رسوا کر دے' وہ اخلاقاً منع اور ممنوع ہے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جس عالم میں آپ کی کسی بڑی جنگ کے لیے تیاری نہیں تھی' لوگ تیار ہیں نہ آپ کے پاس ایسے اسباب مہیا ہیں۔ اگر اس عالم میں آپ جنگ چھیڑ دیتے ہیں' تو عقل و معرفت یا دنیاوی حقائق یہ کہتے ہیں کہ چلو اگر ہم بالکل نہ بھی مرتے تو ایک بہت بڑے بحران اور نقصان سے آشنا ہوتے۔

دوسرا میں پاکستان کے تناظر سے بات کرتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ ہمارے خلاف بھی استعمال کرنے کے لیے ان کے پاس ایک بہت بڑی طاقت موجود تھی اور ہو سکتا ہے کہ ہماری سزا و جزا کے لیے یہ خداوند زمین' طلسم ہوشربا کا یہ جادوگر افراسیاب' نا کامیاب اور امریکہ ایسے ایسے ہتھیار استعمال کرتا کہ ہمارے پاس چونکہ بھی لڑنے کے لیے شاید اتنی گنجائش نہیں ہوتی۔ لیکن اس سے بالا بھی میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ خدا جب اپنے دین کی مدد کرنا چاہتا ہے تو بعض اوقات ایک فاسق سے بھی کام لیتا ہے۔ یہ قول معتبر ہے اور صحیح ہے۔

یہود وہنود کا وقت آخر

یہود وہنود جیسے آپ دیکھ رہے ہیں' یہ بھی ایک پارٹی ہے' جو اللہ کے حکم سے اکٹھی تیار ہو رہی ہے اور ان کی تباہی بھی اکٹھی ہے۔ اللہ نے یہود پر تین دفعہ لعنت ڈال دی۔ نو بخت نصر کے زمانے میں' اس کے بعد اسے Cassidines نے تباہ کیا اور وہ بکھیر دیئے گئے۔ پہلی دفعہ اسماعیل نبی کی دعا سے اکٹھے ہوئے۔ دوسری مرتبہ یہ حضرت دانیال کی دعا سے اکٹھے ہوئے۔ اللہ نے کہا کہ تیسری مرتبہ میں تمہیں کوئی چانس نہیں دوں گا۔ یہودیوں نے اپنی تاریخ کا زیادہ تر وقت مسلمانوں کے علاقوں میں گزارا۔

انگریزی کا پہلا ناول Pamela ہے۔ اس میں یہودی ہیروئن باپ سے کہتی ہے کہ یورپ میں تو ہم کہیں بھی امن سے نہیں رہ سکتے۔ جہاں جاتے ہیں' ہمیں مار پڑتی ہے' تو ہم مراکش چلتے ہیں۔ مسلمان بادشاہوں کے زیر تسلط علاقہ ہے۔ وہ بڑے باانصاف لوگ ہیں۔ وہیں ہمیں امن ملے گا چنانچہ تمام تر تاریخ میں یہ کم بخت مسلمان بادشاہوں کے زیر اثر امن پاتے رہے۔ ورنہ ان کو سارے ہی مارتے رہے۔ جب سے برٹش نے ان کو ادھر آباد کیا' تو حقیقت میں سب اللہ کی مشیت کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں۔ یہ ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے۔

یہودیوں میں اب اصلی یہودیوں کوئی بھی نہیں۔ جیسے اصلی برطانوی کوئی نہیں جس قوم میں نسب صحیح نہ ہو' اس قوم میں نسلی تعصب بڑا ہوتا ہے۔ مثلاً برطانیہ کے آبادکار پہلے سیکسن تھے۔ اینگلز نے ان پر چڑھائی کی۔ اب اینگلز نے بری طرح ان کو رگڑا کہ ان کی اصلی نسل ہی غائب ہوگئی۔ وارلارڈز کا ایک اصول تھا کہ ہر شادی کے قابل لڑکی شادی سے پہلے دو یا تین دن وارلارڈز کے ساتھ گزارے گی۔ اب بتایئے کہ پھر سیکسنز کی کیا نسل رہی تھی؟ اس پوری نسل کو گڈمڈ کر کے اینگلوسیکسنز کہا جانے لگا۔ وہ کچھ دیر چلی ہوگی کہ اوپر سے وائی کنگز نے حملہ کر دیا۔ وہ بھی دو ہی چیزوں کے رسیا تھے' چنانچہ برٹش کو دوبارہ اسی بحران سے گزرنا پڑا کہ ان کی اصلی نسل ہی غائب ہوگئی۔ جب وہ ہٹے' تو رومنز چڑھ کے اوپر آ گئے۔ رومنز نے کچھ عرصہ غلبہ کیا اور ان کی نسل بگاڑ کر چلتے ہوئے۔ پھر فرنچ آئے' نارمنڈی کے نارمنز آئے۔ سو یہ اتنی بار پامال ہوئے کہ اب بمشکل ہی کسی برٹش کو اصل نسل کا کہہ سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے اپنے مورخین کہتے ہیں کہ برطانیہ کے سات

بادشاہ کم از کم بے نسلے تھے۔

یہی حال یہود کا ہے۔ اگر آپ ان کی پوری تاریخ دیکھیں تو پوری تاریخ میں انہیں سزا ہی ملتی رہی۔ ان کو سزا یہ ملی کہ جوانوں کو قتل کر دو ویستحیون نساء کم (پ ۹، س الاعراف، آیت ۱۴۱) اور لڑکیاں زندہ چھوڑ دو۔ یہ انہیں اللہ کی طرف سے سزا مل رہی تھی۔ غلامی، بچوں کا قتل اور یہ اتنے بد بخت تھے کہ اسرائیل نے خدا سے عرض کی، یہ تیرے محبوب پیغمبر کی قوم ہے۔ تو ان کو کیوں قتل کرتا ہے؟ اللہ نے کہا، اسرائیل اٹھو! میرے فرشتوں کے ساتھ ہیکل سلیمانی میں آؤ۔ ہیکل سلیمانی میں اس نے کہا، دیکھئے یہ بد بخت کیا کر رہے ہیں؟ وہاں ایک بحث چھڑی تھی کہ اللہ کا بت کہاں بنایا جائے اور کیا بنایا جائے۔ یہوواہ بنایا جائے یا ایلیا بنایا جائے۔ یہ چاندی کا بنایا جائے یا سونے کا بنایا جائے تو اللہ نے کہا کہ انہوں نے میرے پاک استھانوں کو پلیدی سے ناپاک کیا ہے۔ میں انہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ دوسری مرتبہ پھر یہ برباد ہوئے۔ نوبخت نصر کے زمانے میں۔ اب یہ بکھرے ہوئے تھے تو اس سے قرآنی آیت خطرے میں پڑی ہوئی تھی۔ اللہ یہ کہتا ہے کہ جب بھی یہ جمع ہوں گے، یہ وہی حرکتیں کریں گے اور پھر ہم ان کو ماریں گے۔ اس دفعہ حتمی ہے۔

نبی کریمؐ کا ارشاد ہے، یہ بہت بڑی جنگ ہے۔ اس جنگ میں یہود پہلے فتح پائیں گے اور دائمی قربانی کو معطل کیا جائے گا۔ یہ مکہ تک دخول کریں گے، اس کے بعد یہ مدینہ کو بڑھیں گے اور مدینہ کی حضورؐ نے فرمایا، ملائکہ حفاظت فرمائیں گے۔ ان کا رخ پلٹایا جائے گا اور شام میں جا کر آخری جنگ ہوگی، جس میں یہود صاف ہو جائیں گے اور اس حد تک کہ کوئی بچہ، کوئی بوڑھا، کوئی عورت نہیں بچے گی۔ مکمل طور پر ان کا صفایا ہو جائے گا۔ رسولؐ نے فرمایا، سوائے غرقد کے درخت کے کیونکہ یہ یہود کا درخت ہے۔ یہ ان کا کچھ چھپا لے گا۔ ادھر ان کی اور ادھر ان کی تباہی مقدرات میں سے ہے۔

ضیاء الحق کی ایک بات مجھے بڑی پسند ہے۔ اس نے بھارت کو ایک پیغام دیا۔ جب جنگ کی باتیں ہو رہی تھیں کہ تو معصومیت کی باتیں کرتا ہے مگر پاکستان نہ رہا، تو بھی اسلام رہے گا کیونکہ ہم خالی مسلمان نہیں ہیں مگر اگر تم مر گئے، تو ساتھ سارا ہندو بھی رخصت ہو جائے گا۔ چنانچہ اب مقدر کا رخ ہندوؤں کی طرف بھی ہے اور یہودیوں کی طرف بھی۔ جب اللہ میاں ان سے کہتا

ہے کہ تم نے مجھ سے کون سا کاغذ لکھوالیا تھا کہ تم ساری یہ حرکتیں کرتے رہو گے اور میں تمہیں چھوڑ دوں گا؟

چینی تہذیب کا رول

شروع کی جو روایت ہمارے ہاں چلتی آئی ہے' اس میں اسلام اور چینی تہذیب ایک ساتھ اٹھتے رہے۔ چین کی تہذیب میں جو سب سے بڑا شعوری فیصلہ ہے کہ وہ اپنے علاقے سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ مانچو' تانگ' منگ جتنی بھی سلطنتیں ہو گزری ہیں' ان میں جو ہم نے وصف دیکھا ہے کہ وہ کسی قیمت پر بھی اپنے پیغام اور سرحدوں کو آگے بڑھانے میں دلچسپی نہیں رکھتے بلکہ جب سوشلزم کا پرچار ہوا اور روس بزعم خود اپنے انقلاب کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلانے کے لیے آگے بڑھا تو اگرچہ چین نے اسی انقلاب کو قبول کیا اور لینن ازم سے ماؤ ازم جاری ہوا مگر اس کے باوجود انہوں نے اپنے اس پیغام کو کسی دوسرے علاقے میں پھیلانے کی کوشش نہیں کی۔ اس کا اپنا اختیار کردہ تہدیدی رویہ ہمیشہ مسلمانوں کے حق میں رہا۔ جب مسلمان بلند ہوئے' تو اس کے ساتھ اس زمانے میں سب سے بڑی تہذیب جو پرورش پائی' وہ چینی تھی۔ میری رائے میں جب سے مسلمانوں کو زوال آیا' چینی بھی زوال پذیر ہو گئے۔ اب دوبارہ یہ دونوں تہذیبیں ایک ساتھ بن رہی ہیں۔

مگر فکر کی صرف ایک بات ہے کہ مسلمان اور عیسائی لڑ جھگڑ کے فیصلہ مسلمان اپنے حق میں کرالیں گے۔ مگر چینی جس وقت یاجوج و ماجوج بن کر نکلیں گے' تو پھر دنیا کی کوئی طاقت ان کو روک نہیں سکے گی۔ کیونکہ یاجوج و ماجوج کے فرانس کے میونسپلٹی ہال میں جو دو بت لگے ہوئے ہیں He Cog اور Me Cog کے نام سے' اس سے پتہ یہ لگتا ہے کہ یہ کوئی خارجی یا آسمانی نسلیں نہیں ہیں' بلکہ دنیاوی نسلیں ہیں۔ یہ حضرت نوح کے تیسرے بیٹے بنو یافث کی اولاد ہیں۔ یافث سے آپ سمجھیں گے کہ یہ بالکل وہی چینی نسلیں ہیں۔ یہ تعداد میں اس قدر زیادہ ہیں کہ زمین کی ہر چیز چٹ کر جاتے ہیں۔ وہ تو پاکستان سے کتے بھی منگوا کر کھا بیٹھے ہیں۔ وہ بلی چھوڑتے ہیں نہ بندر نہ مینڈک۔ ہر وہ چیز جس کا نام سن کر ہمیں کراہت آتی ہے' ان کے معدے میں پہنچ چکی ہے۔ میرے خیال میں اس سے بہتر یاجوج و ماجوج نہیں ہو سکتے۔

ظہورِ مہدی اور انڈیا

مہدی کے ظہور کا کوئی وقت نہیں ہے۔ مہدی ایک وقت کی ضرورت ہے۔ اس وقت جو سینار یو (Scenrio) بن رہے ہیں' یہ اتنا لمبا عرصہ نہیں چلیں گے۔ پہلی دفعہ مجھے حضورؐ کی حدیث سمجھ میں آئی کہ زمانے چھوٹے اور مختصر ہو گئے ہیں۔ جو باتیں پہلے سو سال میں ہوتی تھیں' وہ اب پانچ' سات سال میں ہونے لگی ہیں۔ واقعات خزاں کے پتوں کی طرح گر رہے ہیں۔ پہلے زمانے اور آج میں فرق ہے کہ اس دور میں واقعات برپا ہونے میں بڑا وقت لیتے تھے۔ ایک آج ہوا ہے تو دوسرا سات برس بعد اور تیسرا دس برس بعد ہوتا تھا۔ اس وقت ایسا نہیں ہے۔ اب ہر روز آپ کے لیے ایک بڑی خبر ہے۔ حالات زمانے کی گرفت سے نکل چکے ہیں۔ وہ وقت کو ڈکٹیٹ کر رہے ہیں' جس سے بڑی تبدیلیاں وقوع پذیر ہو رہی ہیں۔

میں انڈیا کو اپنا حریف نہیں سمجھتا۔ انڈیا ہمیشہ متعدد ریاستوں کا مجموعہ رہا ہے۔ برصغیر کی ریاستوں کے اجتماع میں صرف ایک ریاست جو طاقتور ترین ہے' وہ پاکستان ہے۔ انڈیا کا ریاستی نظام کمزور سے کمزور تر ہوتا جا رہا ہے۔ کیا ان کو جوڑنے والی قوت انڈین نیشنلزم اور ہندوازم ہے؟ جس لمحے بھی انڈیا ہندوازم کو نچ کرے گا' سب سے پہلے ہندوؤں میں ہندو ہی اس کے خلاف ہو جائیں گے۔ اچھوت جو عدم مساوات پر قطعاً سودا بازی کے لیے تیار نہیں۔ اپنے مذہب کے اندر رہتے ہوئے بھی وہ اس کو برداشت نہیں کرتے۔ اس کے بعد سکھ اور تامل گروہ بھی ہیں۔

انڈیا میں چلنے والی تحریکیں مذہب کے اندر بھی ہیں اور اس سے باہر بھی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی علاقائی قوم پرستانہ تحریکیں اس کے علاوہ ہیں۔ مذہب کے اندر چلنے والی تحریکوں میں سے ایک تحریک اسلام بمقابلہ ہندوازم ہے۔ دوسری ہندو بمقابلہ ہندوازم ہے۔ ان تمام اختلافات کے ساتھ ان کو مذہب یا نیشنلزم اکٹھا نہیں کرتا' بلکہ کلچر اکٹھا کرتا ہے۔ انڈین ایک اور یکساں کلچر کی وجہ سے اکٹھے ہیں۔ وہ اپنے سیاستدانوں اور بلکہ اپنے ایکٹروں اور ایکٹرسوں کی وجہ سے یکجا ہیں۔ یہ بڑی دلچسپ چیز ہے۔ انڈین کی نفسیات میں موسیقی اور ڈانس کی روایات ان کی شناخت ہیں۔ ہندوستانی اتنا اندرا گاندھی پر فخر نہیں کرتے' جتنا کہ دلیپ کمار' ایشوریا رائے اور اس طرح کے دوسرے لوگوں پر فخر کرتے ہیں۔ ان کی ہم آہنگی اور مفاہمت قومی جغرافیے کو نہیں' بلکہ ان کے

کلچر کو ثابت کر رہی ہے۔ آپ ان کے تمام ٹی وی اسٹیشن دیکھیں، تو ان کی ہم آہنگی اور مفاہمت جغرافیائی حدوں پر ختم نظر نہیں آتی بلکہ ایک کلچر میں ڈوبی نظر آتی ہے۔

جہاں تک انڈیا کی اسلحہ سازی کا تعلق ہے، وہ ہم سے اتنی بھی ایڈوانس نہیں ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ انڈیا خوف کے مارے اپنی ہر چیز کی پبلسٹی میں مبالغہ آرائی کرتا ہے۔ جبکہ تمہاری ہر دریافت خفیہ رکھی جاتی ہے۔ مگر ہندوستان اپنے چھوٹے سے چھوٹے ہنر کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ وہ نمایاں اس لیے کرتا ہے کہ امریکہ اور دوسرے ممالک کے بقول انڈیا ان علاقوں میں ایک کلیدی رول ادا کرسکتا ہے۔ انڈیا چائنہ کے مقابلے میں کیسے رول ادا کرسکتا ہے؟ اگر ہم طاقت اور قوت کی بات کرتے ہیں، تو پھر چین انڈیا سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس کے تو سادہ سے شماریاتی پیمانے ہیں۔

چین کا کلچر انتہائی بہتر حالت میں ہے۔ چینی بنیادی طور پر بدھ ازم کے پیروکار ہیں۔ عرصہ دراز سے آپ چین کی تاریخ میں زبردستی قبضہ اور توسیع پسندی کا ایک واقعہ بھی نہیں دیکھ سکتے۔ وہ توسیع پسند نہیں، روس البتہ ہے۔ ہم چین پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ وہ ایک ایسا سود مند ترقی پسند ملک ہے، جس سے مشورہ لیا جا سکتا ہے، یا مدد مانگی جا سکتی ہے۔ کافر ہونے کے باوجود روایتی طور پر وہ زبردستی قبضہ کے قائل نہیں ہیں۔ چین کے برعکس انڈیا میں اتنا لالچ، طمع اور گھٹیا پن ہے کہ اشوکا کی فلاسفی میں صرف برصغیر نہیں، بلکہ ماوراءالنہر تک زبردستی تسلط قائم کرنے کا ٹارگٹ دیا گیا ہے۔

اگر ایران کی تاریخ کو بغور دیکھیں، تو پتہ چلتا ہے کہ دو ہزار سالہ جشن ایران میں ایرانیوں نے کبھی بھی ہندوستان والوں کو اتنا طاقتور نہیں سمجھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ایرانیوں نے ہمیشہ ہندوستان پر حقیرانہ نظر ڈالی ہے۔ ان کا بھی احیا ہو رہا ہے۔ اس کے بعد ان کا حق ہے۔ مشرق وسطیٰ کے کئی علاقے ان کے قریب ہیں۔ اگر جنگ ہوتی ہے تو ہم چین، ایران حتیٰ کہ ترکی پر بھی اعتماد کر سکتے ہیں۔ یہ سب مل کر ہندوستان کو بالکل فنا کر دیں گے اور اگر ایٹمی جنگ چھڑ گئی، تو یہ بالکل نابود ہو جائیں گے۔

امریکہ اور مغرب کا کردار

دراصل امریکہ اور مغربی ملکوں کی نظر ہندوستان کی ایک بلین عوام کی مارکیٹ پر ہے۔

لیکن آپ امریکہ یا یورپین ممالک کو زیادہ عقل و ذہانت کا کریڈٹ نہیں دے سکتے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ کبھی بھی سمجھدار نہیں رہے۔

پہلی اور دوسری جنگ عظیم ہم نے تو نہیں شروع کی۔ ہم ان جنگوں کے ہرگز بانی نہیں ہیں۔ جو آپ بتا رہے ہیں' وہ صرف اور صرف ٹیکنالوجی ہے۔ اتفاقاً سو دو سال کے دورانیہ میں کچھ ممالک ترقی کی طرف گامزن تھے اور کچھ تنزلی کی جانب رواں رہے۔ ان کے زمانہ نشاط میں علم نہیں بڑھا' بلکہ ٹیکنالوجی نے نمو پائی ہے۔ بجلی کی ایجاد کے بعد تمام تر کامیابیوں کا سہرا صرف تکنیکی آلات کے سر جاتا ہے۔ آپ نے کچھ نہیں کیا۔ ان کے پاس ذرائع ہیں۔ ان کے گھر گھر ورکشاپس ہیں اور آپ کے ایک شہر میں بھی نہیں ہے' جہاں بیٹھ کر کوئی کام کرلیا جائے۔

ہم نے کہوٹہ اور دوسری جگہوں پر ورکشاپس کا آغاز کردیا ہے۔ ہماری ترقی کا حجاب کم ہوگیا ہے۔ پہلے سو سال کا تھا' پھر پچاس سال کا رہ گیا ہے۔ ایٹم بم بننے کے بعد ہماری اور ان کی ترقی کے درمیان بند صرف پانچ سال کا رہ گیا ہے۔

پاکستان بمقابلہ ہندو اسرائیل

میرا شروع سے خیال یہ ہے کہ ہم پاکستانی ہی مذہبی اعتبار سے اس قابل ہیں کہ وہ ہندوؤں اور اسرائیل سے لڑیں گے۔ مذہبی و ذہنی شرائط پر ہمارے علاوہ کوئی پورا نہیں اترتا۔ باقی لوگ ذہنی اعتبار سے اتنے Committed نہیں ہیں۔ اگر ذہنی اعتبار سے ہیں' تو دلی اعتبار سے کمیٹڈ نہیں ہیں۔ ہم اصولی طور پر دو بنیادی رویے رکھتے ہیں۔ یہ دونوں رویے اکٹھے کیے جائیں' تو اسلام بنتا ہے۔

پہلی بات خدا کو ترجیح اول قرار دینا اور اس پر کوئی مفاہمت نہ کرنا اور دوسرا پیغمبر سے محبت اور اس پر کسی قسم کی مصالحت سے انکار ہے۔ یہ دو رویے ہی مسلمان کے بنیادی اجزائے ترکیبی ہیں۔ جب میں پوری دنیا پر نظر دوڑاتا ہوں اور مشرق وسطیٰ اور مختلف خطوں میں آباد لوگوں کے اسلام اور ثقافتی اسلام کا جائزہ لیتا ہوں' تو مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ سے اتنی گہری محبت رکھنے والے نہیں ہیں۔ وہ مذہبی لوگ ہیں اور بہت مذہبی لوگ ہیں۔ لیکن مذہب ان کا تعصب ہے' پسند اور محبت نہیں ہے۔

اس کے برعکس برصغیر کے لوگوں میں تمام مذہب اولیا اللہ کے ذریعے آیا ہے۔ انہوں نے اس کی بنیاد محبت پر رکھی ہے۔ چاہے وہ چشتی تھے' قادری یا شیخ ہجویری۔ انہوں نے مذہب کی بنیاد خلوص اور محبت پر رکھی ہے۔ پھر انہوں نے لوگوں کو طریقہ سکھایا۔ ایسے مذہب صرف طریقہ ہی سکھاتے ہیں اور اس پر انحصار کرتے ہیں۔ چنانچہ میرا یہ پکا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم انڈیا کے خلاف لڑیں گے اور اسرائیل کے خلاف لڑیں گے۔ یہ دو پاکستانیوں کی جنگیں ہیں۔ اس حدیث میں بعینہٖ یہی بات کہی گئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا مسلمان جب ہند کی جنگ سے فارغ ہوں گے' تو وہ مہدی کو شامل ہوں گے' جو اسرائیل کی جنگ کے لیے تیار ہوں گے۔ یہ اس وجہ سے ہوگا کہ مسلمان ایک دو تین دفعہ شکست کھا چکے ہوں گے۔ فتح پاکستانی مسلمانوں کی ہوگی کہ وہ جائیں گے اور مہدی کو مدد فراہم کریں گے۔

غزوۂ ہند کی حدیث

میں نے بہت تلاش کی' مجھے غزوہ ہند والی حدیث کی سند نہیں ملی۔ میری خواہش تھی کہ میں اس کی روشنی میں کچھ نہ کچھ آپ کو اطلاع بہم پہنچا سکوں' مگر بے پناہ کوشش کے باوجود غزوہ ہند کی کوئی سند نہ ڈاکٹر جلیل صاحب نے نکال کے دی نہ میرے پاس موجود تھی۔ مگر وہ حدیث' جو میں نے آپ کو نقل کی کہ مجھے ہند سے خوشبو آتی ہے' اس کی ہمیں کہیں نہ کہیں سے سند مل گئی ہے۔ میں ہندوستان کو اپنا حریف نہیں سمجھا اور ہندوستان کبھی بھی ہمارا حریف نہیں ہوگا۔ پاکستان کچھ عرصہ گزارنے کے بعد اگر اس کا کوئی کام باقی ہے' تو مغربی یلغار کے سامنے آئندہ تین سے پانچ برسوں میں پاکستان ایک سپر پاور بن کر کھڑا ہوگا اور اللہ کی عنایت اور مدد سے تمام مسلم سرمایہ پاکستان کو سپورٹ کرے گا۔

پاکستان کی مہارت' اس کا اسلحہ' اس کے رنگ روپ مسلمان ملکوں میں جائیں گے۔ اس توہین کے بعد' جو مسلمان ممالک کو بھی یورپی ممالک سے ہوئی ہے' مسلم دنیا کی حمایت اور امداد کا بہاؤ پاکستان کی طرف ہوگا۔ کیونکہ ہمارے پاس وہ سب کچھ ہے' جس سے ہم عرب ملکوں کو تحفظ بھی دے سکتے ہیں' اسلحہ بھی دے سکتے ہیں اور کلچر بھی دے سکتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ العزیز پاکستان آئندہ آنے والے مشکل وقت میں مسلم امہ کی قیادت کرے گا۔

پاکستان اور بنگلہ دیش

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا تعلق اسلام سے نہیں، بلکہ اس کی جغرافیائی ضرورت تھی۔ جس قسم کی غلط فہمیاں دونوں مسلمان بھائیوں میں پیدا ہو رہی تھیں، وہ اتنی بڑھ گئی تھیں کہ شاید ان کا اکٹھا رہنا اسلام کے مفاد میں نہ ہوتا۔ پروردگار نے ان کو ضرور جدا کیا، مگر میرا ایک اور بھی یقین ہے کہ آنے والے سات سے دس برسوں میں ان کا اشتراک عمل دوبارہ وجود میں آ جائے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ العزیز کوئی صورت کنفیڈریشن کی نکل آئے گی۔ میرا نہیں خیال کہ انڈیا نے بنگلہ دیش سے وہ فوائد حاصل کر لیے ہوں، جو وہ چاہتا تھا۔ پاکستان توڑنا ایک بات ہے، مگر بنگلہ دیش سے وہ فوائد حاصل نہیں کر سکا، جو اصل میں بنیے کی نیت تھی۔ ایک جنگ کے نتیجے میں ہم جدا ہوئے ہیں، دوسری جنگ کے نتیجے میں اکٹھے ہو جائیں گے۔